JI\MONO.
not found.

مقالات حبیب

(حصہ اوّل)

باب (۱) ہندوستان میں احیاء علم وفکر

باب (۲) صحابۂ کرام کی منفردانہ عظمت شان

باب (۳) فرق باطلہ کا تعاقب

تالیف

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، یوپی

ناشر

شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند

زیر نگرانی

حضرت مولانا بدرالدین اجمل علی القاسمی صاحب
رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

سلسلہ اشاعت ۴۱ ؁

نام کتاب : مقالات حبیب (حصہ اوّل)
مولف : حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند
سن اشاعت : ۱۴۳۰ھ — ۲۰۰۹ء
تعداد صفحات : ۳۶۹
ناشر : شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

فہرست ابواب وموضوعات (اجمالی)

(حصہ اوّل) باب (۱) ہندوستان میں احیاءِ علم وفکر

(حصہ اوّل) باب (۲) صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی منفردانہ عظمت شان

(حصہ اوّل) باب (۳) فرق باطلہ کا تعاقب

(حصہ دوم) **باب** (۴) مسائل و دلائل

(حصہ سوم) **باب** (۵) گوشۂ سیرت وتاریخ

(حصہ سوم) باب (۶) تذکرہ اربابِ فضل وکمال

فہرست ابواب وموضوعات

(حصہ اوّل)

باب (۱) ہندوستان میں احیاءِ علم وفکر

باب (۲) صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی منفردانہ عظمت شان

باب (۳) فرق باطلہ کا تعاقب

حرفِ تشکر

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند ایک اچھے صاحب قلم ہیں۔ لکھنے والوں میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، ان کے مضامین مقبول ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ قلم کی طاقت، ایک بڑی طاقت ہے، یہ جسے مل جائے قدرت کی جانب سے ایک انعام ہے۔ اس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔ ہوشمند لوگوں نے اس کی طاقت سے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے عظیم انقلابات میں قلم کا اہم رول رہا ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کی اہم کتاب ''مقالات حبیب'' ہے۔ موصوف نے مختلف اوقات میں، مختلف موضوعات پر جو قیمتی مضامین لکھے ہیں، وہ یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ مضامین کی اثر انگیزی کی بات یہ ہے کہ ہر مضمون کو بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے اور ہر بار ایک نئی تازگی ملتی ہے۔ مجھے اس پر بیحد مسرت ہے کہ کتاب کی افادیت کو دیکھتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے شیخ الہند اکیڈمی سے اس کی طباعت منظور فرمالی ہے جو جلد منصۂ شہود پر آنے والی ہے۔

توقع ہے کہ اسے خاص وعام کے حلقوں میں نمایاں مقبولیت حاصل ہوگی۔

بڑھتا رہے اس راہ میں قدم اور زیادہ
اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

(مولانا) بدرالدین اجمل علی قاسمی (صاحب)
رکن مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند
۷/ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ = ۲۷/اکتوبر ۲۰۰۹ء

پیش لفظ

پیشِ نظر کتاب ''مقالات حبیب'' حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی استاذ حدیث و مدیر اعلیٰ ''ماہنامہ دارالعلوم دیوبند'' کے بیش بہا مضامین کا مجموعہ ہے۔ مضامین بڑی محنت اور جانفشانی سے لکھے گئے ہیں جو ضرورت وقت کے عین مطابق ہیں۔ آج کے حالات میں ایسے مضامین کی خاص طور پر ضرورت ہے۔ مولانا کا قلم رواں دواں ہے۔ وہ جس موضوع پر اٹھتا ہے اس کا پورا پورا حق ادا کر دیتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ مجموعہ جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اہل علم میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ کتاب کے آغاز میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب امینی ایڈیٹر ''الداعی'' واستاذ دارالعلوم کی تقریظات بھی ہیں جن سے کتاب کی معتبریت مزید بڑھ جاتی ہے۔ تقریظات میں کتاب کا تعارف علمی وادبی اور خوبصورت انداز میں کرایا گیا ہے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا یہ اہم اور مفید ترین مجموعہ شیخ الہند اکیڈمی سے شائع کیا جا رہا ہے جو علمی وادبی، اصلاحی، تحقیقی اور معلوماتی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے ہر مکتب فکر کے اہلِ ذوق حضرات کو فائدہ ہوگا۔

دعا ہے حق تعالیٰ فاضل مؤلف کو صحت و عافیت کے ساتھ زندہ سلامت رکھے اور توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ اپنے پاکیزہ قلم سے علم و فن کے شہ پارے پیش کرتے رہیں۔

(مولانا) مرغوب الرحمٰن (صاحب)

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۷/ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ = ۲۷/اکتوبر ۲۰۰۹ء

تقریظ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

نحمدُہ و نصلی علی رسوله الکریم، أما بعد:

ہزار رنگ ہیں نیرنگی حیات میں، اور گل ہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن، ''مقالاتِ حبیب'' ایسے ہی انواع والوان کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس ضخیم کتاب کے ۶ ابواب ہیں:

باب اوّل میں ہندوستان میں احیائے علم وفکر کا مفصل تذکرہ ہے، اور مکتب فکر دار العلوم دیوبند کا اور اس کے ابنائے قدیم کا مبسوط تعارف ہے۔ دار العلوم نے ملت اسلامیہ کو کیا دیا؟ اس نے کن کن فتنوں کا تعاقب کیا؟ اس کی تفسیری، حدیثی، فقہی اور اصلاحی خدمات کیا ہیں؟ ان سب باتوں کا تفصیل سے تذکرہ آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔

دوسرے باب میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی منفردانہ عظمتِ شان کا بیان ہے، یہی حضرات امتِ اسلامیہ کا پہلا قافلہ ہیں، یہی حضرات دین کے ناقل اور محافظ ہیں، انہی کے دوشِ ناتواں پر دین کی تلقّی، اور دعوتِ اسلامی کی ہمہ ہمی کا بوجھ رکھا گیا ہے، اور تاریخ شاہد ہے کہ وہ اس ذمہ داری سے بہ احسنِ وجوہ عہدہ برآ ہوئے ہیں، اور یہ حضرات ہر طرح قابل اعتماد ہیں، کچھ لوگ (شیعہ، غیر مقلدین اور مودودی) ان حضرات کو ان کے لائق مقام نہیں دیتے، بلکہ ان کے حق میں بدگمانی کا شکار ہیں، معلوم نہیں وہ لوگ اپنے دین کے معاملہ میں کس پر اعتماد کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول...... پر! بے شک دین کا مبنیٰ تو یہی ہے، مگر وسائط کے بغیر ان کی باتیں ہمیں نہیں پہنچی، پس اگر درمیانی کڑیوں پر اعتماد نہ رہے اور اسلاف سے بے تعلقی ہو جائے تو پھر فہم دین کا خدا حافظ! آپ کو اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ قرآن وسنت کی نظر میں صحابۂ کرام کا کیا مقام تھا؟ ان کا تقدس اور ان میں

معیار افضلیت کا بھی اس کتاب میں مفصل بیان ہے۔

تیسرا باب: فرقِ باطلہ کے تعاقب میں ہے، سب سے پہلے فرنگی نبی (قادیانی) کی داستانِ حیات ہے، پھر مرزا قادیانی کے عقائد و دعاوی کا بیان ہے، پھر قرآنِ حکیم میں قادیانی تحریفات کی چند مثالیں دے کر انقلاب ایران کی حقیقت واشگاف کی گئی ہے، اس طرح اشہب قلم شیعیت کی طرف چل پڑا ہے، اور آخر میں عقائد اہل سنت والجماعۃ اور عقائد شیعہ کا تقابلی مطالعہ ہے، جو خاصے کی چیز ہے۔

چوتھے باب میں مسائل ودلائل ہیں، اور اس میں کئی معرکۃ الآراء مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ مثلاً: (۱) رفع یدین کی بحث (۲) خواتین کا مساجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنا (۳) نکاح وطلاق کا اسلامی ضابطہ (۴) ایک مجلس کی تین طلاقیں (۵) سکران (مدہوش) کی طلاق کا حکم (۶) حرمتِ مصاہرت (۷) اور حقیقتِ رجم پر ایک نظر۔ یہ سب مسائل معرکۃ الآراء ہیں، ان میں بھانت بھانت کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ مصنف زید مجدہم اس خاردار وادی سے فائز المرام نکل گئے ہیں... علاوہ ازیں: (۱) اسلام میں روزہ کی افادیت (۲) آیاتِ صوم کی تفسیریں (۳) عشرۂ ذی الحجہ کے اعمال وفضائل (۴) اسلام میں شہید کی حقیقت اور فضیلت اور دیگر بہت سے مسائل زیر بحث آئے ہیں اور دلائل کی روشنی میں ان کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

پانچواں باب: سیرت وتاریخ کے بیان میں ہے۔ سب سے پہلے ہادئ عالم...... کی ازدواجی زندگی کا بیان ہے، آپ...... کی ازواج کی کثرت کے سلسلہ میں دو بنیادی نقطے بیان کئے ہیں، پھر ازواج مطہرات کے سوانح ہیں اور بحث کے آخر میں تعدد ازواج کی چار مصلحتیں بیان کی ہیں جو بہت عمدہ بحث ہے۔ پھر پوری سیرتِ نبوی پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے اور آپ...... کی سیرتِ مقدسہ کی چیدہ چیدہ باتیں ذکر کی ہیں۔ پھر قلم کا رخ تاریخ کی طرف متوجہ ہوگیا ہے۔ سب سے پہلے تاریخ اسپین کا عبرت خیز ورق الٹا ہے، پھر اجودھیا کی تاریخی حیثیت واضح کی ہے اور بابری مسجد سے پردہ اٹھایا ہے، حقائق کیا ہیں اور افسانے کیا؟ کتبوں کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا ہے اور آخر میں بابری مسجد تاریخ کے مختلف مراحل میں: ایک معلومات افزاء مقالہ ہے اور باب کے آخر میں: ہندوستان میں ''نظام

امارت“ کا بیان ہے۔

اور چھٹے اور آخری باب میں: اربابِ فضل وکمال کا تذکرہ ہے، پس یہ بھی گویا پانچویں باب ہی کا حصہ ہے پہلے امام اعظم کا پھر امام ابوداؤد رحمہما اللہ کا ذکر خیر ہے، پھر اجودھیا کے مشاہیر علماء ومشائخ کا تذکرہ ہے اور اجودھیا: ضلع جونپور سے قریب ہے، اس مناسبت سے متعدد جونپوری اکابر کا مفصل تذکرہ ہے، اور سید محمد جونپوری کے تذکرہ میں تحریک مہدویت کا بھی تعارف آگیا ہے۔ پھر جونپور سے متصل ضلع بنارس کے اکابر کا تذکرہ ہے۔

اور آخر میں مُسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ کا ذکر خیر ہے اور ان کے سفر حرمین کی مفصل روداد بیان کی ہے اور بالکل آخر میں، کتاب کے ختم پر، قافلۂ فضل وکمال یعنی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ اولین صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند کا اور ان کے مشاہیر تلامذہ کا ذکر خیر ہے، اور یہ ضخیم کتاب حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے تین امتیازات پر ختم ہوئی ہے۔

یہ اس معلومات افزاء کتاب کا ایک سرسری جائزہ ہے اور اس کا مختصر تعارف ہے۔

اور صاحب کتاب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، اور مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند) صاحب قلم مصنف ہیں، آپ کی بہت سی کتابیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوچکی ہیں، سیال قلم کے مالک ہیں، جب لکھنے پر آتے ہیں تو لکھتے ہی چلے جاتے ہیں، اور پر مغز لکھتے ہیں۔ آپ یہ کتاب پڑھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ ان کی سحر بیانی منفردانہ شان کی حامل ہے، مولانا کا علم پختہ، ذہن استوار اور معلومات وافر ہیں، اس لئے ان کی تحریروں میں قاری کو بڑے کام کے نقطے اور نکتے مل جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے علم وفضل میں برکت فرمائیں، اور ان کی تحریرات سے امت کو بیش از بیش فائدہ پہنچائیں اور اللہ تعالیٰ مولانا دام مجدہم کے اس مجموعۂ مقالات کو قبول فرمائیں اور ان کے فیض کو عام وتام فرمائیں، والسلام

کتبہٗ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند

۷/۱۱/۱۴۲۹ھ

تقریظ

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب

استاذ ادب عربی و رئیس التحریر ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے باکمال و کثیر الافادہ و دیرینہ استاذ اور اُس کے تحریری ترجمان ماہ نامہ ''دارالعلوم دیوبند'' کے لائق رئیس التحریر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی کی کتاب ''مقالاتِ حبیب'' میں نے جستہ جستہ دیکھی۔ اِسلامی موضوعات کے تنوّع اور جامعیّت کے تعلق سے گویا یہ ''دائرۃ المعارف'' اور ''قاموس العلوم'' ہے۔ اِن میں سے اکثر موضوعات، ماہ نامہ ''دارالعلوم دیوبند'' کے صفحات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ کچھ مضامین ایسے ہیں جن پر اُنھوں نے مستقلاً لکھا ہے اور کچھ وقت کے تقاضوں نے اُن سے رقم کروائے ہیں۔ موصوف نے جو کچھ لکھا ہے، خوب صورت اور بھرپور ہے، قاری کو کسی جگہ تشنگی اور بے مزگی کا اِحساس نہیں ہوتا۔ دارالعلوم دیوبند، اُس کے فکری اَساس، مسلکی اِعتدال، دین و دعوت کی اُس کی پاسبانی اور اُس کے فضلا کی دینی و دعوتی میدان میں خدمتوں کی بے پناہی پر اتنا اچھا لکھا ہے کہ کہنا چاہیے کہ قلم توڑ دیا ہے۔

اُنھوں نے کتاب کے مشمولات کو چھ ابواب پر تقسیم کر کے قاری کے لیے استفادے کی راہ آسان کر دی ہے۔ بابِ اوّل کا عنوان ہے: ''ہندوستان میں احیاے علم وفکر'' بابِ دوم ''صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی مُنفردانہ عظمتِ شان'' سے مُعنوَن ہے۔ بابِ سوم کا موضوع ''فرقِ باطلہ کا تعاقب ہے''۔ بابِ چہارم ''مسائل و دلائل'' سے موسوم ہے۔ بابِ پنجم ''گوشۂ سیرت و تاریخ'' کے موضوعات کو سمیٹتا ہے۔ جب کہ بابِ ششم

میں ’’تذکرۂ اربابِ فضل وکمال‘‘ کے تحت سلف سے خلف تک پچاسوں اربابِ فضل وکمال پر، تفصیل سے لکھا ہے۔

موصوف کے ہاں دینی وعلمی مطالعے کی وسعت، تجربہ ودرایت کی بہتات، دقتِ نظری، تحلیل وتجزیے کی فراوانی کے ساتھ ساتھ قاری کو زبان کی چاشنی، شگفتگی وشستگی، سلاست اور روانی اورصرف آمد، جس میں آورد کا کوئی شائبہ نہ ہو، کا اِحساس اُن کے علمی موضوعات کی تحریروں کو بھی (جو اپنی خشکی کے لیے مشہور ہوتے ہیں) از اول تا آخر پڑھ جانے کے لیے؛ اِس طرح کرتا ہے کہ بدذوق سے بدذوق اِنسان بھی اُن کی تحریر کو مکمل پڑھے بغیر دست انداز نہیں کرسکتا، قلم کی پختگی اور تحریر کے بانکپن کی وجہ سے ’’فقیہانہ‘‘ یا دوسرے لفظوں میں ادیبوں کے لباسِ خاص ’’ڈریس‘‘ میں نظر آنے والے اردو زبان کے کھلاڑیوں اور مداریوں کی طرف سے پختہ کار اہلِ قلم علما پر بھی ’’مولویانہ‘‘ زبان لکھنے کی سراسر ظالمانہ تہمت لگانے والے انتہائی بے حیا لوگ بھی اُن پر یہ تہمت لگانے کی جرأت نہ کرسکیں گے۔ یہ اردو زبان پر اُن کی معقول گرفت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ صحافیانہ سطحیّت، نامہ نگارانہ خشکی اور عاجلانہ وہمہ وقت لکھنے والے شہرت کے رسیا قلم کاروں کی ناپختگی وناہمواری سے اُن کی زبان بالکل مُبَرَّا ہے۔

یہ ہمہ گیر مجموعۂ مقالات قاری کو جہاں علم وفکر، دین ودعوت اور سیرت وتاریخ کا بھرپور درس دیتا ہے وہیں زبان وبیان کی سوغات بھی دیتا ہے۔ جوانوں کے لیے یہ کتاب بہ طورِ خاص ہمّت وحوصلہ اور فکر ونظر کو انتہائی حد تک حرکت دینے اور جمود وکسل مندی سے ہٹا کر نشاطِ کار سے سرشار کرنے والی ہے۔

بہت سے موضوعات پر اُنھوں نے اِتنا مواد اکٹھا کردیا ہے کہ عموماً ایک جگہ اتنا مواد نہیں ملتا۔ دوسری طرف فرقِ باطلہ اور مسالکِ منحرفہ پر اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ مواد کی کثرت، دلائل کی قوت اور مباحثے کے البیلاپن کی وجہ سے، اپنا جواب آپ ہے۔ مواد جمع کرنے، اسے چھاننے، پھٹکنے، اُس سے نتیجہ نکالنے اور صحیح جگہ میں صحیح طور پر اُس سے کام لینے کا ہنر اُنھیں خوب آتا ہے؛ اِس لیے اُن کی کتاب کا یہ باب بہت مزے دار اور

فکرانگیز ہے۔

موصوف کی متعدد کتابیں دینی وعلمی موضوعات پر شائع ہوکر مقبولِ عام ہوچکی ہیں؛ لیکن اُن کی یہ کتاب، جو درحقیقت کئی کتابوں کا مجموعہ ہے، ان سب سے ظاہراً وباطناً فائق ہے۔ اُن کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں میں بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو نوآموز ہونے کے باوجود ہر سال، یا سال میں کئی بار نئی نئی کتابیں شائع کرتے ہوں گے؛ لیکن موصوف پختہ کار اہلِ قلم واہل علم ہونے کے باوجود، کثرت سے مضامین یا کتابیں نہیں لکھتے؛ کیوں کہ کثرت سے لکھنا کوئی کمال نہیں، اچھا اور مفید لکھنا کمال ہے۔ کثیر التحریر لوگوں کی تحریر میں عموماً لغزشیں اور خامیاں راہ پا جاتی ہیں۔ کم نویس لوگ عموماً طویل غور وفکر، چھان پھٹک اور انتخابِ عمل پر کاربند ہوتے ہیں؛ اِس لیے اُن کی نگارشات، صرف مغز اور گودے سے عبارت ہوتی ہیں۔ مولانا بھی اُنھی خوش قسمت لوگوں میں سے ایک ہیں۔

میں کبھی کبھی سوچتا تھا کہ بہت سے نو واردانِ بساطِ تحریر، روز روز کتابیں اور مقالات چھاپتے رہتے ہیں، مولانا موصوف کہنہ قلم ہونے کے باوجود مناسب وقفے کے بعد ہی کیوں چھپتے ہیں؟ لیکن اُن کے اِس ضخیم مجموعۂ مقالات کو دیکھ کے اندازہ ہوا کہ وہ لعل وگہر کے انتخاب میں خاصا وقت صرف کرتے ہیں اور تحریر کی معنویّت اور اُس کے مواد اور علمی مشمولات کی باطنی قیمت کے ساتھ ساتھ، اُس کی ساختیات، لفظیات، تعبیرات اور طریقۂ ترسیل پر بھی زور دیتے ہیں۔

یقین ہے کہ اللہ کی توفیق سے اُن کی یہ کتاب باذوق قارئین کی طرف سے بے پناہ پذیرائی حاصل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں اور قوت وحوصلے سے نوازے اور وہ مزید اچھی اچھی کتابوں سے نسلِ حاضر کو نوازتے رہیں۔ والحمد للّٰہ ربّ العالمین.

نور عالم خلیل امینی

استاذ ادب عربی ورئیس التحریر "الداعی"

دار العلوم دیوبند

۱۱ر بجے صبح دوشنبہ: ۷ر۱ر۱۴۳۰ھ

۵ر۱ر۲۰۰۹ء

باب ﴿۱﴾
ہندوستان میں احیاءِ علم وفکر

ہندوستان میں علم اور علماء

عرب وہند کے روابط

پیغمبر اسلام ...... کی بعثت سے صدیوں پہلے ہی سے عرب اور ہندوستان کے درمیان تجارتی تعلقات قائم تھے جس کا سلسلہ ظہور اسلام کے بعد بھی جاری رہا، مسلمان عربوں نے سندھ اور ملیبار سے لے کر گجرات تک ساحلی علاقوں میں اپنی نوآبادیاں بنالی تھیں جن کے ذریعہ اسلام اور اسلامی علوم وثقافت کی شعاعیں سرزمین ہند میں پھیلنا شروع ہوگئی تھیں (۱)

عہد فاروقی میں حضرت حکمؓ بن ابی العاص کی قیادت میں اس وقت کی مشہور ہندوستانی بندرگاہ ''تھانہ'' پر مجاہدین ومبلغین اسلام کا پہلا قافلہ اترا۔ اس کے بعد تو ساحل ہند کا علاقہ مجاہدین ومبلغین کی مستقل چھاؤنی بن گیا اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ اسلامی قافلے آتے رہے جن میں دیدار نبوی...... سے مشرف ہستیاں بھی شامل رہیں جن کا خاص مشن ہی یہ تھا کہ جس ملک میں پہنچے قال اللہ وقال الرسول کی صدائے جاں بخش و روح نواز سے اس میں تازہ زندگی پیدا کردی۔ اس طرح سرزمین ہند آغاز اسلام ہی سے اسلامی علوم سے یک گونہ آشنا ہوچکی تھی۔

(۱) بعض اہم اہل علم نے لکھا ہے کہ عرب تاجروں کو تبلیغ واشاعت کے کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور نہ وہ ہندوستان کی تمدنی زندگی پر اثر انداز ہوسکے۔ اور بعض حضرات تو یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ ان تاجروں کے ذریعہ ایک ہندی بھی حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوا— یہ خیال تحقیق کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اکثر مؤرخین سندھ، ملیبار، اور گجرات وغیرہ کے بارے میں تصریح کرتے ہیں کہ ''انتشر الاسلام فی ھٰذہ المناطق علی ایدی التجار المسلمین'' ان علاقوں میں مسلمان تاجروں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوئی۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ''عرب وہند عہد رسالت میں'' قاضی اطہر مبارک پوری۔

عہد اموی کے چند ہندی علماء

خلافتِ راشدہ کے بعد زمام خلافت جب اموی خلفاء کے ہاتھوں میں آئی تو انھوں نے بھی اس دور افتادہ علاقے پر نگاہ رکھی چنانچہ ۹۳ھ (بزمانہ ولید بن عبدالملک) میں محمد بن قاسم ثقفی کو اس خطہ کا حاکم بنا کر بھیجا گیا انھوں نے اپنی اولوالعزمیوں سے پورے سندھ پر اسلام کا پرچم لہرادیا۔ اس وقت سے یہ علاقہ باقاعدہ اسلامی قلم رو میں شامل ہوگیا اور ۲۵۰ھ تک براہ راست پایۂ تخت بغداد و دمشق سے اس کا تعلق قائم رہا۔(۱)

ظاہر ہے کہ اس طویل مدّت میں تاریخ کے مسلم اصول کے مطابق فاتح قوم کا اثر ونفوذ مفتوح اقوام کے ہر شعبۂ زندگی میں ہوا ہوگا۔ علاوہ ازیں اس مستحکم ارتباط کی بناء پر دونوں ملکوں میں باہم آبادیوں کا تبادلہ بڑے پیمانہ پر ہونا یقینی ہے اس طرح ہندی مسلمانوں کو بلاواسطہ حضرات صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور عرب معلّمین سے اسلامی علوم وفنون اور مذہبی تہذیب وتمدن کو اخذ وجذب کی سعادت حاصل ہوئی یہی وجہ ہے کہ تراجم ورجال کی کتابوں میں حجازی، شامی اور عراقی علماء کے دوش بدوش ہندی الاصل علماء ومحدثین بھی نظر آتے ہیں جن میں وہ مبارک ہستیاں بھی ہیں جنھوں نے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحبتیں اٹھائیں اور ان سے اخذ فیض کیا مثلاً (۱) شیخ عبدالرحمٰن بن ابوزید بیلمانی (بھیلمان سوراسٹر کی جانب نسبت ہے) جنھوں نے حضرت عثمان غنی، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، امیر معاویہ، عمرو بن اوس، عمرو بن عنبسہ، نافع بن جبیر، عبدالرحمٰن بن الاعرج رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ شیخ عبدالرحمٰن سے حضرت عمر بن عنبسہ کے قبولِ اسلام کی روایت سنن نسائی اور طواف وداع سے متعلق حدیث جامع ترمذی میں موجود ہے(۲) (۲) عبدالرحمٰن سندھی ان کے بارے میں امام بخاریؒ نے تصریح کی

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتوح البلدان للعلّامہ بلاذری والعقد الثمین فی فتوح الہند۔ مصنفہ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری۔

(۲) العقد الثمین، ص ۲۸۷۔

ہے کہ انھوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے۔

کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یأکل ولا یتوضاء من اللحم(۱)

(۳) امام ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی متوفی ۱۷۰ھ جنھوں نے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی ان کے صاحبزادے شیخ محمد بن ابومعشر کا بیان ہے۔

کان ابی سند یا اخرم خیاطاً

میرے والد سندھی تھے ان کے کان چھدے ہوئے تھے اور سلائی کا پیشہ کرتے تھے۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی نے حضرت ابوامامہ سہل بن حنیف کو دیکھا ہے اور محمد بن کعب قرظی، نافع مولیٰ ابن عمر، سعید مقبری وغیرہ سے سماع کیا ہے۔

وکان اعلم الناس بالمغازی

اور وہ مغازی کے بہت بڑے امام تھے۔

انھوں نے مغازی میں ایک کتاب بھی مرتّب کی تھی(۲) (۴) حارث بیلمانی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اکتسابِ علم کیا تھا وغیرہ وہ ہندی الاصل علماء ہیں جنھوں نے براہِ راست حضراتِ صحابہ سے حدیثیں سنی ہیں اور اخذ فیض کیا ہے(۳)

تیسری صدی کے وسط میں اگرچہ سندھ میں عربوں کی بالادستی ختم ہوگئی پھر بھی وہاں کے دوشہروں منصورہ اور دیبل (بھکر اور ٹھٹھ) میں علی الترتیب ۴۱۶ھ و ۵۲۷ھ تک اسلامی ریاستیں قائم رہیں اس طرح یہ سرزمین پہلی صدی ہجری کے آخر ہی سے اسلام اور اسلامی علوم کے حافظ ومحافظ کا گہوارہ بنی رہی۔ اس دور کے مشاہیر علماء محدثین میں خلف بن سالم سندھی ۲۳۱ محمد بن ابوبشر معشر نجیح سندھی م ۲۴۴ھ عبد بن حمید کسی (عبدالحمید) م ۲۸۲ھ (کچھ کی جانب نسبت ہے) وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں جنھوں نے تیسری صدی

(۱) تاریخ کبیر ج ۳ ص ۲۹۵۔

(۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۲۔

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے العقد الثمین وخلافت امویہ اور ہندوستان مصنفہ قاضی اطہر مبارک پوری۔

ہجری میں اپنی علمی سرگرمیوں سے اس خطّۂ ارض کو دارالعلوم بنائے رکھا آخرالذکر بزرگ نے صحیح مسلم کی احادیث کی تخریج بھی کی تھی اور محمد بن ابراہیم دیبلی م ۳۲۲ھ احمد بن عبداللہ دیبلی م ۳۴۳ھ ابوالفوارس احمد بن محمد سندھی م ۳۴۹ھ، محمد بن محمد دیبلی م ۳۵۴ھ ابوالعباس احمد بن محمد منصوری م ۳۷۳ھ وغیرہ چوتھی صدی کے ان رجال علم میں سے ہیں جن سے خود حجاز، عراق اور دمشق وشام کے علماء نے درس لیا ہے۔

اس دور اوّل میں سندھ، دیبل اور ملتان اسلامی علوم وتہذیب کے مرکز رہے۔

عہد غزنویہ کے علماء

ساحلی علاقوں سے اسلامی غلبہ کے ختم ہو جانے کے بعد اسلام نے اپنے اثر ونفوذ کے لئے ایک نئی راہ ڈھونڈ نکالی۔ اور بحری راستہ کے بجائے اس مرتبہ درۂ خیبر کو اپنے داخلہ کے لئے منتخب کیا چنانچہ پانچویں صدی کی ابتداء میں سلطان محمود غزنوی نے لاہور کو اپنے زیر نگیں کر کے اسلامئ ہند کے ایک نئے دور کا آغاز کر دیا۔ درحقیقت وسیع اور منظّم پیمانہ پر اسلام اور اسلامی علوم کا داخلہ اسی وقت سے ہوا کیونکہ دور اوّل میں اسلام کی کرنیں ساحلی علاقوں سے آگے نہ بڑھ سکیں تھیں لیکن اس مرتبہ اس نے رفتہ رفتہ پورے ہندوستان کو اپنی ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور بنا دیا۔

جس وقت پنجاب پر غزنی حکومت کا تسلط ہوا اس وقت تمام اسلامی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف وغیرہ مکمل طور پر مدوّن ہو چکے تھے اور غزنی جو محمود کے عہد میں اسلامی عجم کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ ان سب علوم کا گہوارہ بن گیا تھا اس لئے پنجاب جو سلطنت غزنی کا ایک ٹکڑا ہو چکا تھا ناممکن ہے کہ دارالحکومت کے ماحول واثرات سے متاثر نہ ہو۔

اس عہد میں پنجاب کے جس شہر کو علمی وتمدنی مرکز بننے کا شرف حاصل ہوا وہ لاہور ہے۔ چنانچہ فتوحات غزنویہ کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ علماء مشائخ کے قافلے جوق درجوق لاہور کی جانب کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ اس عہد کے علماء ومحدثین میں شیخ اسماعیل لاہوری م

۴۴۸ھ سے اہل ہند کو بطور خاص فیض پہنچایا یہ حدیث وتفسیر کے متبحر عالم ہونے کے ساتھ مؤثر البیان واعظ و مذکر بھی تھے بے شمار افرادان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے[۱]

اس عہد کے لاہوری علماء میں شیخ عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری م ۴۲۹ھ ہیں جن کا چشمۂ علم سمرقند میں تشنگان علوم نبوی ﷺ کو سیراب کررہا تھا[۲] نیز شیخ علی بن عثمان ہجویری، المعروف بہ داتا گنج بخش متوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء جنھوں نے لاہور میں علم وعرفان کی شمع کو اس قوت کے ساتھ روشن کیا کہ آج تک اس کے انوار محسوس ہوتے ہیں۔ شیخ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کیں لیکن اب صرف کشف المحجوب دستیاب ہوتی ہے۔ جس کے متعلق داروشکوہ لکھتا ہے۔

ہیچ کس رابراں سخن نیست و مرشدے است کامل در کتب تصوف بخوبی آں
درزبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ[۳]

(کسی کو بھی اس کتاب پر اعتراض نہیں یہ ایک مرشدِ کامل ہے فارسی زبان میں فن تصوف پر ایسی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی)

ان نابغۂ عصر کے علاوہ شیخ ابوالحسن علی بن لاہوری بھی اس دور کی یادگار ہیں۔ جن کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالحئی حسنی لکھتے ہیں۔ العالم المحدث کان شیخاً ادیباً شاعرًا کثیر الحفظ. ان کا فیض بغداد تک عام تھا۔ امام سمعانیؒ نے لکھا ہے کہ میں خود اُن سے نہ مل سکا مگر حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر سلامی بغدادی کے واسطہ سے ان کا شاگرد ہوں۔ ۵۲۹ھ میں لاہور میں فوت ہوئے[۴] لاہور ہی کے ایک اور عالم ومحدث محمد بن محمد ہیں جنھیں حدیث کے ساتھ فقہ اور فن مناظرہ میں بھی مہارت حاصل تھی۔ امام ابوالمظفر سمعانی ابوالفتح عبدالرزاق المنیعی، ابوبکر بن خلف شیرازی ابواسحاق ابراہیم بن عمر اصبہانی وغیرہ سے انھیں شرف تلمّذ حاصل تھا۔ اور امام ابوسعید عبدالکریم سمعانی صاحب انساب

(۱) تذکرہ علماء ہند ص ۲۳ ومقالات سلیمان ج ۲ ص ۴۔
(۲) رجال السند والہند ص ۱۷۰۔
(۳) سفینۃ الاولیاء ص ۱۷۴۔
(۴) نزہۃ الخواطر ص ۸۲ ج ۱۔

الاشراف جیسے علامۃ العصر کے استاذ تھے ۵۴۰ھ کے قریب وفات پائی(۱) انساب الاشراف کے مطالعہ سے اس دور کے مزید ہندی علماء کا پتہ چلتا ہے، مگر بخوف تطویل انھیں کسی دوسرے موقع کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اب تک کے یہ سارے علماء وہ ہیں جن کے علمی فیوض و برکات سے ہندوستان کم اور دیگر بلاد اسلامیہ زیادہ مستفیض ہوئے بالآخر ساتویں صدی ہجری میں امام صنعانی صاحب مشارق الانوار ہندوستان کے لئے باعث فخر ومباہات بن کر جلوہ افروز ہوئے امام موصوف کا اسم گرامی حسن بن محمد ہے ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی پھر یمن، حجاز، عراق وغیرہ جا کر وہاں کے علماءِ کبار سے علم کی تحصیل و تکمیل کی اور لغت وحدیث کے امام قرار پائے۔ حدیث میں مشارق الانوار کے علاوہ مصباح الدجی فی حدیث مصطفیٰ، الشمس المنیر ہ، شرح بخاری اور دو رسالے موضوعاتِ حدیث میں آپ کی علمی یادگار ہیں۔ فن حدیث کے علاوہ لغت اور ادب میں علامہ صنعانی کی درج ذیل تصانیف ہیں۔

(۱) العباب الزاخر ۲۰ جلدوں میں (۲) مجمع البحرین ۱۲ جلدوں میں (۳) الشوارد (۴) کتاب اسماء الاسد (۵) کتاب اسماء الذئب (۶) کتاب الافعال (۷) کتاب المفعول (۸) کتاب الاصفار (۹) کتاب العروض (۱۰) شرح ابیات المفصل (۱۱) بغیۃ الصیدان (۱۲) وشرح القلادۃ السمطیۃ فی توشیح الدریدیہ وغیرہ، امام موصوف نے ۶۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

لاہور کی یہ تمام تر علمی رونق دہلی کے دار السلطنت ہو جانے کے بعد رفتہ رفتہ منتقل ہو کر دہلی سمٹ آئی اور حکومتوں میں متعدد انقلابات کے باوجود اس کے علم و دانش کی محفلیں عرصۂ دراز تک نہ صرف سجی رہیں بلکہ ان کی دلکشی میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی۔

سلطنت دہلی کی بنیاد ایسے زمانہ میں رکھی گئی تھی جبکہ تاتاریوں نے وسط ایشیاء کو اپنے

(۱) رجال السند والہند ص ۲۳۵۔

(۲) الجواہر المضیہ ج اص ۲۰۱، الفوائد البہیۃ ص ۵۳، نزہۃ الخواطر ج اص ۱۰۵۔

پیہم قیامت خیز حملوں سے تہ وبالا کر کے وہاں سیاسی، سماجی اور علمی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا اور علماء وفضلاء کی کثیر تعداد اپنے آبائی اوطان کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ بخارا و بغداد کے یہ ٹوٹے ہوئے تارے ہندوستان کی فضائے علم پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے اور دہلی کو اپنے آغاز سفر ہی میں علماء مشائخ کی ایک ایسی جماعت میسر آگئی جس نے اپنی نوا سنجیوں سے پورے ملک کو پُرشور کر دیا۔ سلطان ہند شمس الدین التمش علماء ومشائخ کی صحبت کا بڑا دلدادہ اور گرویدہ تھا جب کسی بزرگ یا عالم کی آمد کی خبر سنتا تو میلوں تک استقبال کیلئے جاتا اور عزت واحترام سے محل شاہی میں مہمان رکھتا[1] سلطان التمش کی اس علم دوستی وعلماء نوازی کا یہ اثر ہوا کہ صدہا علماء، مشائخ اور ادیب اس ملک میں آکر بس گئے۔

اس عہد میں اپنی علمی وروحانی سرگرمیوں سے جن علماء ومشائخ نے ہندوستان کے وقار کو بلند کیا ان میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) شیخ قطب الدین[۲] بختیار کاکی اوشیؒ (۲) قاضی حمید الدین ناگوری (۳) شیخ بدرالدین اسحاق (۴) شیخ جلال الدین تبریزی (۵) شیخ سید نورالدین مبارک غزنوی (۶) قاضی سعید الدین کردی (۷) شیخ نظام الدین ابوالموئد (۸) شیخ بدرالدین غزنوی (۹) نظام الملک کمال الدین جنیدی (۱۰) شیخ الاسلام نجیب الدین۔

قاضی حمید الدین ناگوریؒ صاحب تصانیف بزرگ تھے مطالعہ نہایت وسیع بالخصوص تصوف میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ رسالہ عشقیہ، طوالع الشموس، لوائح اور شرح اسماء حسنٰی فن تصوف میں آپ کی تصنیفی یادگار ہیں۔ اس عہد میں دینی درسگاہیں اور روحانی خانقاہیں بھی کثرت سے قائم ہوئیں جن میں مدرسہ معزی مدرسہ ناصری تو حکومت کے زیر انتظام تھے ان کے علاوہ علماء انفرادی طور پر اپنے اپنے مقامات پر تدریس وتعلیم میں سرگرم رہتے تھے۔ مشائخ چشت کی خانقاہوں کے ساتھ مدارس کا ہونا گویا لازمی تھا۔ البتہ سہروردی سلسلہ کی خانقاہوں سے ملحق مدارس کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اس خانوادہ کے مشہور

(۱) فتوح السلاطین ص ۱۰۹-۱۱۰۔

(۲) ان بزرگوں کے حالات کے لئے اخبار الاخیار مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی دیکھئے۔

بزرگ شیخ بہاء الدین[۱] زکریا ملتانی کو تعلیم و تدریس سے نہایت شغف تھا۔ اور انھوں نے اپنی خانقاہ سے ملحق ایک مدرسہ بھی جاری کر رکھا تھا جس میں وہ خود بھی درس دیتے تھے اور دیگر معلّمین کی بھی خاطر خواہ مشاہرہ پر خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔

مسجدوں سے ملحق تو مدارس کی اس زمانہ میں نہایت کثرت تھی اور ہر ہر مسجد میں کسی نہ کسی عالم کا درس ضرور ہوتا تھا۔

عہد بلبن میں علومِ اسلامی

ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں کہ جس زمانہ میں سلطنت دہلی کی بنیاد پڑی اس وقت اکثر بلاد اسلامیہ تاتاریوں کے تاخت و تاراج کی آماج گاہ بنے ہوئے تھے۔ عہد بلبن میں ہلاکو خاں نے اس آگ و خون کے ہنگامہ کو مزید ہوا دی۔ جس نے بغداد کے علمی، سیاسی، معاشرتی نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیا اس لئے اس علاقہ کے باقی ماندہ علماء نے ناچار وہاں سے کوچ کر کے دارالامان ہندوستان کی راہ لی جن کی سلطان بلبن نے بقدر مراتب دل کھول کر عزت افزائی کی۔ اس طرح ہندوستان کی علمی زندگی میں تازہ رُوح دوڑ گئی اور دہلی رشک بغداد و قرطبہ بن گئی۔

اس دور کے مشاہیر علماء و مشائخ میں سے بعض حضرات یہ ہیں۔

(۱) شیخ شمس الدین خوارزمی استاذ حضرت نظام الدین اولیاءؒ (۲) شیخ برہان الدین بلخی (۳) شیخ برہان الدین بزاز (۴) شیخ نجم الدین دمشقی (۵) قاضی رکن الدین سامانہ (۶) شیخ سراج الدین سجزی (۷) شیخ شرف الدین دلوالجی (۸) قاضی ظہیر الدین (۹) قاضی رفیع الدین گازرونی[۲]

عہد علائی میں علمی ترقی

سلطان علاء الدین خلجی خود تو علم سے بے بہرہ تھا مگر اس کا عہد علم و علماء کی کثرت کی

(۱) نزہۃ الخواطر ج۱ ص۱۲۰۔ (۲) تفصیل کیلئے دیکھئے تاریخ فیروز شاہی ص ۶۸ اور اس سے آگے۔

بناء پر علومِ اسلامی کا عہد زرّیں کہلانے کا... مستحق ہے۔ بقول معاصر مورخ ضیاء الدین برنی دارالملک دہلی میں اس وقت چھیالیس علماء ایسے تھے جن کی نظیر دنیا میں ملنی مشکل تھی اوران میں بعض علماء تو امام غزالی وامام رازی کے ہم پایہ وہم مرتبہ تھے۔

اس دور کے اہم علماء ومشائخ میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

(۱) شیخ ضیاء الدین سنامی صاحب نصاب الاحتساب (۲) شیخ ظہیر الدین بھکری (۳) شیخ فرید الدین شافعی (۳) سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی (۴) قاضی مغیث الدین بیانوی (۵) شیخ شمس الدین یحییٰ اودھی (۶) شیخ حمید الدین مخلص (۷) شیخ کمال الدین کوئلی (۸) شیخ علاء الدین صدر الشریعۃ (۹) شیخ فخر الدین ہانسوی (۱۰) شیخ نصیر الدین کڑوی وغیرہ۔

عہد تغلق کے علماء اور مدارس

اس دور میں اگرچہ دور خلجی جیسی علمی شان وشوکت باقی نہیں رہی پھر بھی محمد بن تغلق کی علمی دلچسپیوں کے باعث یہ ایک یادگار عہد تھا دیگر شہروں کے علاوہ صرف دہلی میں اس وقت بقول بعض عرب سیاح ایک ہزار مدارس تھے جن میں فیروز شاہ کا مدرسہ اسلامی علوم کی اعلیٰ ترین درسگاہوں میں تھا جسے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آیا کرتے تھے اس کے ساتھ مشہور علماء ومشائخ کی ایک خاصی تعداد دارالملک میں موجود تھی جن کی علمی سرگرمیوں نے اس دور کو بڑی رونق دی تھی مثلاً: (۱) شیخ معین الدین عمرانی انھوں نے تدریس کے علاوہ کنز الدقائق حسامی اور مفتاح پر حواشی لکھے تھے۔ (۲) شیخ علاؤ الدین اندرپتی (۳) شیخ ضیاء الدین نخشی جن کی حسب ذیل تصانیف ان کی وسعتِ معلومات پر شہادت دے رہی ہیں۔

(۱) چہل ناموس (۲) سلک السلوک (۳) گلریز (۴) لذات النساء (۵) شرح دُعاے ثریانی (۶) طوطی نامہ (۴) شیخ عبدالمقتدر دہلوی صاحب قصیدہ لامیہ (۵) مولانا خواجگی (۶) شیخ احمد تھانیسری جنھیں حملۂ تیمور کے وقت گرفتار کر کے تیمور کے دربار میں

پیش کیا گیا وہاں شیخ الاسلام نبیرۂ شیخ برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ سے کسی بات پر تیز کلامی ہوگئی اور شیخ احمد تھانیسری نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ صاحب ہدایہ کی غلطیوں کی نشاندہی کریں۔

عہد بلبن وعلائی کی طرح اس عہد میں بھی ممالک اسلامی سے بکثرت علماء وشعراء آئے اور اپنی علمی کاوشوں اور ادبی سرگرمیوں سے اس عہد کو خوب رونق بخشی۔

الغرض آسمانِ علم کا وہ ہلال جو سندھ وملتان کے افق سے طلوع ہوا تھا اور آٹھویں صدی ہجری میں دہلی کے مطلع سے بدر کامل بن کر پوری سرزمین ہند کو اپنی ضیاء پاشیوں سے منور کر دیا تھا یکا یک گہن میں آ گیا۔ محمود شاہ کے عہد میں تیمور لنگ قیامتِ صغریٰ بن کر دہلی پر آ نازل ہوا اور تین دن تک اس دار العلم والامن کے کوچۂ و بازار میں قتل و غارت گری کا ہنگامہ اس طرح برپا کیا کہ علم و فضل کی ساری محفلیں اجڑ گئیں علماء وفضلاء دہلی چھوڑ کر دوسرے شہروں میں جا کر پناہ گزیں ہوگئے اور باقی ماندہ حضرات اپنی جانوں کے خوف سے روپوش ہوگئے کسی نے سچ کہا ہے۔

خدا شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد

جون پور میں علمی نشأۃ

دہلی کے یہ ٹوٹے ہوئے تارے جون پور کے مطلع علم سے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے یعنی عین انھیں حالات میں جب کہ دہلی کے علمی، تمدنی اور سیاسی گلستاں میں بادسموم کے جھونکے چل رہے تھے۔ دیار پورب کے ایک شہر جونپور میں علم و دانش اور تہذیب وثقافت کے چمنستان میں بہاریں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ تاجدار سلطنت شرقیہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے عدل گستری، علم پروری اور علماء نوازی سے جونپور مرصع ارباب فضل وکمال بنا ہوا تھا۔ دہلی کے علماء وفضلاء تیمور کی ستیزہ کاریوں سے مضطرب ہوکر جونپور کی جانب چلے آرہے تھے۔ ان میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی صاحب تفسیر بحر مواج وغیرہ قاضی نظام الدین مرتب فتاویٰ ابراہیم شاہیہ، شیخ ابوالفتح نبیرۂ شیخ عبدالمقتدر دہلوی، قاضی نصیر الدین

گنبدی، شیخ ابوالجلال اسماعیل عباسی، شیخ عیسیٰ بن تاج وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

جونپور کا یہ علمی دور محمد شاہ کے آغاز جلوس ۱۱۳۱ھ تک قائم رہا۔ تا آنکہ[1] برہان الملک سعادت علی خاں نیشاپوری شیعی نے اپنے زمانہ صوبہ داری میں یہاں کے مدارس اور علماء وفضلاء کی جاگیریں ضبط کرلیں اور اس علمی گلستان کو ویران کردیا۔

اس طویل عرصہ میں اس سرزمین سے ایسے ایسے علماء ومشائخ ابھرے جن کے کارناموں پر ملتِ اسلامیہ آج بھی مفتخر ہے۔ ان باکمال بزرگوں میں مذکورۃ الصدر حضرات کے علاوہ (۱) شیخ محمد بن عیسیٰ جونپوری (۲) ملاّ عبدالملک جونپوری (۳) ملا الہ داد جونپوری صاحب شرح ہدایہ و بیضاوی وغیرہ (۴) سید محمد جونپوری امام فرقۂ مہدویہ (۵) قاضی خاں ظفرآبادی مرشد شیخ عبدالعزیز چشتی جونپوری دہلوی (۶) ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ وغیرہ (۷) دیوان محمد رشید جون پوری صاحب مناظرہ رشیدیہ وغیرہ (۸) شیخ بہاء الدین چشتی محدث جون پوری (۹) شیخ حامد عباسی چریاکوٹی از مرتبین فتاویٰ عالمگیری (۱۰) قاضی محی الدین جون پوری از مرتبین فتاویٰ عالمگیری وغیرہ اپنے اپنے دور میں سیکڑوں علماء ومشائخ تھے جو علوم ظاہری و باطنی دونوں میں عبقریت کا درجہ رکھتے تھے ان حضرات کے وجود باوجود سے اس دیار میں علوم اسلامی کی خوب ترویج وترقی ہوئی۔

پورب کی طرح ساحلی علاقوں میں بھی اس وقت علمی محفلیں سجی ہوئی تھیں اور علماء ومحدثین پورے اطمینان وسکون سے علمی مشاغل میں مصروف تھے۔ بغرض اختصار تفصیل کو نظرانداز کیا جارہا ہے۔

فتنۂ تیموری کے بعد تقریباً نصف صدی تک حکومت دہلی اختلال وانتشار کا شکار رہی بالآخر ۸۵۵ھ میں بہلول لودھی نے دہلی کے تخت وتاج پر قبضہ کرکے اپنے عزم وثبات اور تدبیر وفراست سے دہلی کی مردہ سلطنت میں ازسرنو جان ڈالدی اور اس کے جانشین سکندر لودھی کے عہد میں قریب قریب وہی استحکام پیدا ہوگیا جو عہد تغلق میں تھا اور دہلی پھر سے علماء، فضلاء، مشائخ، صوفیاء اور شعراء کا مرکز بن گئی۔

(۱) فائز مآثر الکرام ج ۱ ص ۲۲۲۔

ملا بدایونی عہد سکندری کے مقتدر علماء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ بڑے پایہ کے عالم تھے ملتان سے ترک سکونت کر کے دہلی آئے اور علوم معقول کو رواج دیا۔ شیخ عزیز اللہ کے علمی استحضار کا یہ عالم تھا کہ مشکل سے مشکل ترین کتابوں کا درس زبانی دیا کرتے تھے انھیں کے تلامذہ میں میاں قاسم سنبھلی تھے ان دونوں بھائیوں کے علاوہ (۱) شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی (۲) مولانا سماء الدین ملتانی نبیرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت (۳) شیخ فتح اللہ اودھی (۴) سید جلال الدین بدایونی (۵) مولانا شعیب دہلوی (۶) میاں حامد جمالی (۷) شیخ رزق اللہ دہلوی (۸) شیخ حسن طاہر دہلوی وغیرہ اس عہد کے مشاہیر علماء ومشائخ میں تھے۔

آخر الذکر بزرگ کو سلطان سکندر نے خود جونپور سے بطور خاص دعوت دے کر بلایا تھا۔

شیخ سید رفیع الدین شیرازی بھی اسی عہد کے نامور محدث تھے جنھوں نے معقولات براہ راست محقق دوانی سے اور حدیث حافظ سخاوی سے حاصل کی تھی۔ سلطان سکندر نے انھیں گجرات سے دہلی بلایا پھر یہاں سے آگرہ منتقل ہوگئے جہاں تادم آخر علوم اسلامیہ کی تعلیم وتدریس میں منہمک رہے۔ شیخ ابوالفتح محدث تھانیسری آپ کے تلمیذ رشید اور جانشین تھے۔

عہد مغلیہ میں علمی سرگرمیاں

۹۳۲ھ میں بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم شاہ لودھی کو شکست دے کر مغل سلطنت کی بنیاد رکھی بابر خود ترکی اور فارسی زبان کا فاضل، ادیب اور شاعر تھا تزک بابری اس کے تبحر علمی کی یادگار ہے۔ یہ علماء وفضلاء کی بڑی قدر کرتا تھا اور ہمیشہ اپنے ساتھ اہل علم کی ایک خاص تعداد رکھتا تھا اس عہد کے مشاہیر علماء میں (۱) شیخ الاسلام سیف الدین نبیرہ علامہ سعد الدین تفتازانی، (۲) شیخ حسن متکلم (۳) میر جمال الدین محدث (۴) شیخ عطاء اللہ مشہدی (۵) مولانا شہاب الدین معمائی (۶) شیخ ابوالواجد فارغی (۷) شیخ

زین الدین وغیرہ خصوصی امتیاز کے مالک تھے۔

بابر کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا یہ بھی بڑا علم دوست اور علماء نواز تھا علم ہیئت اور ہندسہ سے اُسے خاص شغف تھا اس کے عہد کے دو نئے مدرسے نہایت مشہور تھے ایک شیخ زین الدین کا مدرسہ آگرہ میں اور دوسرا دہلی کا مدرسہ جس میں شیخ حسن تبریزی مدرس تھے ـــ ہمایوں کی وفات کے بعد ۹۶۲ھ میں اس کا بیٹا جلال الدین اکبر سریرآرائے سلطنت ہوا۔ یہ خود تو پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن اپنے آباء واجداد کی طرح علوم وفنون سے کافی دلچسپی رکھتا تھا۔ مگر اس دلچسپی میں علوم دینیہ کا حصہ کمتر ہی تھا۔ اس عہد کے علماء میں (۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (۲) شیخ احمد سرہندی الملقب مجدّد الف ثانی، شیخ عبدالنبی گنگوہی (۳) ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ (۴) میر فتح اللہ شیرازی (۵) مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری (۶) ملا نظام الدین بخشی (۷) ابوالفتح گیلانی (۸) شاہ رفیع الدین رنجوی (۹) امری مرتضٰی شریفی (۱۰) شیخ مبارک ناگوری (۱۱) ابوالفضل (۱۲) ابوالفیض فیضی وغیرہ ہر قسم کے علماء وفضلاء تھے جن میں سے اگر ابوالفضل، فیضی وغیرہ نے اکبر کے ذہن ومزاج کو بگاڑ کر دین محمدی کے مقابلہ میں دین الٰہی کے نام پر الحاد وزندقہ پر آمادہ کیا تو اوّل الذکر دو بزرگوں حضرت مجدّد الف ثانی اور شیخ محدث دہلوی نے اپنی مسلسل علمی وعملی کاوشوں سے اس مذہب جدید کی راہ میں توحید خالص اور دین قیم کی ایسی مضبوط ومستحکم دیوار کھڑی کر دی کہ دین الٰہی اکبر کے بنائے ہوئے گھروندے ہی میں محبوس ہو کر دم توڑ گیا۔

شیخ محدث دہلوی کا یہ کارنامہ بھی یادگار رہے گا کہ انھوں نے علم حدیث کو جو شمالی ہند میں ایک عرصہ سے مضمحل ہو گیا تھا نئی زندگی عطاء کی اور علم حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہو کر پھر دہلی آ گیا۔

شیخ دہلوی نے حدیث کی تدریس کے ساتھ تفسیر، تجوید، عقائد، فقہ، تصوف، اخلاق، تاریخ، سیر وغیرہ موضوعات پر تقریباً، پانچ درجن کتابیں بھی تصنیف کیں۔

دور اکبری کے ایک عظیم محدث شیخ محمد بن طاہر پٹنی بھی ہیں۔ جنھوں نے گجرات میں بیٹھ کر حدیث نبوی کی بزم آراستہ کی اور درس حدیث کے ساتھ، مجمع البحار، مغنی، تذکرۃ

الموضوعات، قانون الموضوعات جیسی بلند پایہ کتابیں بھی تصنیف کیں اکبر کے انتقال کے بعد ۱۰۱۴ھ میں جہانگیر تخت نشین ہوا، اس نے اپنے عہد حکومت میں دینی درسگاہوں کی جانب بطور خاص توجہ کی جو اکبر کی بے دینی اور بے التفاتی سے کس مپرسی کے عالم میں تھیں۔ جہاں گیر نے تعلیمی ترقی کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ اگر کوئی لامعلوم تاجر کسی جگہ انتقال کر جائے یا شہر میں کوئی لاوارث صاحب جائداد فوت ہو جائے تو اس کے اموال خزانہ شاہی میں داخل کرنے کے بجائے مدارس ومساجد کے مصارف وتعمیر میں خرچ کئے جائیں۔ جہانگیر کی اس توجہ سے بہت سے ویران مدرسے دوبارہ آباد ہو گئے عہد جہانگیری کے مشاہیر علماء یہ ہیں۔

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۲) شیخ مجدد الف ثانی احمد سرہندی (۳) میر سید طیب بلگرامی (۴) شیخ محمد غوثی صاحب گلزار ابرار (۵) شیخ نورالحق محدث بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۶-۷) شیخ محمد سعید سرہندی وشیخ خواجہ محمد معصوم سرہندی ابناء شیخ مجدّد الف ثانی (۸) شاہ ابوالمعالی۔

شاہجہاں کے زمانہ میں علومِ اسلامیہ کی مزید اشاعت ہوئی۔ دہلی کے علاوہ دیگر شہروں میں بھی علمی مراکز قائم ہوئے جن میں جونپور، لاہور اور احمد آباد میں خصوصی طور پر علمی چرچا تھا۔ ہندوستان سے باہر ہرات و بدخشاں وغیرہ سے طلبہ یہاں تعلیم وتحصیل کی غرض سے آتے تھے۔ دورِ شاہجہانی کے علماء میں (۱) ملّا یوسف لاہوری (۲) ملّا عبداللطیف (۳) ملا عبدالسلام دیوی (۴) ملّا کمال کشمیری (۵) ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (۶) ملا محمد ماہ دیوگامی (۷) ملا محمد ارشد جونپوری وغیرہ کو علمی حلقوں میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ خود دہلی میں شیخ عبدالحق کے فرزندارجمند شیخ نورالحق حدثنا وا خبرنا کی صدائے جاں نواز سے دہلی کو حیاتِ نو عطا کر رہے تھے۔

شاہجہاں کے بعد اورنگ زیب عالمگیر نے اورنگ شاہی کو زینت بخشی یہ خود ایک متبحر عالم محقق، فقیہ اور صاحب طرز ادیب وانشاء پرداز تھے، انھوں نے مرکزی شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے قصبات وقریات میں بھی دینی درسگاہیں قائم کیں ان کے معلّمین

کے وظیفے جاری کئے، جو علماء ذاتی طور پر تدریس وتعلیم کا کام انجام دیتے تھے انھیں اور جو مدرسین سرکاری مدارس سے وابستہ تھے غرض ہر ایک کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کرکے فکر معاش سے فارغ البال کردیا۔ تقریباً پچاس صاحب نظر علماء کی ایک اکیڈمی قائم کرکے فتاویٰ عالمگیری کو مرتب کرایا۔ یہ عالمگیر کا ایسا عظیم فقہی کارنامہ ہے، جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا اس عظیم کتاب کی ترتیب وتدوین میں جو علماء عظام شریک تھے ان میں سے جن حضرات کے نام مجھے معلوم ہوسکے ہیں وہ یہ ہیں:

مرتبین فتاویٰ عالمگیری

(۱) شیخ نظام الدین برہان پوری صدر مجلس

(۲) قاضی محمد حسین جونپوری محتسب

(۳) شیخ علی اکبر حسینی بن سعد اللہ خاں مرتب

(۴) شیخ حامد چریا کوٹی مرتب

(۵) مفتی محمد اکرام حنفی لاہوری مرتب

(۶) شیخ رضی الدین بھاگلپوری مرتب

(۷) شیخ عبد الرحیم دہلوی مرتب

(۸) مفتی وجیہ الدین گوپامئوی مرتب

(۹) شیخ احمد بن منصور گوپامئوی مرتب

(۱۰) ابوالبرکات بن حسام الدین دہلوی ٫٫

(۱۱) مفتی محمد جمیل بن عبد الجلیل جونپوری ٫٫

(۱۲) ملا ابوالواعظ بن قاضی صدر الدین ٫٫

(۱۳) شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی ٫٫

(۱۴) شیخ نظام الدین بن نور محمد ٹھٹھوی ٫٫

(۱۵) شیخ محمد سعید بن قطب الدین سہالوی ٫٫

(۱۶) مفتی عبد الصمد جونپوری ٫٫

(۱۷) مفتی جلال الدین مچھلی شہری ٫٫

(۱۸) قاضی عصمت اللہ بن عبد القادر لکھنوی ٫٫

(۱۹) قاضی محمد دولت بن یعقوب فتح پوری ٫٫

(۲۰) شیخ محمد غوث کاکوروی مرتب

(۲۱) شیخ سید عبد الفتاح بن ہاشم صمدی مرتب

(۲۲) شیخ سید محمد قنوجی استاذ عالمگیر مرتب

(۲۳) شیخ محمد شفیع ٫٫

(۲۴) شیخ محمد فائق ٫٫

(۲۵) شیخ وجیہ الرب ٫٫

(۲۶) علامہ ابوالفرج معروف بہ سید معدن ٫٫

(۲۷) شیخ غلام محمد قاضی القضاۃ لاہور ٫٫

(۲۸) قاضی سید عنایت اللہ مونگیری ٫٫

(۲۹) شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر (۱) ٫٫

(۱) الثقافۃ الاسلامیہ تکملہ تذکرۃ علماء ہند، بزم تیموریہ اور ظفر المحصلین وغیرہ کی مدد سے یہ فہرست تیار کی گئی ہے۔

مرتبین فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ اس زمانہ کے علماء میں (۱) شیخ غلام نقشبند گھوسوی لکھنوی (۲) شیخ ملا احمد معروف بہ ملا جیون انبیٹھوی (۳) ملا اصغر قنوی (۴) ملا زاہد ہروی (۵) شیخ حاجی صبغۃ اللہ خیر آبادی (۶) شیخ عیسیٰ محدث گوپا مئوی (۷) شیخ قطب الدین سہالوی (۸) شیخ لطیف سلطان پوری (۹) قاضی محبّ اللہ بہاری (۱۰) حافظ امان اللہ بنارسی (۱۱) قاضی عبدالباقی جونپوری (۱۲) شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی وغیرہ نے کافی شہرت ومقبولیت پائی اوران کاعلمی فیض خوب عام ہوا۔

عالمگیر کی وفات کے بعد ۱۱۱۸ھ میں شاہ عالم تخت وتاج کا مالک ہوا، یہ بھی اپنے والد کی طرح عالم وفاضل اورعلم دوست حکمراں تھا اسی کے زمانہ میں میر غازی الدین نے دارالسلطنت دہلی میں ایک نیا مدرسہ قائم کیا۔ سید احمد محدث ہروی، مولانا مملوک علی نانوتوی، مولانا ضیاء الدین وغیرہ اس مدرسہ کے نامور اساتذہ میں سے تھے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، منشی ذکاء اللہ، ڈپٹی نذیر احمد جیسے علماء روزگار وماہرین تعلیم اس کے طالب علم رہ چکے ہیں۔

بعد میں اس مدرسہ کو انگریزوں نے دہلی کالج میں تبدیل کردیا اور پھر ۱۸۷۷ء/ ۱۲۹۴ھ میں اسے بھی ختم کردیا(۱) عالمگیر کے بعد اگرچہ مغل شاہزادے تقریباً ڈیڑھ صدی تک دلی کے تخت وتاج پر قابض رہے۔لیکن انگریزوں کی پیہم ریشہ دوانیوں اور سیاسی چالبازیوں کی بناء پر کاروبار سلطنت میں روز بروز ابتری ہی آتی گئی حتیٰ کہ نام کے علاوہ حکومت میں ان کا کوئی عمل دخل باقی نہیں رہا جس کا اثر تعلیمی نظام پر بھی پڑا اور دلی کے مدارس کی رونق مدھم پڑگئی اوراکثر درسگاہیں بند ہوگئیں۔

شاہ ولی اللہ اوران کی اولاد کا کارنامہ

لیکن اس دور زوال میں بعہد محمد شاہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اسلامی علوم وثقافت کی گرتی ہوئی ساکھ کو برقرار رکھنے کیلئے ہمہ تن مصروف تھے۔ چنانچہ ایک طرف تو

(۱) دہلی کے قدیم مدارس ومدرس ص ۱۲۱۔

حجۃ اللہ جیسی انقلاب آفریں کتاب تصنیف کر کے علماء کو ان کے فرائض منصبی کی جانب متوجہ کیا اور اصلاح حال کے نقشے مرتب کئے۔ دوسری جانب اپنے والد شیخ عبدالرحیم کے مدرسہ میں درس قرآن وحدیث کی مجلس آراستہ کی، اور دیکھتے دیکھتے ایک بار پھر اُجڑی ہوئی دلی علم حدیث کا ایک عظیم مرکز بن گئی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ کے بعد یہ حضرت شاہ صاحب ہی کا کارنامہ ہے کہ ہندوستان میں فن حدیث پھر سے زندہ ہوگیا۔
درسگاہِ ولی اللّٰہی سے چاروں صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ عبدالغنی کے علاوہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شاہ محمد عاشق پھلتی، اخوں محمد سعید، خواجہ محمد امین، علامہ سید مرتضٰی بلگرامی صاحب تاج العروس شرح قاموس، مولانا رفیع الدین مرادآبادی وغیرہ ایسے ایسے اساطین علم پیدا ہوئے جنھوں نے پورے ہندوستان کو قال اللہ وقال الرسول کے آوازہ سے پرشور بنادیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مسند درس کو سنبھالا اور اپنے والد بزرگوار کے لگائے ہوئے گلستانِ علم کی اس خوش اسلوبی سے آبیاری ونگہداشت کی کہ اسے سدابہار بنادیا۔

اسی عہد زوال میں ملا نظام الدین سہالوی نے فرنگی محل لکھنؤ میں بیٹھ کر اس نصاب تعلیم کو مرتب کیا جو علمی دنیا میں درس نظامی کے نام سے مشہور ہے اور مختصر سے حذف و اضافہ کے ساتھ آج بھی عربی درسگاہوں میں رائج ہے۔ ملا نظام الدین کی درسگاہ سے بھی سیکڑوں علماء وفضلاء پیدا ہوئے جن میں بحر العلوم عبدالعلی صاحب رسائل الارکان، مولانا عبدالحلیم، ملاحسن، مفتی محمد یوسف، مولانا عبدالحئی اور ان کے تلامذہ میں علامہ ظہیر الحسن شوق نیموی صاحب آثار السنن، مولانا محمد حسن اسرائیلی صاحب تنسیق النظام شرح مسند امام اعظم، مولانا حفیظ اللہ اعظمی وغیرہ اپنے اپنے وقتوں میں علم وفن کے مسلم استاذ تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے وصال کے بعد ان کے نواسے حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی نے مسند تدریس کو سنبھالا اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی اپنے اسلاف کرام کی طرح خوب مقبولیت عطا کی اور اکابر علماء ان کے حلقہ درس سے نکلے جن میں مولانا شاہ عبدالغنی

مجددی، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، نواب صدر الدین خاں دہلوی، نواب قطب الدین خاں دہلوی، شیخ محمد محدث تھانوی، مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولانا علی عالم مرادآبادی، مولانا سید میاں نذیر حسین محدث بہاری دہلوی بڑی شہرت ومقبولیت کے مالک ہوئے۔ آخر الذکر بزرگ کے حلقۂ درس سے ہندوستان میں مسلک عدم تقلید کی ترویج ہوئی اور اس مسلک کے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے جن میں نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی، مولانا عبداللہ اعظمی غازی پوری، مولانا شمس الحق ڈیانوی صاحب عون المعبود شرح ابی داؤد، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالمنان وزیرآبادی وغیرہ کبار علماء اہل حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔

شاہ اسحاق وشاہ عبدالغنی کی خدمات

حضرت شاہ اسحاق صاحب کی ہجرت مکہ معظّمہ کے بعد حضرت شاہ عبدالغنی مجددی ان کے جانشین ہوئے۔ شیخ مجددی کے درس کو بھی بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ اسحاق مہاجر مکی اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی کو یہ شرف عظیم عطا فرمایا ہے کہ تمام دنیائے اسلام ان کی زیر بار احسان ہے اور آج جہاں بھی کوئی قال رسول اللہ کہتا ہے ان دونوں بزرگوں کا واسطہ اس میں ضرور ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے تلامذہ کی تعداد حدّ شمار سے باہر ہے لیکن ان میں دو صاحب سلسلہ بزرگوں کا فیض سب سے زیادہ عام ہوا۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم اور قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی کا تاریخی کارنامہ

ان میں ایک حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ہیں اور دوسرے قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔

ان ہر دو بزرگوں کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انھوں نے دیوبند کے ایک چھوٹے سے

مکتب کی سرپرستی ونگرانی فرما کراسے ایک عظیم علمی تحریک کی حیثیت عطا کردی۔ جسے آج دنیا دارالعلوم دیوبند کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی آغوش تربیت میں پروان چڑھ کراب تک دس ہزار سے زائد علماء وفضلاء اطراف عالم میں پھیل چکے ہیں۔ جن میں بہت سے افراد بجائے خود ایک مدرسہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر دارالعلوم کا یہ فیض ہندوستان تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس کے ابر گہر بار نے برما، ملیشیا، انڈونیشیا، کابل، بخارا، ایران، ترکستان، افریقہ وغیرہ اور خود علومِ اسلامی کے منبع ومرکز حجاز کوبھی سیراب کیا، فضلاء دارالعلوم کی اس کثیر تعداد میں سے چند حضرات کے نام بطور نمونہ درج ذیل ہیں جس سے دارالعلوم کی ہمہ گیر خدمات کا اندازہ ہوگا۔

(۱) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (۲) حضرت مولانا احمد حسن امروہوی (۳) حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی (۴) حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (۵) حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری (۶) حضرت مولانا سید انور شاہ محدث کشمیری (۷) حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی فیض آبادی (۸) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہاں پوری دہلوی، (۹) حضرت مولانا عبیداللہ سندھی (۱۰) حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندی (۱۱) حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی (۱۲) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی (۱۳) مفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۴) شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی (۱۵) مولانا فخر الدین محدث مرادآبادی (۱۶) مولانا سید بدر عالم میرٹھی (۱۷) مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۸) مولانا سید محمد یوسف بنوری (۱۹) مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (۲۰) مولانا عبدالعزیز محدث پنجابی (۲۱) علامہ محمد ابراہیم بلیاوی (۲۲) مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی (۲۳) مولانا محمد منظور نعمانی (۲۴) شمس الحق افغانی وغیرہ۔ جنھوں نے اپنی علمی و دینی سرگرمیوں اور گرانقدر تصنیفات کے ذریعہ برصغیر کو علومِ اسلامیہ کا ایک سدا بہار گلستاں بنادیا اور دارالعلوم کے نقش قدم پر آج سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں درسگاہیں علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ جنھیں درحقیقت بالواسطہ دارالعلوم ہی کا فیض کہا جائے گا۔

ہندوستان میں دوعلمی تحریکیں اوران کے اثرات

ہندوستان کی علمی تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے دور اقتدار میں تعلیم وتدریس کا تمام تر انحصار مسلم حکمرانوں، امراء اور نوابین کی علم پروری، علماء نوازی اور داد و دہش پر تھا، ہر شہر اور قصبات میں سلاطین اور امراء کی جانب سے مدرسے قائم تھے جن کے مصارف کی مکمل ذمہ داری شاہی خزانے پر ہوتی تھی، چنانچہ اجمیر، دہلی، پنجاب، آگرہ، اودھ، بنگال، بہار، دکن، مالوہ، ملتان، کشمیر، گجرات وغیرہ میں اس قسم کی ہزاروں درسگاہیں قائم تھیں، ان باقاعدہ درسگاہوں کے علاوہ علماء شخصی طور پر بھی اپنے اپنے مستقر پر تعلیم وتعلّم کی خدمات انجام دیا کرتے تھے، اوران علماء کو معاش کی جانب سے بے فکر رکھنے کے لئے دربار شاہی سے مدد معاش کے عنوان سے جاگیریں اور وظائف مقرر تھے۔

مسلمانوں کا یہ نظام تعلیم ۱۸۵۷ء تک قائم رہا، اس نظام تعلیم میں عام طور پر صَرف نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر، حدیث وغیرہ کے علوم وفنون پڑھے پڑھائے جاتے تھے، البتہ حدیث وتفسیر کا فن برائے نام تھا، زیادہ توجہ فقہ واصول فقہ اور پھر منطق وفلسفہ پر دی جاتی تھی۔

۱۸۵۷ء میں جب ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت کا چراغ گل ہوگیا، اور مسلمانوں کی بجائے سیاسی اقتدار پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو یہاں کے عام باشندے اور بطور خاص مسلمان "انّ الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة" (۱) کے فطری اصول کا تختۂ مشق بن گئے۔

(۱) جب بادشاہ کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اسکو برباد اور اسکے باعزت باشندوں کو ذلیل کرڈالتے ہیں۔

اس سیاسی انقلاب نے مسلمانوں کے اقتصادی، تمدنی اور علمی و دینی نظام کو کس طرح پامال کیا اس کی تفصیل سر ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب ''آور انڈین مسلمانز'' (ہمارے ہندوستانی مسلمان) میں کسی قدر بیان کی ہے، اس نے ایک جگہ مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی اور مشکلات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

> حکومت نے ان کے لئے تمام اہم عہدوں کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ دوسرے ایسا طریقۂ تعلیم جاری کر دیا ہے جس میں ان کی قوم کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے تیسرے قاضیوں کی موقوفی نے ہزاروں خاندانوں کو جو فقہ اور اسلامی علوم کے پاسبان تھے بیکار اور محتاج کر دیا ہے، چوتھے ان کے اوقاف کی آمدنی جو ان کی تعلیم پر خرچ ہونی چاہئے تھی غلط مصرفوں پر خرچ ہو رہی ہے۔ (۱)

تعلیم کے سلسلہ میں اس نئی حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ اس طرح کا تعلیمی نظام رائج کیا جائے جسے پڑھ کر ہندوستانی ذہنی وفکری طور پر بالکل انگریز بن جائیں۔

چنانچہ مسٹر الفنسٹن اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں:

> میں علانیہ نہیں تو درپردہ پادریوں کی حوصلہ افزائی کروں گا، اگر چہ مجھے گورنر صاحب سے اس بارہ میں اتفاق ہے کہ مذہبی امور میں امداد کرنے سے احتراز کیا جائے تاہم جب تک ہندوستانی لوگ عیسائیوں کی شکایت نہ کریں، تب تک ان کی تعلیم کے مفید ہونے میں ذرا شبہ نہیں، اگر تعلیم سے ان کی رایوں میں ایسی تبدیلی پیدا نہ ہو سکے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں تاہم وہ اس سے زیادہ ایمان دار محنتی رعایا تو ضرور بن جائیں گے۔ (۲)

اس سلسلے کی تفصیلات کے لئے اسباب بغاوت ہند از سر سید مرحوم، روشن مستقبل از مولوی سید طفیل احمد مرحوم اور نقشِ حیات ج ۲، از شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس

(۱) موج کوثر ص ۴۷۔

(۲) روشن مستقبل ص ۹۵۔

سرہ ملاحظہ کی جائیں۔

ان حالات میں مسلم مفکرین ومدبرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہوا کہ گورنمنٹ کا قائم کیا ہوا نظامِ تعلیم مسلمانوں کی ضرورت کو پورا نہیں کرسکتا؛ بلکہ یہ اسلامی تہذیب اور کلچر کیلئے تباہ کن اوران کے عقائد واخلاق کے واسطے مہلک ہے، مگراس نظام کی اصلاح کے سلسلے میں ان کی رائیں مختلف ہوگئیں، ایک جماعت نے مسلمانوں کی اس زبوں حالی کا علاج انگریزی علوم وفنون اورتہذیب وتمدن میں تجویز کیا، بالفاظ دیگراس جماعت کا اصل مقصد مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح اور دنیوی پستی کا دور کرنا تھا، اس جماعت کے سربراہ اور قائدسرسید احمد مرحوم تھے، اوراس نظریہ کا اولین مظہر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہے، سرسید مرحوم بھی اگرچہ مذہب کی ضرورت کوتسلیم کرتے تھے مگر دنیوی ترقی کووہ اولیت دیتے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ دنیوی ترقی کی راہ سے دینی مقاصدتک پہنچا جائے، مرحوم اپنے اس نظریہ کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے تھے۔

> ''فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہوگا، نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور
> لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تاج سر پر۔''

ایک موقع پر مرحوم سرسیّد نے اپنے اس نظریہ کی وضاحت ان لفظوں میں کی ہے۔

> ''دراصل مقصداس کالج کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً اور بالتخصیص اعلیٰ درجہ کے مسلمان خاندانوں میں یورپین سائنسز اورلٹریچر کورواج دے اور ایک ایسافرقہ پیدا کرے جوازروئے مذہب کے مسلمان اورازروئے خون اور رنگ کے ہندوستانی ہوں مگر باعتبار مذاق اور رائے وفہم کے انگریز ہوں۔''(۱)

مگر وہ اپنے اس منصوبہ میں کامیاب نہیں ہوسکے، چنانچہ تحریکِ علی گڈھ کے معقول وکیل اورسرسید مرحوم کے زبردست حامی شیخ محمداکرام لکھتے ہیں ''وہ مغربی علوم کے ساتھ ایمان کامل اور صحیح مذہبی تربیت کوضروری سمجھتے تھے، لیکن اس میں انھیں پوری کامیابی

(۱) بحوالہ ایڈریس اوراسپیچیں متعلق ایم اوکالج دیباچہ ص۲۔

نہیں ہوئی‘‘۔(۱)

اس ناکامی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے یہی شیخ اکرام لکھتے ہیں:

’’جن لوگوں نے مسجدوں کی چٹائیوں پر بیٹھ کر تعلیم پائی، ان میں تو سرسید، محسن الملک اور وقار الملک جیسے مدبر اور منتظم پیدا ہوئے، جو لوگ انگریزی سے قریب ناواقف تھے اور جن کے لئے مغربی ادب ایک گنج سربستہ تھا انھوں نے نیچرل شاعری اور ایک جدید ادب کی بنیاد ڈالی، اور آب حیات، سخندانِ فارس، شعرو شاعری، مسدس حالی جیسی کتابیں تصنیف کرلیں، لیکن جن روشن خیالوں نے کالج کی عالیشان عمارتوں میں تعلیم حاصل کی اور جن کی رسائی مغرب کے بہترین اساتذہ اور دنیا بھر کے علم وادب تک تھی وہ مطمح نظر کی پستی اور کیرکٹر کی کمزوری سے فقط اس قابل ہوئے کہ کسی معمولی دفتر کے کل پرزے بن جائیں‘‘۔(۲)

مزید لکھتے ہیں۔

کسی طرف سے اسلام یا مسلمانوں یا علی گڈھ کے خلاف آواز اٹھے اس پر لبیک کہنے والے سب سے پہلے علی گڈھ سے نکلیں گے۔‘‘(۳)

ایک اقتباس اور ملاحظہ کیجئے۔

’’لیکن آپ ان بزرگوں کا معاملہ ان کے ضمیر اور احساس فرض پر چھوڑ دیں، اور ارکانِ اسلام کی ظاہری پابندی کو بھی ایک لمحے کے لئے نظر انداز کردیں تب بھی علی گڈھ کی فضا میں اندر اندر اک عام ایمانی کمزوری اور روحانی کم ہمتی کا سراغ ملے گا، آپ بعض مستثنیات کو چھوڑ کر وہاں کے قابل اور ذہین اساتذہ اور تیز اور ہونہار طلبہ کی باتیں سنیں اور ان کے ذہنی رجحانات کا تجزیہ کریں تو آپ کو احساس ہوگا کہ (اگر وہ قومی نوحہ خوانی کا پرانا اور رسمی لبادہ نہ پہن لیں) تو ان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ آپ انھیں کسی طرح دقیانوسی، قدامت پسند مسلمان نہ سمجھ لیں، یعنی علی گڑھ

(۱) موج کوثر ص ۱۴۶۔ (۲) موج کوثر، ص ۱۴۸۔

(۳) ایضاً ص ۱۵۰۔

ع　　　کالج ہے، امام باڑہ تو نہیں ہے۔‘‘(۱)

مفکرین اسلام کی دوسری جماعت کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی بقاء کا واحد ذریعہ اسلامی تعلیمات ہیں، لہٰذا برٹش گورنمنٹ کی تعلیمی امداد و اعانت سے صرفِ نظر کرکے دینی درسگاہیں اور اسلامی ادارے قائم کئے جائیں، اس جماعت کے سامنے بھی مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی تھی مگر اس نے اولیت ایمانیات وروحانیات کو دی اس جماعت کے سرخیل اور میر کارواں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے، اس نقطۂ نظر کا مظہر اولین دارالعلوم دیوبند ہے، شیخ اکرام ان دونوں نظریوں کے اختلاف کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

’’سرسید کا مقصد مسلمانوں کے دنیوی تنزل کو روکنا تھا اور ارباب دیوبند کی نظر دینی ضرورت پر تھی، پھر سرسیّد طبقۂ امراء کے رکن تھے اور مولانا قاسم جمہور کے نمائندے۔‘‘(۲)

اس نظریہ اور طریقۂ کار پر پیام ندوہ میں ان الفاظ سے تبصرہ کیا گیا ہے۔

’’اس حقیقت سے کوئی ہوشمند اور منصف انسان انکار نہیں کرسکتا کہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر دین خالص کی جس طرح حفاظت کی ہے، اور اس کو بدعت وتحریف اور تاویل سے محفوظ رکھا ہے اس سے ہندوستان میں اسلامی زندگی کے قیام وبقا واستحکام میں بیش بہا مدد ملی ہے اور آج جو صحیح اسلامی عقائد، دینی علوم، اہل دین کی وقعت اور صحیح روحانیت اس ملک میں نظر آتی ہے اس میں بلاشبہ اس کا نمایاں اور بنیادی حصہ ہے۔

آج کل ہندوستان میں مسلمانوں کے جو دینی ودنیاوی ادارے اور تعلیم گاہیں قائم اور اپنے طور پر خدمات انجام دے رہی ہیں وہ سب درحقیقت انھیں دونوں نقطۂ نظر کی ترجمان ہیں اور اپنے اپنے نظریے کے مطابق مسلمانوں کی علمی، دینی اور دنیاوی تعمیر وترقی میں مصروف عمل ہیں۔

(۱) ایضا،ص۱۵۱۔　　(۲) ایضاً،ص۲۰۱۔

دارالعلوم دیوبند
ایک مکتبۂ فکر - ایک تحریک

(۱) افتتاحیہ

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ خاصانِ خدا کی دعائے سحر گاہی کا ثمرہ، علمائے حق کے جذبۂ ایثار وقربانی کا مظہر، مجاہدین اسلام کے جہد واخلاص کی نمایاں علامت، علم ومعرفت کا حسین امتزاج، مسلمانانِ برصغیر کے حیات ملّی کی صراط مستقیم، اور لا مذہبیت کے اس دور میں دینی آثار واقدار اور اسلامی تہذیب وثقافت کا محافظ وعلمبر دار۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ تاریخ اسلامی کی اولین درسگاہ ''صفّہ'' کی یادگار اور عکس جمیل، جس کی بنیاد توکل علی اللہ اور خدائے کریم ورحیم کے باحوصلہ بندوں کے مخیّرانہ جذبات پر رکھی گئی۔ جس نے نہ کبھی کسی نواب ورئیس کے مراحم خسروانہ کی جانب نگاہ اٹھائی اور نہ کسی حکمراں اور امیر کی داد ودہش کی پروا کی، جس کا سراپا وجود اپنے ابناء وفرزندوں کو اعتماد علی اللہ اور عرفان خودی کی تعلیم ودعوت دیتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ برصغیر ہند وپاک کی وہ واحد اسلامی چھاؤنی جس نے اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کا مؤثر اور کامیاب مقابلہ کیا ہے، خواہ وہ فتنہ آریہ سماج کی طرف سے اٹھایا گیا ہو یا شدھی سنگٹھن کے نام پر، چاہے وہ فتنہ عیسائی پادریوں نے برپا کیا ہو یا انگریزوں کے ظلِ عاطفت میں پرورش پانے والے متنبّی قادیانی نے، خواہ وہ فتنہ رضا خانیت اور نیچریت کے عنوان سے نمایاں ہوا ہو یا سبائیت اور ناصبیت کے لباس میں نمودار ہوا ہو۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ یہ وہ تربیت گاہِ حریت ہے جس نے اسلامیانِ ہند کو ''جمعیۃ علمائے ہند''، جیسی اولوالعزم، باحوصلہ، مدبر اور باشعور جماعت فراہم کی جس نے برطانوی اقتدار کو اس وقت للکارا جب کہ اس کی قلمرو میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا اور وقت کی اس عظیم طاقت سے اس وقت اعلان جنگ کر دیا جب کہ دوسرے لوگ اس نو وارد آقا کی خوشامد اور رضا جوئی میں لگے ہوئے تھے۔

تاریخ گواہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ برطانوی سامراج کو بایں طاقت وشوکت تگنی کا ناچ نچا دیا اور اپنے جہد وعمل اور قربانیوں کے سلسلے کو اس وقت تک جاری رکھا جب تک اس سفید فام سیاہ دل غاصبوں سے وطن عزیز کا ایک ایک چپہ آزاد نہیں کرا لیا۔

(۲) پس منظر

سقوطِ دہلی کے بعد مسلمانوں کو ان کے دین ومذہب اور تہذیب وثقافت سے بیگانہ اور برگشتہ کر دینے کی غرض سے مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، دینی علوم اور ان کے محافظ علماء وفضلاء کو سرزمین ہند سے بے نشان کر دینے کے لیے تشدد اور جارحیت کی حد کر دی گئی۔ ارض ہند جس پر انھوں نے صدیوں حکمرانی کی تھی اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ بنا دی گئی، امراء ورؤساء کی جائدادیں ضبط کر کے انھیں نانِ شبینہ کا محتاج بنا دیا گیا، غرضیکہ ظلم وجبر کی جس قدر بھی شکلیں امکان میں تھیں وہ سب مجبور مسلمانوں پر آزمالی گئیں، لیکن خانماں برباد ملت میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی، سب کچھ فنا ہو گیا تھا مگر اسلامی کردار زندہ تھا، دولت وحکومت اور شان وشوکت پر غارت گرانِ فرنگ نے قبضہ کر لیا تھا، مگر دینی حمیت وغیرت محفوظ تھی، اس لیے تمام تر وحشیانہ حرکتوں کے باوجود، دین ومذہب اور ملک ووطن کے ساتھ ان کی وفاداریاں بدلی نہ جا سکیں تو ملک کے اقتدار پر قابض شاطر غاصبوں نے بجائے ظلم وتشدد کے ایک دوسری حکمت عملی تجویز کی جس کی تفصیل مولوی محمد طفیل علیگ کے الفاظ میں یہ ہے:

''حقیقی نبض شناس انگریزوں کی تشخیص پر گورنمنٹ ہند کی حکمت عملی

(پالیسی) ۱۸۷۰ء میں مسلمانوں کے بارے میں تبدیل ہوئی اور سمجھ لیا گیا کہ مسلمانوں کو دبا کر اور برباد کر کے انھیں سلطنت کا خیر خواہ اور وفادار نہیں بنایا جا سکتا۔ چناں چہ سال مذکور میں گورنمنٹ ہند نے مسلمانوں کو جدید طریقۂ تعلیم دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔'' (روشن مستقبل ص ۱۲۵)

اس حکمت عملی کے پس پردہ کیا عزائم کار فرما تھے؟ انھیں اچھی طرح سمجھنے اور اس پالیسی کی اصلی حقیقت تک پہونچنے کے لیے ہمیں اور پیچھے لوٹنا پڑے گا، یعنی ۱۸۳۴ء کی اس کمیٹی کی روداد کا جائزہ لینا ہوگا جو یہ طے کرنے کے لیے تشکیل دی گئی تھی کہ ہندوستانی طلبہ کو مشرقی زبان میں تعلیم دی جائے یا انگریزی زبان میں، اس کمیٹی کا اجلاس ۷/ مارچ ۱۸۳۵ء کو لارڈ میکالے کی صدارت میں ہوا جس میں لارڈ میکالے صدر اجلاس کے ترجیحی ووٹ پر انگریزی زبان میں تعلیم دینے کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی محمد طفیل علیگ مرحوم لکھتے ہیں:

> اس فیصلے کی تعریف میں بڑے بڑے راگ الاپے جاتے ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ لارڈ میکالے نے اس کے ذریعہ ہندوستان کو آزادی کا فرمان عطا کیا، مگر جو امور اس رائے کے محرک تھے ان میں سے ایک اعلانیہ اور دوسرا خفیہ تھا، اعلانیہ رائے تو وہ تھی جو انھوں نے اپنی رپورٹ میں ان الفاظ میں دہرائی تھی:
>
> ''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔'' (روشن مستقبل، ص: ۱۵۰)

لارڈ میکالے کا اصل جذبہ اور مخفی رائے جو ان کے قلب کے نہاں خانے میں چھپی ہوئی تھی وہ تھی جو انھوں نے اپنے والد کو ایک خط میں لکھ کر بھیجی تھی جس میں وہ لکھتے ہیں:

> ''اس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے کوئی ہندو جو انگریزی داں ہے کبھی اپنے مذہب پر صداقت کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا، بعض لوگ مصلحت کے

تحت ہندو رہتے ہیں مگر بہت سے یا تو موحد ہو جاتے ہیں یا مذہب عیسوی اختیار کر لیتے ہیں، میرا عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجویز پر عمل درآمد ہوا تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بت پرست بھی باقی نہ رہے گا۔''

(روشن مستقبل، ص:۱۵۱)

بالفاظ واضح برٹش سامراج کی پالیسی یہ تھی کہ اس طرح کا تعلیمی نظام رائج کیا جائے جسے پڑھ کر ہندوستانی ذہن وفکر کے اعتبار سے انگریز بن جائیں یا کم از کم ایماندار و باوفا رعایا بن جائیں چناں چہ مسٹر الفنسٹن اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں:

میں اعلانیہ نہیں تو در پردہ پادریوں کی حوصلہ افزائی کروں گا، اگر چہ مجھے گورنر صاحب سے اس بارے میں اتفاق ہے کہ مذہبی امور میں امداد کرنے سے احتراز کیا جائے تاہم جب تک ہندوستانی لوگ عیسائیوں کی شکایت نہ کریں تب تک ان کی تعلیم کے مفید ہونے میں ذرا شبہ نہیں اگر تعلیم سے ان کی رایوں میں ایسی تبدیلی پیدا نہ ہو سکے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں تاہم وہ اس سے زیادہ ایمان دار، محنتی رعایا تو ضرور بن جائیں گے۔ (روشن مستقبل، ص:۹۵)

اس سیاسی انقلاب اور جدید تعلیمی نظام نے مسلمانوں کے اقتصادی وتمدنی اور علمی و معاشرتی نظام کو کس طرح پامال کیا اسکی تفصیل سر ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب اَوَر انڈین مسلمانز (ہمارے ہندوستانی مسلمان) میں کسی قدر بیان کی ہے۔ کتاب کے چوتھے باب میں انھوں نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور ان کی مشکلات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مسلمانوں کو حکومت سے بہت سی شکایات ہیں، ایک شکایت یہ ہے کہ حکومت نے ان کے لیے تمام اہم عہدوں کا دروازہ بند کر دیا ہے، دوسرے ایک ایسا طریقہ تعلیم جاری کیا ہے جس میں ان کی قوم کے لیے کوئی انتظام نہیں، تیسرے قاضیوں کی موقوفی نے ہزاروں خاندانوں کو جو فقہ اور اسلامی علوم کے پاسبان تھے بیکار اور محتاج کر دیا ہے، چوتھی شکایت یہ ہے کہ ان کے اوقاف کی آمدنی جو ان کی تعلیم پر خرچ ہونی چاہیے تھی غلط مصرفوں پر

خرچ ہورہی ہے۔

ڈاکٹر ہنٹر نے ان شکایات پر بالتفصیل بحث کی ہے اور مسلمانوں کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچا ہے۔'' الخ (موج کوثر ص:۴۷)

یہ تھے قوم وملت کے حالات کہ حکومت وسلطنت ایک قصہ پارینہ بن چکی تھی، جاہ و منصب خواب وخیال ہوگئے تھے، دولت وثروت کے خزانوں پر افلاس وناداری کا پہرہ تھا، قومی وملی رہنماؤں کی اکثریت موت کے گھاٹ اتاردی گئی تھی یا جیل کی سلاخوں اور انڈمان کے جزیرے میں محبوس کردی گئی تھی، قسمت سے بچے کھچے افراد بتقاضائے مصلحت ہجرت کرگئے تھے یا اپنے اپنے زاویوں میں روپوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ اس عالمِ لاچاری وکس مپرسی میں قوم وملت کے لیے اگر کوئی سہارا تھا تو وہ ایمان واعتقاد کا سہارا تھا، مگر اب اس پر بھی غارت گرانِ افرنگ ڈاکہ ڈالنے کی خفیہ تدبیریں کررہے تھے اور ملت اسلامیہ ہند زبان حال سے ملتجی تھی

گردش وقت یہ بھی چھین نہ لے ایک تیری یاد کا سہارا ہے

تحریک ولی اللّٰہی کا مرکز ''مدرسہ شاہ عبدالعزیز دہلی'' جہاں سے ملت کو علم ومعرفت اور عزم وحوصلہ کا درس ملتا تھا تباہ کیا جاچکا تھا جب کہ تحریک ولی اللّٰہی کی رگوں میں خون اسی مدرسہ سے پہنچایا جاتا تھا، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ محمد اسحاق اور آخر میں شاہ عبدالغنی مجددی رحمہم اللہ نے اسی مدرسہ کو اپنی اصلاحی وانقلابی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا اور اس میں بیٹھ کر قوم کی علمی وفکری تعمیر وتشکیل کی خدمت انجام دی تھی۔

سقوطِ سلطنت اور دہلی کی تباہی کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا تو حسب تصریح مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ ''شاہ محمد اسحاق کی مرکزی جمعیت نے جواب حجاز میں مقیم تھی اور امیر حاجی امداداللہ کی رہنمائی میں ہندوستانی کام کرتی تھی، فیصلہ کیا کہ اطراف دہلی میں امام عبدالعزیز کے مدرسہ کے نمونہ پر ایک مدرسہ بنایا جائے چناں چہ مولانا محمد قاسم (نانوتوی قدس سرہ) اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سات سال تک کوشش کرتے رہے تب کہیں جا کر ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ یعنی (۳۰ر مئی) ۱۸۶۶ء میں سقوط دہلی کے ۹ سال

بعد مدرسہ دیوبند کی تاسیس ہوسکی‘‘

مولانا سندھی یہ بتا رہے ہیں کہ ’’دارالعلوم دیوبند‘‘ کا قیام کسی وقتی جذبہ یا شخصی حوصلہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی تاسیس طے شدہ منصوبہ اور ایک جماعت کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت عمل میں آئی ہے۔ جس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ قیام دارالعلوم کے بعد جب شاہ رفیع الدین دیوبندی حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظّمہ حاضر ہوئے تو وہاں سیدنا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے عرض کیا کہ ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لیے دعا فرمایئے تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا:

’’سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے، یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہوکر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا ہندوستان میں بقاءِ اسلام اور تحفظ اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا کر، یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے، دیوبند کی قسمت ہے کہ اس دولت گراں کو یہ سرزمین لے اڑی۔‘‘ (علمائے حق، ج:۱، ص:۱۷)

یہ ہے ’’مدرسہ عربی اسلامی دیوبند‘‘ یعنی ام المدارس دارالعلوم دیوبند کی تاسیس وبناء کا تاریخی پس منظر جس سے صاف ظاہر ہے کہ دارالعلوم دیوبند دراصل اسی شجر طوبیٰ کی ایک سرسبز وشاداب شاخ ہے جسے امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے بافیض مبارک ہاتھوں سے نصب کیا تھا تاکہ شرک وبدعت، جہل ومعصیت کی بادسموم سے نڈھال وماندگانِ راہ اس کے حیات بخش سائے میں آکر زندگی کی تازگی وتوانائی حاصل کرسکیں۔

کعبہ را ویراں مکن اے عشق کانجا یک نفس
گاہ گہہ واماندگانِ راہ منزل می کنند

(۳) اصول ومقاصد

دارالعلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر جاری دیگر مدارس دینیہ کے اصول ومقاصد

کو حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہ نے اساسی اصول ہشتگانہ کے عنوان سے خود تحریر فرمایا تھا، جو ماہنامہ القاسم کے دارالعلوم نمبر (مجریہ ۱۳۴۷ھ) میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ان اصول ومقاصد کا خلاصہ اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

''ان اصول کی بناء پر بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم اور اس کے ہم صنف دیگر مدارس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

(الف) آزادئ ضمیر کے ساتھ ہر موقع پر کلمۃ الحق کا اعلان ہو کوئی سنہری طمع، مربیانہ دباؤ یا سر پرستانہ مراعات اس میں حائل نہ ہو سکے۔

(ب) اس کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زائد سے زائد ہوتا کہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کر دے جوان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو اور اس طرح اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب ہمیشہ کے لیے ورنہ کم از کم اس وقت تک کے لیے محفوظ ہو جائے جب تک یہ مرکز اپنے صحیح اصول پر قائم رہے، نیز توکل علی اللہ اور عوام کی طرف سے احتیاج خود کارکنان مدرسہ کو اسلامی شان پر باقی رکھ سکے اور جابرانہ استبداد یا ریاست کا ٹھاٹ ان میں قطعاً نہ پیدا ہو بلکہ ایک جمہوری تعلق ہو جو ایک کو دوسرے کا محتاج بنائے رکھے اور اس طرح آپس میں خود ایک دوسرے کی اصلاح ہوتی رہے۔

(مندرجہ بالا الف وب کے لیے ملاحظہ ہو اصول ہشتگانہ کی دفعہ ع۶ وع۷ وع۸)

(ج) کارکنان، خدام اور مستفیضین کی جماعت جملہ اثرات سے محفوظ اور مامون رہ کر ولی اللّٰہی مسلک پر شدت سے عمل پیرا رہے جس کے متعلق تمام عالم اسلامی کا اتفاق ہے کہ وہ سنت قویمہ ہے، مسلک اسلاف کے عین مطابق ہے افراط وتفریط سے پاک، صراط مستقیم اور معیار صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو اصل ع۴)

(د) خودداری اور استبداد (جو شرعی نیز تاریخی حیثیت سے بربادئ مسلم کا

واحد ذمہ دار ہے) کے برخلاف باہمی مشاورت سے اجتماعی اور جمہوری حیثیت کے ساتھ کام کرنے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ (اس کے متعلق اصل ع۳ میں متعدد ضابطوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔) (علمائے حق، ج:۱،ص:۵۴تا۵۶)

الحاصل یہ اصول ومقاصد بتارہے ہیں کہ علم وعرفان کا یہ مرکز اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ اس سے دین کے سچے اور مخلص خادم، اسلام کے جانباز وجرأت مند سپاہی تیار کیے جائیں جو اسلامی عقائد وشعائر اور دینی اخلاق وروایات کے داعی ونقیب بنیں اور باطل طاقتوں کی فتنہ سامانیوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کریں اسی لیے اس کا نظام تعلیم وتربیت امام الہند محدث دہلویؒ کی تحریک دعوت واصلاح کی بنیادوں پر قائم کیا گیا۔

(۴) سند واستناد

دارالعلوم دیوبند کا سلسلۂ سند مسندِ ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے گزرتا ہوا نبی پاک ﷺ سے جاملتا ہے دارالعلوم اور جماعت دیوبندی کے مورثِ اعلیٰ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ہی ہیں جن کے علمی وفکری منہاج وطریق پر منتسبینِ دارالعلوم اور بالفاظِ واضح دیوبندی مکتب فکر کی تشکیل ہوئی ہے۔ اس لیے بحمد اللہ دیوبندی مکتب فکر کوئی نو پید جماعت نہیں بلکہ علمی، دینی اور سیاسی احکام وامور میں علمائے دیوبند مسند ہند شاہ ولی اللہ کے توسط سے سلف صالحین سے پوری طرح مربوط ہیں۔

برصغیر میں جب مسلمانوں کے کاروان شوکت پر برطانوی سامراج نے شب خوں مارا، تو حکیم مطلق جل شانہ نے اسلامی تعلیمات واحکام اور تہذیب وثقافت کو بچانے کے لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد واحفاد کو آگے کر دیا، ان بزرگوں کے سامنے دو منزلیں تھیں: (۱) مسلمانوں کی لٹی شوکت کیسے واپس لی جائے۔ (۲) اور سیاسی تنزل کے اس دور میں اسلامی علوم واحکام کی گرتی دیوار کو کس طرح سہارا دیا جائے۔ پہلی منزل تک پہنچنے کے لیے محدث دہلویؒ نے معاشی انقلاب، صحابہ سے انتساب اور قوم کو جہد وجہاد کی راہ دکھائی، ان

دونوں امور کو واضح کرنے کی غرض سے حجۃ اللہ البالغہ،مصفّٰی ومسویٰ اور ازالۃ الخفاء، جیسی بلند پایہ کتابیں لکھیں اور ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل دہلویؒ حضرت سید احمد شہید دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالحئی بڑھانوی کے ساتھ عملاً جہاد میں نکلے۔

دوسری منزل تک پہنچنے کے لیے ان محدثین دہلی نے قرآن و حدیث کے درس اور اسلامی علوم وفنون کی اشاعت سے اسلامی اعمال و اخلاق کی متزلزل دیوار کو سہارا دیا؛ چناں چہ عین اس وقت میں جب کہ سید احمد شہید اپنے جاں باز رفقاء کے ساتھ میدان کارزار میں دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور تلمیذ و جانشین دہلی کی مسندِ تدریس پر قال اللہ قال الرسول کا غلغلہ بلند کیے ہوئے تھے۔

دارالعلوم دیوبند اسی علم وفکر کا وارث اور محدثین دہلی کے اسی خاندان سے وابستہ ہے اور آج برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں اہل سنت والجماعت کا مرکز ثقل یہی دارالعلوم اور اس سے وابستہ علمائے دیوبند ہیں۔

(۵) اسنادِ سلف کا لازمی اثر

جن لوگوں نے علم وعمل کے چراغ سلف کے اسناد سے روشن کیے ہوں ان کے ذمے سلف کا دفاع لازمی ہوجاتا ہے اور وہ اس بات کے مکلّف ہیں کہ اپنے اسلاف کے عمومی کردار کو ہر دور میں بے داغ اور آئندہ نسلوں کے لیے بمنزلۂ چراغ ثابت کرتے رہیں اس کے بغیر اسلام ایک مسلسل حقیقت اور ایک زندہ مذہب نہیں رہ سکتا۔

چنانچہ دارالعلوم اور بالفاظ دیگر علمائے دیوبند مکمل طور پر صحابہ کرام سے لے کر محدثینِ دہلی تک اسنادِ اسلام کی ہر کڑی سے پورے وفادار رہے اور سلف صالحین کی اتباع کے اس حد تک پابند رہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بدعت کو بھی دین نہ بننے دیا۔ تسلسلِ اسلام اور اسنادِ دین کو کمزور کرنے والے مختلف طبقوں سے دارالعلوم اور اس کے علماء نے اختلاف کیا، تو اس لیے نہیں کہ وہ اختلاف پسند تھے یا انھیں کسی طبقے سے ذاتی بغض تھا بلکہ محض اس لیے کہ اسلام جس مبارک وپاکیزہ سلسلے سے ہم تک پہنچا ہے اس سے پوری وفا کی جائے۔ ان کے الحادی یا

بدعی نظریات کی تردید وتخریب اس لیے ضروری تھی کہ اس کے بغیر اسلام کی تعمیر وبقاء کی کوئی صورت نہیں تھی؛ لیکن ان کی یہ تردید بھی اصولی رہی اور انداز جدل احسن جس کی تعلیم خود قرآن نے دی ہے "وجادلهم بالتي هي أحسن" (پ:۱۴)

عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ

اسلام کے اس عظیم بنیادی عقیدہ پر یلغار کی گئی اور انگریز کی خانہ ساز نبوت کے داعی یورپ اور بلاد افریقہ میں تبلیغی مشن کے حسین عنوان سے مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دینے لگے۔ علمائے دیوبند نے مسلمانوں کو اس ارتدادی فتنہ سے خبردار کیا۔ اکابر دارالعلوم کے سرخیل شیخ امداد اللہ مہاجر مکی نے اپنے خلفاء حضرت مولانا اشرف علی اور شیخ مہر علی شاہ گولڑوی کو اس کی سرکوبی کی جانب متوجہ کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگرد علامہ انور شاہ محدث کشمیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد محدث عثمانی، مناظر اسلام مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد عالم (آسی) امرتسری، پھر حضرت محدث کشمیری کے تلامذہ میں مولانا سید بدر عالم میرٹھی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد ادریس محدث کاندھلوی، مولانا محمد یوسف محدث بنوری وغیرہ اساطین علمائے دیوبند میدان میں نکلے اور اپنی گراں قدر علمی تصانیف، موثر تقاریر اور بے پناہ مناظروں سے انگریزی نبوت کے دجل وفریب کا اس طرح پردہ چاک کیا اور ہر محاذ پر ایسا کامیاب تعاقب کیا کہ اسے اپنے مولد ومنشاء لندن میں محصور ہو جانا پڑا۔ علمائے دیوبند کے علمی وفکری مرکز دارالعلوم دیوبند کی زیر نگرانی حریم ختم نبوت کی پاسبانی کی یہ مبارک خدمت پوری توانائیوں کے ساتھ آج بھی جاری وساری ہے۔

ناموسِ صحابہ کا دفاع

ناموسِ صحابہ کے دفاع میں دارالعلوم کے اکابر اور ان کے جانشینوں نے نہایت وقیع اور گراں قدر خدمات انجام دی ہیں؛ چناں چہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ہدیۃ الشیعہ، اَجوِبہ اربعین وغیرہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ہدایۃ الشیعہ، حضرت مولانا

خلیل احمد سہارنپوری نے مطرقۃ الکرامۃ ، اور ہدایات الرشید جیسی بلند پایہ کتابیں تحریر کیں اوراس باب میں محدثین دہلی کے علمی وفکری موقف کی پوری نمائندگی کی گئی جو حضرت شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء، قرۃ العینین ،اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ سے ظاہر ہے پھر امام اہل سنت والجماعت مولانا عبدالشکورؒ فاروقی لکھنوی دفاع صحابہ کی اس عظیم خدمت میں پوری عمر مصروف رہے اوراس اہم موضوع کے ہر ہر گوشے سے متعلق اس قدر معلومات فراہم کردیں کہ اب شاید اس پر مزید اضافہ دشوار ہو؛ نیز حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے مقام صحابہ پر کامیاب مضامین لکھے اور جب وقت کی سیاسی آندھیوں نے قافلۂ اسلام کی صف اول پر یلغار کی تو حضرت مدنی نے صحابہ کے معیارِ حق ہونے پر وہ مباحث تحریر فرمائے جو عصر حاضر کا سرمایۂ فخر ہیں، ان بزرگوں کے علاوہ مولانا ولایت حسین رئیس دیورہ صوبہ بہار، مولانا محمد شفیع سنگتھروی، علامہ دوست محمد قریشی، مولانا لطف اللہ جالندھری، مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا عبدالستار تونسوی وغیرہ علمائے دیوبند نے اس محاذ پر گراں قدر خدمات انجام دیں۔

شرک وبدعت

اتباع سنت اور حدیث کا انکار کرنے والا گروہ مرکز ملت کے نام سے ایک نئی اصطلاح وضع کرکے قرآن کی تعبیر وتشریح کا اختیار اسے سونپ دیتا ہے کہ یہ نام نہاد مرکز ملت زمانے کے تقاضوں اور امنگوں کے مطابق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، صحابہ کے فیصلوں اوراجماع امت کے مسائل سے قطع نظر کرکے جو چاہے فیصلہ کردے۔ ایک دوسرا گروہ جو زبانی عشق رسول کا بہت دعویدار ہے اوراپنے سوا تمام طبقات اسلام کو قابل گردن زدنی اور دنیا کے ہر کافر ومشرک سے بدتر سمجھتا ہے۔ لیکن عملاً اس کا حال یہ ہے کہ شریعت کے روشن چہرے کو مسخ کرکے دین میں نت نئے اضافے کرتا رہتا ہے اور من گھڑت افکار کو شریعت قرار دیتا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے رسوم و رواج کو بدعت قرار دیا ہے اوراپنے ہر خطبے میں اس کی برائی بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ

کے صحابہ کرام سے لے کر آج تک علمائے حقانی نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو سب سے زیادہ ردبدعت پر مرکوز رکھا کیوں کہ اسی سے شرک کی راہ نکلتی ہے۔

جانشینانِ محدثین دہلی یعنی علمائے دیوبند نے اس سلسلے میں بھی بہت کام کیا سید احمد شہیدؒ نے اس بارے میں بہت مضبوط موقف اختیار کیا۔ ان حضرات کے بعد اکابر دارالعلوم دیوبند کی باری آئی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ نے شرک و بدعت کے رد میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں اور ماضی قریب میں مولانا حسین علی بچھراواں، مولانا مرتضٰی حسن چاندپوری، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سرفراز خاں صفدر وغیرہ نے بھی اس محاذ پر نہایت کامیاب خدمات انجام دیں۔ اور آج بھی علمائے دیوبند مبتدعین کے تعاقب میں سرگرم عمل ہیں۔ علمائے دیوبند کے علمی مرکز دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ اس کے فرزند اسلام کی سنت قائمہ کے حامی اور بدعت سے بہت دور ہیں۔ اور ایسے کسی عمل کو جو شاہ راہِ مسلسل سے نہ آئے اسے اسلام کا نام دینے کے لیے تیار نہیں کیوں کہ ان کا موقف اسلام کی سنت قائمہ سے مکمل وفاداری ہے۔ ان کے نزدیک اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جو اسلام کی سنت قائمہ سے وابستہ اور جماعت صحابہ کے نقش پا سے دین کی راہیں تلاش کرنے والے ہوں اور بدعات کو فروغ دینے والے نہ ہوں۔ ان حضرات کا یقین ہے کہ بدعت کا دروازہ کھلا رکھنے سے تفریق بین المسلمین لازمی ہوگی کیوں کہ بدعات ہر گروہ کی اپنی اپنی ہوں گی یہ فقط سنت ہے جو تمام مسلمانوں کو ایک لڑی میں پروسکتی ہے اور ملت واحدہ بنا کر رکھ سکتی ہے؛ اس لیے بدعات کے رد میں علمائے دیوبند کا یہ اہتمام کوئی منفی داعیہ نہیں بلکہ شاہراہ اسلام سے مخلصانہ عقیدت ہے۔

(٦) علمائے دارالعلوم دیوبند کا مسلک

محدثین دہلی اور ان کے چشمۂ علم وعرفان سے سیراب دارالعلوم اور علمائے دیوبند

اپنے مسلک اور دینی رخ کے اعتبار سے کلیتًا اہل سنت والجماعت ہیں پھر وہ خودرَو قسم کے اہل سنت نہیں بلکہ اوپر سے ان کا سندی سلسلہ جڑا ہوا ہے؛ اس لیے مسلک کے اعتبار سے وہ نہ کوئی جدید فرقہ ہیں نہ بعد کی پیداوار ہیں بلکہ وہی قدیم اہل سنت والجماعت کا مسلسل سلسلہ ہے جو اوپر سے سند متصل اور استمرار کے ساتھ کابرًا عن کابرٍ چلا آ رہا ہے۔

علمائے دارالعلوم دیوبند کے اس جامع، افراط وتفریط سے پاک مسلک معتدل کو سمجھنے کے لیے خود لفظ اہل سنت والجماعت میں غور کرنا چاہیے جو دو اجزاء سے مرکب ہے: ایک ''السنۃ'' جس سے اصول، قانون، اور طریق نمایاں ہیں اور دوسرا ''الجماعۃ'' جس سے شخصیات اور رفقائے طریق نمایاں ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے اس ترکیبی کلمہ سے یہ بات پورے طور پر واضح ہوتی ہے کہ اس مسلک میں اصول وقوانین بغیر شخصیات کے اور شخصیات بغیر قوانین کے معتبر نہیں کیوں کہ قوانین ان شخصیات ہی کے راستے سے آتے ہیں اس لیے ماخوذ کو لیا جانا اور ماخذ کو چھوڑ دینا کوئی معقول مسلک نہیں ہوسکتا۔

حدیث '' ما أنا علیه و أصحابي '' میں بہتّر فرقوں میں سے فرقۂ ناجیہ کی نشاندہی فرماتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معیار حق ان ہی دو چیزوں کو قرار دیا ''ما انا'' سے اشارہ سنت یعنی طریق نبوی یا قانون دین کی طرف ہے اور ''واصحابی'' سے اشارہ الجماعۃ یعنی برگزیدہ شخصیات کی طرف ہے بلکہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں اصحابی کے بجائے الجماعۃ کا صریح لفظ موجود ہے۔

اس لیے تمام صحابہ، تابعین، فقہائے مجتہدین، ائمہ محدثین اور علمائے راسخین کی عظمت ومحبت، ادب واحترام اور اتباع وپیروی اس مسلک کا جوہر ہے؛ کیوں کہ ساری دینی برگزیدہ شخصیتیں ذات نبوی سے انتساب کے بدولت ہی وجود میں آتی ہیں۔ پھر مختلف علوم دینیہ میں حذاقت ومہارت اور خداداد فراست وبصیرت کے لحاظ سے ہر شعبۂ علم میں ائمہ اور اولوالامر پیدا ہوئے اور امام ومجتہد کے نام سے انھیں یاد کیا گیا۔ مثلاً ائمہ اجتہاد میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ، ائمہ حدیث میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی وغیرہ، ائمہ درایت وتفقہ میں امام ابو یوسف، امام

محمد بن حسن، امام خلال، امام مزنی، امام ابن رجب وغیرہ۔ ائمہ احسان واخلاص میں اویس قرنی، فضیل بن عیاض وغیرہ، ائمہ حکمت وحقائق میں امام رازی، امام غزالی وغیرہ، ائمہ کلام میں ابوالحسن اشعری، ابومنصور ماتریدی وغیرہ نیز اس قسم کی اور بھی دینی برگزیدہ شخصیتیں ہیں جن کی درجہ بدرجہ توقیر وعظمت مسلک دارالعلوم دیوبند میں شامل ہے۔

پھر ان تمام دینی شعبوں کے اصول وقوانین کا خلاصہ دو ہی چیزیں ہیں: ''عقیدہ وعمل'' عقیدے میں تمام عقائد کی اساس وبنیاد عقیدۂ توحید ہے اور عمل میں سارے اعمال کی بنیاد اتباع سنت ہے۔

توحید

مسلک دارالعلوم دیوبند میں عقیدۂ توحید پر بطور خاص زور دیا جاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ شرک یا موجبات شرک جمع نہ ہوں اور کسی بھی غیر اللہ کی اس میں شرکت نہ ہو۔ ساتھ ہی تعظیمِ اہل اللہ اور اربابِ فضل وکمال کی توقیر کو عقیدۂ توحید کے منافی سمجھنا مسلک کا کوئی عنصر نہیں۔

خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

علمائے دارالعلوم دیوبند کا یہ ایمان ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر وافضل الانبیاء ہیں، مگر ساتھ ہی آپ کی بشریت کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ آپ کے علو درجات کو ثابت کرنے کے لیے حدودِ عبدیت کو توڑ کر حدودِ معبودیت میں پہنچادینے سے کلی احتراز کرتے ہیں۔ وہ آپ کی اطاعت کو فرض عین سمجھتے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو جائز نہیں سمجھتے۔

علمائے دارالعلوم دیوبند برزخ میں آپ ﷺ کی حیات جسمانی کے قائل ہیں مگر وہاں معاشرت دنیوی کو نہیں مانتے۔ وہ آپ کے علم عظیم کو ساری کائنات کے علم سے بدرجہا زیادہ مانتے ہیں پھر بھی اس کے ذاتی ومحیط ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

صحابہ کرام

علمائے دارالعلوم دیوبند تمام صحابہ کی عظمت کے قائل ہیں؛ البتہ ان میں باہم فرق مراتب ہے تو عظمت مراتب میں بھی فرق ہے، لیکن نفس صحابیت میں کوئی فرق نہیں اس لیے محبت وعقیدت میں بھی فرق نہیں پڑسکتا پس "الصحابة كلهم عدول" اس مسلک کا سنگ بنیاد ہے۔ صحابہ بحثیت قرن خیر من حیث الطبقۃ ہیں اور پوری امت کے لیے معیار حق ہیں۔ علمائے دیوبند انھیں غیر معصوم ماننے کے باوجود ان کی شان میں بدگمانی اور بدزبانی کو جائز نہیں سمجھتے اور صحابہ کے بارے میں اس قسم کا رویہ رکھنے والے کو حق سے منحرف سمجھتے ہیں۔

علمائے دیوبند کے نزدیک ان کے باہمی مشاجرات میں خطا وصواب کا تقابل ہے حق وباطل اور طاعت ومعصیت کا نہیں؛ اس لیے ان میں سے کسی فریق کو تنقید وتنقیص کا ہدف بنانے کو جائز نہیں سمجھتے۔

صلحائے امت

علمائے دارالعلوم دیوبند تمام صلحائے امت واولیاء اللہ کی محبت وعظمت کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس محبت وتعظیم کا یہ معنی قطعاً نہیں لیتے کہ انھیں یا ان کی قبروں کو سجدہ و طواف اور نذر وقربانی کا محل بنالیا جائے۔

وہ اہل قبور سے فیض کے قائل ہیں استمداد کے نہیں۔ حاضری قبور کے قائل ہیں مگر انھیں عیدگاہ بنانے کو روا نہیں سمجھتے، وہ ایصال ثواب کو مستحسن اور اموات کا حق سمجھتے ہیں مگر اس کی نمائشی صورتیں بنانے کے قائل نہیں۔

وہ تہذیبِ اخلاق، تزکیۂ نفس اور عبادت میں قوتِ احسان پیدا کرنے کے لیے اہل اللہ کی بیعت وصحبت کو حق اور طریق احسانی کے اصول وہدایات کو تجربۃً مفید اور عوام کے حق میں ایک حد تک ضروری سمجھتے ہیں اور اسے شریعت سے الگ کوئی مستقل راہ نہیں سمجھتے

بلکہ شریعت ہی کا باطنی واخلاقی حصہ مانتے ہیں۔

فقہ اور فقہاء

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ علمائے دیوبند احکام شرعیہ فروعیہ اجتہادیہ میں فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتے ہیں بلکہ برصغیر میں آباد کم وبیش پچاس کروڑ مسلمانوں میں نوے فیصد سے زائد اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے؛ لیکن اپنے اس مذہب و مسلک کو آڑ بنا کر دوسرے فقہی مذاہب کو باطل ٹھہرانے یا ائمہ مذاہب پر زبانِ طعن دراز کرنے کو جائز نہیں سمجھتے کیوں کہ یہ حق و باطل کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ احسن وحسن اور صواب و خطا کا تقابل ہے۔ مسائل فروعیہ اجتہادیہ میں ائمہ اجتہاد کی تحقیقات میں اختلاف کا ہو جانا ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ اور شریعت کی نظر میں یہ اختلاف صحیح معنوں میں اختلاف ہے ہی نہیں۔ قرآن حکیم ناطق ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحاً وَالَّذِىْ اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا به إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰى أَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْه ۔(الشوریٰ)

ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک شریعتوں اور منہاج کا کھلا ہوا اختلاف رہا پھر بھی قرآن حکیم اس کو ایک ہی دین قرار دے رہا ہے اور شریعتوں کے باہمی فروعی اختلاف کو وحدتِ دین کے معارض نہیں سمجھتا۔ اگر یہ فروعی تنوع بھی افتراق و اختلاف کی حد میں آسکتے تو پھر ”وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ“ کا خطاب کیوں کر درست ہوتا۔

لہٰذا جس طرح شرائعِ سماویہ فروعی اختلاف کے باوجود ایک ہی دین کہلائیں اور ان کے ماننے والے سب ایک ہی رشتہ اتحاد واخوت میں منسلک رہے۔ تحزب وتعصب کی کوئی شان ان میں پیدا نہیں ہوئی؛ اسی لیے وہ ”وَكَانُوْا شِيَعاً“ کی حد میں نہیں آئے۔ ٹھیک اسی طرح ایک دین حنیف کے اندر فروعی اختلافات اس کی شان اجتماعیت و وحدت میں خلل انداز نہیں ہو سکتے۔

مواقع اجتہاد میں اہل اجتہاد کا اجتہاد بھی دین کا مقرر کردہ اصول ہے۔ اسے دین میں اختلاف کیسے کہا جاسکتا ہے۔ رہا جماعتِ مجتہدین میں سے کسی ایک کی پیروی وتقلید کو خاص کر لینا تو دین کے بارے میں آزادیِ نفس سے بچنے اور خودرائی سے دور رہنے کے لیے امت کے سوادِ اعظم کا طریق مختار یہی ہے، جس کی افادیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بابِ تقلید میں علمائے دیوبند کا یہی طرزِ عمل ہے۔ وہ کسی بھی امام، مجتہد یا اس کی فقہ کی کسی جزئی کے بارے میں تمسخر، سوئے ادب یا رنگ ابطال وتردید سے پیش آنے کو خسران دنیا وآخرت سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک یہ اجتہادات شرائع فرعیہ ہیں اصلیہ نہیں کہ اپنی فقہ کو موضوع بنا کر دوسروں کی تردید یا تفسیق وتضلیل کریں؛ البتہ اپنی اختیار کردہ فقہ پر ترجیح کی حد تک مطمئن ہیں۔

مذکورہ بالا امور میں علمائے دیوبند کا یہ طرزِ عمل اور مسلک ان کی مؤلفات (شروح حدیث، تفسیر، فقہ وکلام وغیرہ) میں پوری تفصیل کے ساتھ مندرج ہیں، جنھیں دیکھ کر خود فیصلہ کیا جاسکتا ہے اس مختصر تحریر میں ان ساری تفصیلات کے اعادہ کی گنجائش نہیں۔

(۷) علمائے دار العلوم کا فکری اعتدال

علمائے دیوبند دین کے سمجھنے سمجھانے میں نہ تو اس طریق کے قائل ہیں جو ماضی سے یکسر کٹا ہو کیوں کہ وہ مسلسل رشتہ نہیں ایک نئی راہ ہے۔ اور نہ وہ اس افراط کے قائل ہیں کہ رسم ورواج اور تقلیدِ آباء کے تحت ہر بدعت اسلام میں داخل کردی جائے۔ جن اعمال میں تسلسل نہ ہو اور وہ تسلسل خیر القرون سے متصل نہ ہو وہ اعمال اسلام نہیں ہوسکتے۔ یہ حضرات اس تقلید کے پوری طرح قائل ہیں جو قرآن وحدیث کے سرچشمہ سے فقہِ اسلام کے نام سے چلتی آئی ہے۔ قرآن کریم تقلید آباء کی صرف اس وجہ سے مذمت کرتا ہے کہ وہ آباء عقل واہتداء کے نور سے عاری تھے۔ ”اَوَلَو كَانَ آبَاءُ هُم لا يَعقِلُون شيئاً وَلَا يَهتَدُون“

ائمہ سلف اور فقہائے اسلام جو علم وہدایت کے نور سے منور تھے ان کی پیروی نہ

صرف یہ کہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ صرف حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہی کی نہیں ،صدیقین،شہداء اور صالحین کی راہ پر چلنے چلانے کی ہر نماز میں اللہ سے درخواست کریں؛ کیوں کہ یہی صراط مستقیم ہے۔"اِهدِنا الصِّراطَ المُستَقِيم صِراطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ"

اس منہج اعتدال کی بنا پر علمائے دیو بند مذہبی بے قیدی اور خود رائی سے محفوظ ہیں اور شرک و بدعت کے اندھیرے انھیں اپنے جال میں نہ کھینچ سکے۔

(۸) فقہ میں سنت کی راہیں

برصغیر میں کم وبیش نوے فی صد مسلمان فقہ حنفی پر عامل ہیں۔فقہ حنفی امام ابوحنیفہؒ کے اجتہادات،ان کے تلامذہ کے استخراجات اور اصحاب ترجیح کے فیصلوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قدر بحث و تحقیق اور کانٹ چھانٹ کے بعد فقہ کا کوئی مسئلہ اصولِ شریعت کے خلاف باقی نہیں رہ سکتا۔مگر اس طریقِ عمل میں ایک پہلو یہ بھی تھا کہ عمل کرنے والے کی نظر ائمہ وفقہاء کی تخریجات تک محدود رہتی،گو وہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کے طریق سے متجاوز نہ ہوتا؛ مگر عمل کرنے والے کا شعور اتباع سنت کی لذت پوری طرح محسوس نہیں کرسکتا تھا۔ دارالعلوم دیو بند کا یہ عظیم تاریخی کارنامہ ہے کہ اس نے اعمال و عبادات کو ان کے بنیادی مصادر کی طرف لوٹایا۔احادیث کے دفاتر کھلے،رجال کی گہری نظر سے پڑتال ہوئی،معانی حدیث میں بحث کی گئی،گو ان حضرات کو اس علمی و تحقیقی کاوش سے فقہ کا کوئی مفتی بہ قول اصول شریعت سے معارض نہ ملا تاہم اس راہ تحقیق نے (جو ظاہریت کی تفریط اور اہل بدعت کی افراط سے پاک سلف صالحین کے مقرر کردہ منہاج پر مبنی ہے) ایسی فضا پیدا کر دی کہ پہلے جن مسائل پر فقہ سمجھ کر عمل کیا جاتا تھا اب وہی مسائل سنت کی خنک روشنی دینے لگے اور ان اعمال میں اتباع حدیث کی وہ لذت محسوس ہونے لگی جو اس فکری تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

علمائے دیو بند نے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں ہی کو سنت کا شعور بخشا بلکہ دیگر بلاد

اسلامیہ مصر وشام وغیرہ بھی ان کے اس فکر سے متاثر ہوئے۔ دیوبندی مکتبۂ فکر کا نصوص فہمی میں منہج مختار یہی ہے، ان کی تالیفات مثلاً فیض الباری شرح بخاری، اللامع الدراری شرح بخاری، فتح الملہم شرح صحیح مسلم، الکوکب الدری شرح جامع ترمذی، معارف السنن شرح جامع ترمذی، بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد، اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک، امانی الاحبار شرح معانی الآثار للطحاوی، اعلاء السنن، ترجمان السنۃ، معارف الحدیث وغیرہ میں ان کے اس منہجِ مختار کو دیکھا جاسکتا ہے۔

(۹) فتنۂ ارتداد اور تحفظ اسلام کے لیے فکر دار العلوم سے مربوط علماء کی سعیِ مشکور

برصغیر میں ۱۸۵۷ء کے سیاسی انقلاب کے بعد محدثین دہلی کے پیروکار اکابر دیوبند نے اپنی علمی و دینی بصیرت سے اس حقیقت کا پورا ادراک کرلیا کہ سماجی واقتصادی تبدیلیاں جب اقتدار کے زیرسایہ پروان چڑھتی ہیں تو دینی وروحانی قدروں کی زمین بھی ہل جاتی ہے اس باب میں عثمانی ترکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ترک قوم مغربی تہذیب کے طوفان میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور مصطفیٰ کمال کی قیادت میں اپنے ماضی سے کٹ گئی جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ ترکی کی اسلامی تہذیب، مغربیت میں فنا ہوگئی۔ اور ایک عظیم اسلامی سلطنت کا صفحۂ ہستی سے وجود ختم ہوگیا۔

الحاصل تہذیبِ اسلام کے لیے یہ نہایت نازک وقت تھا۔ تاریخ کے اس انتہائی خطرناک موڑ پر اکابر دیوبند کے سامنے وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ اسلامی تہذیب کو مغربیت کے اس سیلاب سے محفوظ رکھا جائے۔ اور مسلمانوں کے دین و مذہب کا تحفظ کرکے انھیں ارتداد سے بچایا جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے پوری بیدار مغزی وژرف نگاہی سے ہر اس محاذ کو متعین کیا جہاں سے مسلمانوں پر فکری و عملی یلغار ہوسکتی تھی اور پھر اپنی بساط کی حد تک حکمت وتدبر کے ساتھ ہر محاذ پر دفاعی خدمات انجام دیں۔

پہلا محاذ

غیر منقسم ہندوستان کی غالب اکثریت ایسے مسلمانوں کی ہے جن کے آباء واجداد کسی زمانے میں ہندو تھے۔ انگریزوں نے سیاسی اقتدار پر تسلط جما لینے کے بعد یہاں کے ہندوؤں کو اکسایا کہ یہ مسلمان جو کسی زمانہ میں تمہاری ہی قوم کے ایک حصہ تھے اس لیے اپنی عددی قوت کو بڑھانے کے لیے انھیں دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش کرو چناں چہ انگریزوں کی خفیہ سرپرستی میں آریہ سماج کے ذریعہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کی تحریک پوری قوت سے شروع ہوگئی۔

اسلام کے خلاف اس فکری محاذ پر حالات سے ادنیٰ مرعوبیت کے بغیر اکابر دارالعلوم نے اسلام کا کامیاب دفاع کیا۔ تقریر وتحریر، بحث ومناظرہ اور علمی ودینی اثر ونفوذ سے اس ارتدادی تحریک کو آگے بڑھنے سے روک دیا بالخصوص علمائے دیوبند کے سرخیل اور قائد وامام حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس سلسلے میں نہایت اہم ومؤثر خدمات انجام دیں برصغیر کی مذہبی وسماجی تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی حضرت موصوف کی ان خدمات جلیلہ سے پوری طرح واقف ہے۔

تقسیم ہند کے قیامت خیز حالات میں جب کہ برصغیر کا اکثر حصہ خون کے دریا میں ڈوب گیا تھا اس ہولناک دور میں بھی شدھی وسنگٹھن کے نام سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی ایمان سوز تحریک برپا کی گئی۔ اس موقع پر بھی علمائے دیوبند وقت کے خونی منظر سے بے پرواہ ہو کر میدان میں کود پڑے اور خدائے رب العزت کی مدد ونصرت سے ارتداد کے اس سیلاب سے مسلمانوں کو بحفاظت نکال لے گئے۔

دوسرا محاذ

ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد عیسائی مشنری برصغیر میں اس زعم سے داخل ہوئی کہ وہ ایک فاتح قوم ہیں، مفتوح قومیں فاتح قوم کی تہذیب کو آسانی سے قبول کر لیتی

ہیں۔انھوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کے دل و دماغ سے اسلام کے تہذیبی نقوش مٹادیں یا کم ازکم انہیں ہلکا کردیں تاکہ بعد میں انھیں اپنے اندر ضم کیا جاسکے۔اور اگر وہ عیسائی نہ بن سکیں تو اتنا تو ہو کہ وہ مسلمان بھی نہ رہ جائیں۔

اس محاذ پر دارالعلوم اور اکابر دیوبند نے عیسائی مشنری اور مسیحی مبلغین سے پوری علمی قوت سے ٹکر لی اور نہ صرف علم و استدلال سے ان کے حملے پسپا کردیئے بلکہ عیسائی تہذیب اور ان کے مذہبی ماخذ پر کھلی تنقید کی، اس سلسلے میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی خدمات سے علمی دنیا اچھی طرح واقف ہے۔

تیسرا محاذ

اسی عیسائی ساز اسکیم کے تحت پورے ملک میں انگریزی اسکولوں کا جال بچھا دیا گیا اور اسلامی مدارس کو کمزور کرنے کی غرض سے ان کے لیے دنیوی ترقی کی تمام راہیں مسدود کردی گئیں۔اس محاذ پر ضروری تھا کہ قرآن وحدیث کی صحیح تعلیم اور اسلام کے آبرومندانہ ماحول کے لیے عربی مدارس کو ہر طرح کی قربانی دے کر پوری قوت سے باقی رکھا جائے۔ نیز جدید عربی مدارس قائم کیے جائیں اور اس کی امکانی سعی کی جائے کہ کوئی اجنبی بات اسلام کے نام پر اسلام میں گھسنے نہ دی جائے۔ جدید عصری نظریات سلف صالحین سے متوارث فکر وعمل کو کمزور نہ کرسکیں۔

اس محاذ پر بھی دارالعلوم اور اس کے اکابر نے پوری ذمہ داری کا ثبوت دیا اور ہندوستان کے چپے چپے پر عربی درس گاہوں کے ذریعہ علم دین کے چراغ روشن کردیئے۔ اور اس بات کا بھرپور اہتمام کیا کہ برصغیر میں اسلام اپنی اصل شکل وصورت کے ساتھ نمایاں رہے۔اس محاذ پر حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ،ان کے رفیق خاص محدث کبیر مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری صاحب بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور آزادی کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی وغیرہم اکابر دیوبند نے کامیاب جدوجہد کی۔

(۱۰) دارالعلوم نے ملت کو کیا دیا؟

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بظاہر ناکام ہونے والے شکستہ دل مسلمانوں کی دینی و قومی روایات کا تحفظ کیا، ولی اللٰہی منہاج پر تعلیمات دین کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی، اسلام مخالف تحریکات کی سرکوبی کی، برصغیر اور دیگر براعظموں میں مساجد و مدارس کے ذریعہ قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں کو عام کیا، فرنگی سامراج کے ظالمانہ اقتدار کی جڑیں اکھاڑ کر ہندوستان کو آزاد کرایا، اسلام اور پیغمبر اسلام پر کیے گئے ناروا حملوں کا جواب دیا، تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور جملہ علوم وفنون کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا، عظمت صحابہ اور عزت اسلاف کا تحفظ کیا، منکرین ختم نبوت کا کامیاب تعاقب کیا، بدعات کی تاریکیوں میں سنت کی مشعلیں روشن کیں اور آئندہ کام کرنے کے لیے سیکڑوں مجاہد، عالم، مفسر، محدث، متکلم، فقیہ، مرشد، مؤرخ، مقرر، خطیب، طبیب، مناظر، صحافی، صوفیا، قراء، حفاظ اور سیاستداں پیدا کیے۔

تعداد فضلائے دارالعلوم دیوبند ۱۲۸۳ھ تا ۱۴۲۱ھ

ہندوستان	۲۰۳۷۹	مصر	۱
پاکستان	۱۵۲۴	یمن	۱
بنگلہ دیش	۲۱۵۴	انڈونیشیا	۱
افغانستان	۱۱۸	ملیشیا	۵۱۸
نیپال	۱۱۹	کمبوڈیا	۱
شری لنکا	۱۹	امریکہ	۱۶
چین	۴۴	افریقہ	۲۳۷
روس	۷۰	برطانیہ	۲۱
ایران	۱۱	سوڈان	٦
عراق	۲	ویسٹ انڈیز	۴
کویت	۲	تھائی لینڈ	۸

سعودی عرب	۲	نیوزی لینڈ	۲
مسقط	۱	فرانس	۱
مالدیپ	۱	فیجی	۷
ترکستان	۲۰	لبنان	٦

تعداد بیرون ملک : ۵۰۷۸

تعداد اندرون ملک : ۳۳۵۳۰

کل تعداد : ۳۸٦۰۸

(۱۱) طبقات مشاہیر علمائے دیوبند

یہ ایک سرسری اور مختصر فہرست ہے جس میں اچھا خاصا اضافہ ہوسکتا ہے

محدثین

(۱) حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ

(۲) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۳) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۴) حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

(۵) حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

(٦) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

(۷) حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ

(۸) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

(۹) حضرت مولانا عبد العلی میرٹھیؒ

(۱۰) حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ

(۱۱) حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

(۱۲) حضرت مولانا محمد اسحاق امرتسریؒ

(۱۳) حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ

(۱۴) حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۵) حضرت مولانا عبد العزیز گجرانوالہؒ

(۱٦) حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادیؒ

(۱۷) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ

(۱۸) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ

(۱۹) حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

(۲۰) حضرت مولانا ماجد علی جون پوریؒ

(۲۱) حضرت مولانا عبد الغفار مئویؒ

(۲۲) حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

(۲۳) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

(۲۴) حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

(۲۵) حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہجہانپوریؒ

(۲٦) حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوریؒ

مفسرین

(۱) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
(۲) حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہویؒ
(۳) حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۴) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
(۵) حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
(۶) حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ
(۷) حضرت مولانا حسین علی پنجابیؒ
(۸) حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۹) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
(۱۰) حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانیؒ
(۱۱) حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ
(۱۲) حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ
(۱۳) حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ

متکلمین اسلام

(۱) حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ
(۲) حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ
(۳) حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ
(۴) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ
(۵) حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
(۶) حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ
(۷) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
(۸) حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانیؒ
(۹) حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ
(۱۰) حضرت مولانا علامہ خالد محمود مدظلہ
(۱۱) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین مدظلہ

مصنّفین ومؤرخین

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
(۲) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۳) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ
(۴) حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
(۵) حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
(۶) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۷) حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
(۸) حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ
(۹) حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث سہارنپوریؒ
(۱۰) حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
(۱۱) حضرت مولانا قاضی زین العابدینؒ
(۱۲) مولانا نورالحسن سیرکوٹیؒ
(۱۳) مولانا یعقوب الرحمٰنؒ
(۱۴) حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

(۱۵)مولانا سرفراز احمد صفدرؒ
(۱۶)مولانا سید نورالحسن بخاریؒ
(۱۷)مولانا قاضی محمد اطہر مبارک پوریؒ
(۱۸)حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
(۱۹)مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ
(۲۰)مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ
(۲۱)مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ

فقہاء

(۱)حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
(۲)حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن دیوبندیؒ
(۳)حضرت مولانا سعادت علی سہارنپوریؒ
(۴)حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۵)حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ
(۶)حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ
(۷)حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
(۸)حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ
(۹)حضرت مولانا مفتی ریاض الدین بجنوریؒ
(۱۰)حضرت مولانا مفتی محمد فاروقؒ
(۱۱)حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ میرٹھیؒ
(۱۲)حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہجہانپوریؒ
(۱۳)حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
(۱۴)حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ
(۱۵)حضرت مولانا مفتی محمد اسمٰعیل بسم اللہ سورتیؒ
(۱۶)حضرت مولانا مفتی احمد سعید اجراڑویؒ
(۱۷)حضرت مولانا فقیر اللہ رائے پوریؒ
(۱۸)حضرت مولانا مفتی محمود سرحدیؒ
(۱۹)حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ
(۲۰)حضرت مولانا مفتی محمد یوسف آزاد کشمیرؒ
(۲۱)حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ
(۲۲)حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری
(۲۳)حضرت مولانا مفتی عبدالکریم کمتھلویؒ
(۲۴)حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی مدظلہ
(۲۵)حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی مدظلہ
(۲۶)حضرت مولانا مفتی منظور احمد مظاہری مدظلہ
(۲۷)حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی مدظلہ
(۲۸)حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن دہلی مدظلہ
(۲۹)حضرت مولانا مفتی شبیر احمد مدرسہ شاہی مدظلہ
(۳۰)حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام مدظلہ

اصحابِ تدریس

(۱)حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ
(۲)حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ
(۳)حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ
(۴)حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
(۵)حضرت مولانا منفعت علی دیوبندیؒ
(۶)حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ

(۷) حضرت مولانا عبدالمومن دیو بندیؒ
(۸) حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ
(۹) حضرت مولانا غلام رسول خاں ہزارویؒ
(۱۰) حضرت مولانا محمد صدیق انبیٹھویؒ
(۱۱) حضرت مولانا محمد مراد پاک پٹنیؒ
(۱۲) حضرت مولانا سید اصغر حسین دیو بندیؒ
(۱۳) حضرت مولانا محمد رسول خاںؒ
(۱۴) حضرت مولانا عبدالحق اکوڑویؒ
(۱۵) حضرت مولانا حمید الدین فیض آبادیؒ
(۱۶) حضرت مولانا کریم بخش سنبھلیؒ
(۱۷) حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ
(۱۸) حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ
(۱۹) حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ
(۲۰) حضرت مولانا محمد صدیق کشمیریؒ
(۲۱) حضرت مولانا محمد عبدالسمیع دیو بندیؒ
(۲۲) حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ
(۲۳) حضرت مولانا محمد یحییٰ سہسرامیؒ
(۲۴) حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ
(۲۵) حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ
(۲۶) حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ
(۲۷) حضرت مولانا شکر اللہ اعظمیؒ
(۲۸) حضرت مولانا علی احمد اعظمیؒ
(۲۹) حضرت مولانا عبدالصمد
(۳۰) حضرت مولانا اختر حسین دیو بندیؒ
(۳۱) حضرت مولانا محمد حیات سنبھلیؒ
(۳۲) حضرت مولانا احمد حسن کان پوریؒ
(۳۳) حضرت مولانا عبدالستار معروفیؒ
(۳۴) حضرت مولانا بشیر احمد بلند شہریؒ
(۳۵) حضرت مولانا معراج الحق دیو بندیؒ
(۳۶) حضرت مولانا فخر الحسن صاحب
سابق صدر المدرسین دار العلوم دیو بند
(۳۷) حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب
صدر المدرسین دار العلوم دیو بند
(۳۸) حضرت مولانا نعیم صاحب دیو بندی
(۳۹) حضرت مولانا سالم قاسمی
(۴۰) حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ

مبلغینِ اسلام

(۱) حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ
(۲) حضرت مولانا سید مرتضٰی حسن بجنوریؒ
(۳) حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
(۴) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
(۵) حضرت مولانا ابوالوفا شاہجہانپوریؒ
(۶) حضرت مولانا محمد ادریس سکروڈویؒ
(۷) حضرت مولانا سید معظم علیؒ
(۸) حضرت مولانا محمد قاسم شاہجہانپوریؒ
(۹) حضرت مولانا عبدالجبار حصارویؒ
(۱۰) حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ

(۱۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
(۱۲) حضرت مولانا سید ارشاد احمد فیض آبادیؒ
(۱۳) حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ
(۱۴) حضرت مولانا عبیداللہ بلیاویؒ
(۱۵) حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ
(۱۶) حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ
(۱۷) حضرت مولانا قاری محمد صدیقؒ
(۱۸) حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ
(۱۹) حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی مدظلہ

حضرات مشائخ

(۱) سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ
(۲) قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
(۳) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
(۴) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۵) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
(۶) حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ
(۷) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ
(۸) حضرت مولانا اسعد اللہ رام پوریؒ
(۹) حضرت مولانا عبدالحق اکوڑویؒ
(۱۰) حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ
(۱۱) حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ
(۱۲) حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ
(۱۳) حضرت مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادیؒ
(۱۴) حضرت مولانا قاری فخرالدین گیاویؒ
(۱۵) حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین دیوبندیؒ
(۱۶) حضرت مولانا ضرغام الدین فیض آبادیؒ
(۱۷) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ
(۱۸) حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ
(۱۹) حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
(۲۰) حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ
(۲۱) حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ
(۲۲) حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
(۲۳) حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ
(۲۴) حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
(۲۵) حضرت مولانا عبدالجبار معروفیؒ
سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد
(۲۶) حضرت مولانا ابرارالحق ہردوئی مدظلہ
(۲۷) حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ
(۲۸) حضرت مولانا قاری محمد صدیقؒ باندوی
(۲۹) حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ
(۳۰) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
(۳۱) حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مدظلہ
(۳۲) حضرت مولانا احمد علی آسامیؒ

مجاہدین وقائدینِ ملت

(۱) امام العصر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
(۲) امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ
(۳) حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
(۴) حضرت مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ
(۵) حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ
(۶) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہانپوریؒ
(۷) مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
(۸) رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ
(۹) حضرت مولانا محمد صادقؒ کراچی سندھ
(۱۰) حضرت مولانا سجاد حسین بہاریؒ
(۱۱) حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
(۱۳) حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
(۱۲) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ
(۱۴) حضرت مولانا مفتی محمود سابق وزیر سرحدؒ
(۱۵) حضرت مولانا احتشام حسین تھانویؒ
(۱۶) حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ

مناظرینِ اسلام

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
(۲) حضرت مولانا احمد حسن لاہوریؒ
(۳) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
(۴) حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ
(۵) حضرت مولانا ابوالوفا شاہجہانپوریؒ
(۶) حضرت مولانا اسعد اللہ رام پوریؒ
(۷) حضرت مولانا سید ارشاد احمد فیض آبادیؒ
(۸) حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
(۹) حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ
(۱۰) حضرت مولانا نور محمد ٹانڈویؒ
(۱۱) حضرت مولانا عبداللطیف اعظمیؒ
(۱۲) حضرت مولانا عبدالسلام فاروقی لکھنویؒ
(۱۳) حضرت مولانا عبدالحلیم فاروقیؒ
(۱۴) حضرت مولانا قاضی محمد مظہر حسین مدظلہ
(۱۵) حضرت مولانا عبدالستار تونسویؒ
(۱۶) حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
(۱۷) حضرت مولانا احمد حیات فاتح قادیانؒ
(۱۸) حضرت مولانا علامہ خالد محمود مدظلہ
(۱۹) حضرت مولانا محمد اسمٰعیل کٹکی مدظلہ
(۲۰) حضرت مولانا امام علی دانش لکھیم پوریؒ
(۲۱) حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ

صحافی واہل قلم

۱- مولانا سید مناظر احسن گیلانی — ایڈیٹر ماہنامہ القاسم دارالعلوم دیوبند
۲- مولانا منظور احمد نعمانی — ایڈیٹر الفرقان بریلی ولکھنؤ

۳- مولانا سعید احمد اکبر آبادی	ایڈیٹر برہان دہلی
۴- مولانا احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی	آپکی ادارت میں دسیوں رسائل جاری ہوئے
۵- مولانا مظہر الدین بجنوری	روزنامہ الامان دہلی
۶- مولانا شائق عثمانی	عصر جدید کلکتہ
۷- مولانا عامر عثمانی	ماہنامہ تجلی، دیوبند
۸- مولانا قاضی زید العابدین میرٹھی	الحرم میرٹھ
۹- مولانا حبیب الرحمٰن بجنوری	منصور اور الخلیل ہفتہ وار
۱۰- مولانا عبدالوحید صدیقی	نئی دنیا
۱۱- مولانا ازہر شاہ قیصر	ماہنامہ دارالعلوم دیوبند (سابق ایڈیٹر)
۱۲- مولانا حامد الانصاری غازی	مدینہ بجنور، اور جمہوریت دہلی
۱۳- مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ	البلاغ کراچی
۱۴- مولانا سمیع الحق مدظلہ	الحق اکوڑہ خٹک
۱۵- مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی	بینات، بنوری ٹاؤن کراچی
۱۶- مولانا عبدالعلی	البدر کاکوری
۱۷- مولانا محمد صادق علی بستوی	نقوش حیات، بستی
۱۸- مولانا اسیر ادروی	ترجمان اسلام بنارس، سہ ماہی
۱۹- مولانا اعجاز احمد اعظمی	المآثر، مئو، سہ ماہی
۲۰- مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری	ندائے شاہی مرادآباد
۲۱- مولانا نور الحسن راشد	احوال وآثار سہ ماہی مفتی الٰہی بخش اکاڈمی کاندھلہ
۲۲- مولانا محمد ہاشم القاسمی	الفیصل حیدرآباد
۲۳- مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	بحث ونظر پٹنہ، سہ ماہی
۲۴- مولانا رضوان القاسمی	صفا، جامعہ سبیل السلام حیدرآباد
۲۵- حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی	ماہنامہ دارالعلوم دیوبند
۲۶- مولانا کفیل احمد کیرانوی	آئینہ دارالعلوم دیوبند (پندرہ روزہ)
۲۷- مولانا نور عالم امینی	الداعی (عربی)
۲۸- مولانا محمد سالم جامعی فاضل دیوبند	ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی

علماء دیوبند اور علم القرآن
ایک سرسری جائزہ

شمار	زبان	اسمائے کتب	اسمائے مصنّفین	کیفیت
۱	اردو	موضح فرقان مع تفسیری فوائد سورۂ بقرہ ونساء	حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ	یہ ترجمہ طبع زاد نہیں بلکہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ قرآن کا جدید اردو ایڈیشن ہے، حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے الہامی ترجمہ کی تسہیل وتیسیر بجائے خود ایک کارنامہ ہے۔
۲	اردو	تفسیری فوائد	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	سورۂ بقرہ ونساء کے علاوہ پورے قرآن کے یہ تفسیری فوائد مستند ومعتبر تفسیروں کا سلیس و صاف اردو میں خلاصہ ہے جو کوزہ میں دریا سمودینے کا مصداق ہے۔
۳	اردو	ترجمۂ قرآن مع حواشی	حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ	ترجمہ نہایت سلیس ہے حواشی میں ربط آیات اور ضروری وضاحتیں بڑی وقیع ہیں، اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔
۴	اردو	ترجمۂ قرآن مع حواشی	حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	یہ ترجمہ نہایت سلیس اور صاف اردو میں ہے اور اہل علم میں مقبول ہے اس ترجمہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کا ایک ایک حرف حضرت شیخ الہندؒ کی نظر سے گذرا ہے۔
۵	اردو	ترجمہ قرآن	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	یہ ترجمہ سلاست ووضاحت میں اپنی مثال آپ ہے۔
۶	اردو	کشف الرحمٰن ترجمۂ قرآن	حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ	نہایت مقبول ومعتبر ترجمہ ہے ادبی ذوق رکھنے والے بطور خاص اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں

۷	بنگلہ	ترجمۂ قرآن	مولانا محمد طاہر خلیفہ حضرت مدنیؒ	بنگال میں یہ ترجمہ بہت مقبول ہے۔
۸	آسامی	ترجمۂ قرآن	مولانا عبدالحق آسامی خلیفہ حضرت مدنی	
۹	اردو	بیان القرآن	حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ	یہ تفسیر بے پناہ ظاہری ومعنوی خوبیوں کی حامل ہے اور اہلِ نظر علماء اسے اہم عربی تفسیروں کے درجہ میں شمار کرتے ہیں
۱۰	اردو	معارف القرآن ۸ جلدوں میں	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی	قرآنی مسائل ومعارف کا بیش بہا خزانہ اور عام فہم فصیح اردو میں ہے اب تک اس کے دسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں
۱۱	اردو	معارف القرآن	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی	اس تفسیر میں مؤلف نے حقائق ومعارف کے بیش بہا جواہرات جمع کر دیئے ہیں، سورۂ حجر تک مولانا موصوف کے قلم سے ہے اور بقیہ حصہ کی تفسیر انکے خلف رشید مولانا محمد مالک کاندھلوی نے تحریر کی ہے۔
۱۲	اردو	جواہر القرآن دو جلد	شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں	نہایت عمدہ اور بیش بہا علمی فوائد پر مشتمل ہے، خاص طور پر اپنے استاذ غلام حسین علی تلمیذ حضرت گنگوہی کے افادات کو موصوف نے اس تفسیر میں بڑی خوبی سے جمع کر دیا ہے۔
۱۳	اردو	بلغۃ الحیران فی تفسیر قرآن	شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں	یہ تفسیر بھی مولانا علامہ حسین علی کے فرمودات و افادات کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے۔
۱۴	اردو	تفسیر القرآن	مولانا قاضی شمس الدین صاحب سابق استاذ دارالعلوم دیوبند	اس تفسیر کے بعض اجزاء تسلیم کمپنی پاکستان نے شائع کئے تھے پتہ نہیں مکمل شائع ہوئی یا نہیں
۱۵	عربی	مشکلات القرآن	محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ	نام سے اس کا موضوع ظاہر ہے یعنی اس میں قرآنی مشکلات ومبہمات کا حل موجود ہے اہلِ علم کیلئے اس کا مطالعہ ضروری ہے
۱۶	عربی	احکام القرآن	مولانا مفتی محمد شفیع مولانا محمد ادریس کاندھلوی مولانا ظفر احمد تھانوی اور مولانا محمد جمیل تھانوی	آیات احکام کی فقہی تفسیر ہے، اور اپنے موضوع پر اہم ترین خدمت ہے متعدد ضخیم جلدوں میں ادارۃ القرآن کراچی سے شائع ہو چکی ہیں۔

۱۷	پشتو	انوارالقرآن	مولاناسیدانوارالحق کاکاخیل فاضل دیوبند	
۱۸	پشتو	انکشاف القرآن	مولانامحمدادریس طوروی فاضل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل	
۱۹	افغانی	تیسیر القرآن	مولانامحمدطاہرمروانی عبدالرحمٰن امروہوی	ترجمہ وتفسیرغیرمطبوعہ
۲۰	عربی	حاشیہ تفسیر بیضاوی	مفسرقرآن مولانا عبدالرحمٰن امروہوی	
۲۱	اردو	حاشیہ تفسیرجلالین مع ترجمہ	حضرت مولانامفتی عزیزالرحمٰن عثمانی	جلالین کا یہ ترجمہ دیوبند سے قرآن کے حاشیہ پر چھپا تھا
۲۲	اردو	ترجمہ تفسیرخازن	// // //	
۲۳	عربی	منحۃ الجلیل خلاصہ معالم التنزیل	// // //	یہ خلاصہ لامع النور پریس آگرہ سے چھپا تھا اب بالکل نایاب ہے۔
۲۴	اردو	ترجمہ تفسیرابن کثیر	مولاناانظرشاہ کشمیری صاحب	
۲۵	اردو	ترجمہ تفسیرمدارک التنزیل	// // //	
۲۶	اردو	ترجمہ تفسیرجلالین	مولانامحمدنعیم دیوبندی صاحب	
۲۷	ہندی	ترجمہ حضرت شیخ الہند مع فوائدعثمانی	مولاناسیدارشدمدنی صاحب بشرکت ماسٹرمحمدسلیمان	ہندی زبان میں ترجمہ کے ساتھ تفسیری تشریحات کی یہ اولین خدمت ہے جو بحمداللہ علمائے دیوبند کے حصہ میں آئی، جمعیۃ علماء نے عمدہ کاغذ و طباعت سے مزین کرکے شائع کیا ہے۔
۲۸	اردو	ترجمہ وتفسیر	مولاناحبیب احمدکیرانوی	اس تفسیرکوحرفاً حرفاً حضرت تھانوی نے پڑھا ہے اوربعض مقامات کی اصلاح بھی فرمائی ہے۔
۲۹	پشتو	ترجمہ وتفسیر	مولانافضل ودود، مولاناگل رحیم فاضل دیوبند	نصف نصف قرآن کی تفسیر دونوں حضرات نے کی ہے،خازن،معالم التنزیل،جمل اورروح البیان وغیرہ کوسامنے رکھ کریہ تفسیرمرتب کی گئی ہے۔
۳۰	اردو	البیان فی علوم القرآن مع ترجمہ قرآن	مولاناسیدممتازعلی دیوبندی بانی دارالاشاعت لاہور	موصوف نے قرآن مجید کا ترجمہ اورعلوم قرآن کی مکمل فہرست بڑی محنت وکاوش سے اس میں جمع کردی ہے یہ قرآنی انڈکس ۱۹۴۹ء میں گیانی پریس لاہور سے شائع ہوا تھا۔

۳۱	اردو	تفسیر تعلیم القرآن	مولانا قاضی زاہد الحسینی فاضل دیوبند	
۳۲	اردو	درس قرآن مجید	// // //	
۳۳	اردو	معالم التنزیل	مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی	تیس جلدوں پر مشتمل یہ ضخیم تفسیر درحقیقت تمام مستند ومعتبر قدیم وجدید تفسیروں کا خلاصہ ہے۔
۳۴	اردو	الہام الرحمٰن	حضرت مولانا عبید اللہ سندھی	تدوین وتہذیب مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی
۳۵	اردو	تفسیر سورۂ فاتحہ	// // //	یہ جملہ تفاسیر دراصل مولانا سندھی مرحوم کے درسی افادات ہیں جنھیں بعد میں ان کے تلمیذ مولوی بشیر احمد لدھیانوی نے جمع ومرتب کر کے شائع کیا ہے، اس مجموعہ تفاسیر میں بعض باتیں قابل گرفت ہیں جس کی ذمہ داری مرتب پر ہی آتی ہے، مولانا سندھی اپنی تشریحات میں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس اسرارہما کی تحقیقات سے باہر نہیں نکلتے، جیسا کہ ان کی خودنوشت تالیفات شاہد ہیں۔
۳۶	//	تفسیر سورۂ قتال	// // //	
۳۷	//	تفسیر سورۂ فتح	// // //	
۳۸	//	تفسیر سورۂ مزمل ومدثر	// // //	
۳۹	//	تفسیر سورۂ والعصر	// // //	
۴۰	//	تفسیر سورۂ اخلاص	// // //	
۴۱	//	تفسیر سورۂ معوذتین	// // //	
۴۲	//	المقام المحمود تفسیر سورۂ عم	// // //	
۴۳	//	المقام المحمود تفسیر سورۂ بقرہ	// // //	
۴۴	اردو	درس قرآن کی سات مجلسیں	حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	مراد آباد جیل میں حضرت شیخ مدنیؒ کے درس قرآن کا مجموعہ ہے جو اگرچہ سورۂ فاتحہ سے متعلق ہے پھر بھی علمی لطائف، رموز قرآن اور اسرار وحکم کا ایک خزینہ ہے جسے حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے جمع ومرتب فرمایا ہے۔
۴۵	سندھی	تفسیر القرآن	مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب	
۴۶	اردو	دروس سورۃ الفاتحہ	حضرت مولانا شمس الحق افغانی	یہ حضرت مولانا افغانی کے درسی افادات کا مجموعہ ہے جنھیں ان کے تلمیذ مولانا علی اصغر عباسی نے مرتب کر کے شائع کیا ہے، دروس کا یہ مجموعہ علمی نکات کا ایک بیش قیمت ذخیرہ ہے۔
۴۷	عربی	یتیمۃ البیان	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب محدث بنوری	یہ مشکلات القرآن از محدث کشمیری کا مبسوط بلند پایہ مقدمہ ہے جو بجائے خود ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے، الگ سے کتابی شکل میں اور مشکلات القرآن کے ساتھ متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

نمبر	زبان	نام کتاب	مصنف	تبصرہ
۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲	عربی اردو // // //	سبق الکلیات فی نسق الآیات احسن الاثاث فی النظر الثانی اصلاح ترجمہ دہلویہ اصلاح ترجمہ حیرت التقصیر فی التفسیر	حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ	پہلا رسالہ ربط آیات و سور سے متعلق ہے اور بقیہ سارے تفسیر و ترجمہ سے
۵۳	عربی	سمط الدرر فی ربط الآیات والسور	مولانا طاہر مردانی	موضوع نام سے ظاہر ہے یہ کتاب اہل علم میں مقبول ہے اب تک اس کے چار ایڈیشن سے زائد نکل چکے ہیں۔
۵۴	اردو	علوم القرآن	حضرت مولانا شمس الدین افغانی	علوم قرآن پر بڑی معلومات افزا کتاب ہے اور اہل علم میں معروف و مقبول ہے۔
۵۵	اردو	علوم القرآن	مولانا محمد تقی عثمانی	علوم قرآن میں مشہور عربی کتاب مناہل العرفان کا عطر اس کتاب میں نچوڑ لیا گیا ہے۔
۵۶	اردو	معارف القرآن	مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب	علوم قرآن میں جامع و مفید کتاب ہے، اب تک کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔
۵۷	اردو	منازل العرفان فی علوم القرآن	مولانا محمد مالک کاندھلوی	اپنے موضوع پر نہایت جامع و ضخیم کتاب ہے حضرت شاہ ولی اللہ کی مشہور تالیف الفوز الکبیر کا خلاصہ بھی اس میں درج کر دیا گیا ہے۔
۵۸	عربی	العون الکبیر شرح الفوز الکبیر	مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری استاذ دار العلوم دیوبند	الفوز الکبیر کے حل کیلئے یہ شرح نہایت کارآمد اور علماء و طلبہ میں مقبول ہے۔
۵۹	اردو	تاریخ القرآن	مولانا عبد الصمد صارم فاضل دیوبند	تاریخ قرآن پر نہایت مستند اور معیاری کتاب ہے مصر و شام کے علماء نے بھی اسے وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے یورپ کے مصنّفین اس کا حوالہ دیتے ہیں
۶۰	اردو	البرہان فی اصول القرآن	مولانا محمد طاہر مردانی	مخطوطہ
۶۱	اردو	تفسیر ہدایت القرآن	مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری، استاذ دار العلوم دیوبند	موصوف اپنے دیگر علمی مشاغل کی وجہ سے چند پاروں سے زائد کی تفسیر اب تک نہیں کر سکے ہیں۔
۶۲	اردو	تفسیری اشارات	العبد الضعیف حبیب الرحمٰن قاسمی خادم التدریس دار العلوم دیوبند	تفسیر سورۂ بقرہ جس میں سورۃ کے عمود اور آیات کے مابین ربط کو ایک خاص انداز سے بیان کیا گیا ہے یہ تفسیر قسط وار ماہنامہ دار العلوم دیوبند اور ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔

۶۳	اردو	قصص القرآن ۴ جلد	حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی	آیات تاریخیہ کی محققانہ تفسیر وتشریح اپنے موضوع پر یہ کتاب نہایت بلند پایہ اور وقیع ہے اور اہل علم میں مقبول ومتداول ہے۔
۶۴	//	نیل السائرین فی طبقات المفسرین	مولانا محمد طاہر مردانی	اپنے موضوع پر نہایت مفید ہے۔
۶۵	//	تذکرۃ المفسرین ۲ جلد	مولانا قاضی زاہد الحسینی	مفسرین کے تذکرہ میں ایک عمدہ کتاب ہے تقریباً سات سو مفسرین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
۶۶	//	قاموس القرآن	مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی	قرآن کے لغت میں ایک بہتر کتاب ہے اور علماء وطلبہ میں متداول ہے۔
۶۷	//	لغات القرآن	مولانا قاضی زاہد الحسینی	نام سے موضوع ظاہر ہے۔
۶۸	//	لغات القرآن ۷ جلدوں میں	مولانا عبدالرشید نعمانی ومولانا سید عبدالدائم جلالی	اپنے موضوع پر نہایت جامع اور تحقیقی کتاب ہے
۶۹	//	جنۃ النعیم فی استخراج لغات القرآن الکریم	مولانا اسد اللہ سندھی فاضل دیوبند	
۷۰	//	اعجاز القرآن	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی	اس رسالہ میں قرآن کے اعجاز سے متعلق بڑی فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔
۷۱	//	مقدمۃ القرآن	حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند	یہ رسالہ الگ سے اور بعض تفسیروں کے ساتھ شائع ہو چکا ہے اس میں قرآنی حقائق واسرار پر ایک خاص انداز سے گفتگو کی گئی ہے۔
۷۲ ۷۳	اردو //	محاسن موضح القرآن مستند موضح القرآن	مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی	
۷۴	اردو	درس تفسیر قرآن	مولانا علامہ حسین علی پنجابی تلمیذ حضرت گنگوہی	مولانا موصوف کے درسی افادات ہیں جنھیں ان کے بعض تلامذہ نے جمع کر دیا ہے۔
۷۵	عربی	حاشیہ تفسیر مدارک	مولانا عبدالقادر بھوپالی فاضل دیوبند	صرف سورۂ بقرہ کا حاشیہ ہے اور بہت خوب ہے
۷۶		اسرار قرآنی	حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ	معوذتین کی تفسیر میں یہ رسالہ عجیب وغریب معلومات اور اسرار ورموز پر مشتمل ہے۔

۷۷		تفسیر رشیدی	حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	اس مجموعہ تفسیر کو مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری نے حضرت گنگوہی کی تصانیف سے اخذ کر کے جمع کیا ہے۔
۷۸	اردو	الحاوی شرح بیضاوی سورۂ بقرہ	مولانا فخر الحسن مراد آبادی	یہ مولانا موصوف کے درسی افادات پر مشتمل ہے جسے مولانا شکیل احمد سیتاپوری نے بوقت درس تحریر کر لیا تھا۔

نوٹ

علمائے دیوبند نے تفسیر قرآن، شرح حدیث، اصول فقہ، فقہ حنفی، توحید وعقائد، سیرت وآداب، تاریخ وتراجم، اخلاق وتصوف اور دیگر علوم وفنون، نیز فرق باطلہ، آریہ سماجی تحریک، عیسائیت، دہریت، قادیانیت، رافضیت کے رد اور دین متین کی حفاظت میں جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان کی تعداد ایک محتاط اندازہ کے مطابق ایک لاکھ سے کم نہ ہوگی، صرف ایک مصنف حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی تصنیفات پانچ سو سے زائد ہیں، یہ فہرست تو صرف ایک موضوع پر نمونہ از خروارے کا مصداق ہے، اور بغیر کسی خاص اہتمام کے سرسری طور پر تیار کی گئی ہے۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

یہ ہے دارالعلوم دیوبند کا اجمالی تعارف، اس کا مسلک، مسائل اجتہادیہ میں اس کی ترجیحات، اور تحفظ دین، واحیاء سنت، قرآن وحدیث، فقہ اسلامی، اور دیگر علوم دینیہ کی نشر واشاعت، نیز قوم وملت کی آزادی، ورہنمائی کے سلسلے میں اس کی خدمات کا مختصر جائزہ

این سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

وآخردعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

(**نوٹ**) علم حدیث میں علمائے دیوبند کی خدمات کے لئے راقم کی کتاب ''علمائے دیوبند اور علم حدیث'' کا مطالعہ کیا جائے۔

☆ ☆ ☆

فرزندان دارالعلوم دیوبند کی فقہی تصنیفی خدمات

دارالعلوم دیوبند کی عظیم خدمات

دارالعلوم دیوبند برصغیر ایشیا کی وہ عظیم تعلیمی تحریک ہے جس نے مغرب سے آئے ہوئے الحاد اور بے دینی کے طوفان کا رخ موڑ دیا اور برصغیر میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے ساتھ ملک میں انقلابی تحریک میں بھی بنیادی اور مؤثر رول ادا کیا۔

دارالعلوم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ علماء، مجاہدین اور رجال کار کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس نے سخت سے سخت تر حالات میں بھی نہ صرف یہ کہ قوم وملت کی خدمت وحفاظت کی بلکہ دنیا میں اس کے وقار کو بلند کیا۔

تعلیم وتدریس، اصلاح وتلقین، تصنیف وتالیف غرضیکہ علم وعمل کا کوئی میدان ایسا نہ ملے گا جو فرزندان دارالعلوم سے خالی ہو۔ دارالعلوم کی اس ہمہ گیر خدمات میں سے ہم اس مضمون میں اس کی فقہی، خدمات کا مختصر جائزہ پیش کر رہے ہیں چوں کہ دارالعلوم کی تفسیری، اصلاحی، ادبی اور سیاسی خدمات پر ماہنامہ الرشید کے دارالعلوم نمبر میں کافی مواد جمع کر دیا گیا ہے نیز دارالعلوم کی حدیثی خدمات پر راقم کی ایک مستقل تصنیف ''علماء دیوبند اور علم حدیث'' کے نام سے دارالعلوم نے اجلاس صد سالہ کے موقع پر شائع کر دی ہے۔ لیکن اس کے فقہی کارناموں پر اب تک مستقلاً کسی صاحب قلم نے کچھ نہیں لکھا ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اس گوشہ کو بھی نمایاں کیا جائے۔ اگر چہ اس مختصر سے مقالہ میں دارالعلوم کی فقہی خدمات کا مکمل تعارف پیش نہیں کیا جا سکتا، مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر یہ مقالہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے اس باب میں ان کی خدمات کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

دارالعلوم نے جہاں باکمال فقہاء اور نکتہ رس مفتیوں کی ایک بڑی جماعت تیار کی وہیں اپنے شعبۂ دارالافتاء سے تقریباً پانچ لاکھ سے زائد فتاویٰ بھی جاری کئے جو بذات خود احکام فقہیہ کا ایک دائرۃ المعارف اور امت کی دینی رہنمائی کے لئے ایک عظیم اور کافی وافی ذخیرہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ ۱۲۷۵-۱۳۴۷ھ

حضرت مفتی صاحب بیک وقت ایک صاحب نظر فقیہ، مستند محدث، متبحر عالم دین اور باکمال شیخ تھے۔ دیوبند کے مشہور عثمانی خانوادہ کے روشن چراغ تھے۔ ۱۲/ برس کی عمر میں حفظ قرآن سے فراغت حاصل کر لی۔ اس کے بعد فارسی اور عربی کی تعلیم شروع کی اور ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم کے نصاب کی تعلیم کو مکمل کر کے فارغ التحصیل ہو گئے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا عبدالعلی جیسے باکمال اساطین علم وفضل ہیں۔

تکمیل کے بعد کچھ عرصہ تک دارالعلوم میں معین مدرس رہے اور ساتھ ہی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ پھر اپنے اساتذہ کے حکم سے مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ میں باقعدہ تدریسی خدمت سنبھال لی۔ ۱۳۰۹ھ میں اکابر دارالعلوم نے نائب مہتمم کی حیثیت سے آپ کو دارالعلوم بلالیا۔ نیابت اہتمام کی یک سالہ خدمت کے بعد آپ کو مفتی و مدرس مقرر کیا گیا اس وقت سے ۱۳۴۶ھ تک مسلسل تدریس کے ساتھ افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے۔ فتویٰ نویسی میں جو کمال ومہارت حضرت مفتی صاحب کو حاصل تھا جماعت دیوبند میں حضرت امام ربانی مولانا گنگوہیؒ اور مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب کے علاوہ کوئی تیسرا اس وصف میں ان کا شریک وسہیم نہیں ہے۔ حضرت مفتی صاحب بڑے بڑے معرکۃ الآرا اور اہم سوالوں کا جواب قلم برداشتہ بلاتکلف تحریر فرمادیا کرتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی زبان نہایت سلیس، عام فہم اور جچی تلی ہوئی ہے ۳۶-۳۷

برس تک آپ نے دارالعلوم میں افتاء کی خدمت انجام دی اس مدت میں شروع کے ۲۱ سال کے ریکارڈ محفوظ نہیں ہیں۔ کیونکہ ۱۳۴۶ھ تک دارالعلوم میں فتاویٰ کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا۔ ذیقعدہ سن مذکور سے نقول فتاویٰ کا عمل شروع ہوا۔ اس وقت سے ۱۳۴۶ھ تک یعنی ۱۵ سال کے محفوظ ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران انھوں نے ۴۲۵۱۹ فتاویٰ تحریر فرمائے۔ آپ کے لکھے ہوئے ان فتووں کو تخریج مصادر اور فقہی ترتیب پر مرتب کر کے ''فتاویٰ دارالعلوم'' کے نام سے منجانب دارالعلوم شائع کیا جارہا ہے۔ اب تک دس جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔ تحشیہ و ترتیب کی خدمت مولانا ظفیر الدین مفتاحی انجام دے رہے ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۴۵ تا ۴۸)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ

حضرت حکیم الامت علماء دیوبند میں جامع کمالات بزرگ ہیں جن کی نظیر اگلی صدیوں کے علماء اسلام میں بھی خال خال ہی نظر آتی ہے وہ ایک عظیم محدث، عظیم فقیہ، عظیم خطیب، عظیم مصلح اور عظیم مصنف تھے۔

حفظ قرآن اور فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں وطن میں حضرت مولانا فتح محمد تھانوی سے پڑھیں۔ ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور چار سال یہاں رہ کر علوم متداولہ کی تکمیل کی۔

تعلیم و تحصیل سے فراغت کے بعد پہلے کچھ دنوں مدرسہ فیض عام کان پور میں بحیثیت صدر مدرس کے تدریسی خدمات انجام دیں پھر یہاں سے الگ ہوکر کان پور ہی کے دوسرے مدرسہ جامع العلوم کی مسند صدارت کو زینت بخشی اور تقریباً ۱۳-۱۴ سال تک یہاں رہ کر تشنگان علوم کو سیراب کیا۔ ۱۳۱۵ھ میں کان پور چھوڑ کر وطن تھانہ بھون چلے آئے اور خانقاہ امدادیہ کو اپنے علمی و اصلاحی منصوبے کا مرکز بنایا اور یہیں سے دعوت و تبلیغ، تزکیۂ نفوس اور تصنیف و تالیف کا وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جس کی مثال صدیوں تک نہیں ملتی۔ حضرت حکیم الامت کی ذات علم و حکمت اور معرفت و طریقت کا ایسا سرچشمہ تھی جس

سے نصف صدی تک برصغیر کے مسلمان سیراب ہوتے رہے۔ دین کا ایسا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کی عظیم خدمات تقریری یا تصنیفی صورت میں موجود نہ ہوں۔ کثرت تصانیف کے لحاظ سے ہندوستانی مصنّفین میں ان کا کوئی جواب نہیں۔ آپ کی جملہ تصانیف کی تعداد ساڑھے نوسو بتائی جاتی ہے۔ اوران کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہندوپاک کے پڑھے لکھے گھرانوں میں مشکل سے کوئی ایسا گھر ملے گا جس میں حضرت تھانوی کی کوئی نہ کوئی تصنیف موجود نہ ہوان میں مندرجہ ذیل کتابیں فقہی مسائل سے متعلق ہیں۔

(۱) بہشتی زیور گیارہ حصہ (۲) فتاویٰ امدادیہ چار حصہ (۳) الحیلۃ الناجزہ (۴) بوادرالنوادر (۵) ترجیح الراجح (۶) تعلیم الدین (۷) تلخیص المنار (۸) اصلاح الرسوم (۹) صفائی معاملات (۱۰) القول الصواب فی الحجاب (۱۱) القول البدیع فی تخصیص المصر للتجمیع (۱۲) الحق الصریح فی التراویح (۱۳) تحفۃ الاخوان (سود کے موضوع پر) (۱۴) رسالہ در بحث سماع وغیرہ۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہاں پوری ۱۲۹۲-۱۳۷۲ھ

حضرت العلامہ، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب اپنے علم وفضل، فہم وتدبر، تقویٰ وطہارت، اخلاق وکرداراور مجاہدانہ کمالات کے اعتبار سے چودہویں صدی کے علماء میں ایک مثالی شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت مفتی اعظم نے ابتدائی تعلیم وطن میں مکمل کرکے مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا عبدالعلی تلمیذ حضرت نانوتویؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آخر میں تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ سے دورہ حدیث پڑھ کر بحسب تصریح صاحبزادہ محترم مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب واصف ۱۳۱۵ھ میں فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد اپنے اولین استاذ مولانا عبیدالحق صاحب کے مدرسہ عین العلم شاہجہانپور میں درس و تدریس اور افتاء کی خدمات انجام دینی شروع کردیں۔ مولانا موصوف کی وفات کے بعد ۱۳۲۱ھ میں مولانا امین الدین صاحب کے اصرار پر مدرسہ

امینیہ دہلی کی مسند صدارت تدریس وافتاء کوسنبھال لیا اور تادم واپسیں اس منصب پر فائز رہے یعنی ۵۵ برس کی طویل مدت تک مدرسہ امینیہ میں علم وفنون کی تعلیم و تدریس کے ساتھ افتاء کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اس مدت میں آپ کے فتویٰ غیر منقسم ہندوستان کے علاوہ جاوا، سماترا، برما، ملایا، چین، بخارا، سمرقند، بلخ، بدخشاں، ختن، تاشقند، سمرقند، ترکستان، افغانستان، ایران، عرب، افریقہ، امریکہ اور انگلستان غرضیکہ جہاں بھی مسلمانوں کا وجود ہے وہاں پہنچے۔ حیرت تو یہ ہے کہ تعلیم وافتاء کی اس عظیم خدمات کے پہلو بہ پہلو سیاسی وملی خدمات، جنگ آزادی میں شرکت اور قید و بند کے مجاہدات کا سلسلہ بھی جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے برابر جاری رہا جس کے ابتدائے قیام سے اپنے آخری ایام تک آپ صدر رہے۔

مفتی صاحب کے فتاویٰ کی ایک اہم خصوصیت جس میں وہ اپنے تمام معاصرین سے منفرد ہیں یہ ہے کہ ان کی عبارت مختصر ہونے کے ساتھ نہایت صاف، واضح اور عام فہم ہوتی ہیں، فقہی تصنیفات (۱) تعلیم الاسلام چار حصہ۔ اس کا ہندی اور انگریزی وغیرہ میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اور ہندوستان کے اکثر مکاتب کے نصاب میں داخل ہے۔ (۲) کفایت المفتی ۹ حصہ۔ یہ مفتی صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جسے ان کے صاحبزادہ مولانا حفیظ الرحمٰن واصف نے اکٹھا اور مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ (تاریخ دارالعلوم ج ۲ ص ۸۰ و دیباچہ کفایت المفتی)

حضرت مولانا سیّد اصغر حسین دیو بندیؒ ۱۲۹۴-۱۳۶۴ھ

حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب علوم دینیہ، حدیث، تفسیر، فقہ، فرائض وغیرہ میں کمال لیاقت کے ساتھ علوم باطنی میں بھی بلند مقام پر فائز تھے ان کی ذات علم وفضل، زہد وتقویٰ اور نیکی و پرہیزگاری کی بنا پر اپنے عہد میں مرجع خلائق تھی۔ آپ نے ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔

تکمیل کے بعد اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی تجویز پر مدرسہ مسجد اٹالہ جون پور میں

بحیثیت صدر مدرس تدریس کا آغاز کیا اور تقریباً سات سال تک تشنگان علوم دینیہ اور مسلمانان جونپور کو اپنے علوم ظاہری و باطنی سے سیراب کیا۔ ۱۳۲۸ھ میں اکابر دارالعلوم کی طلب پر جونپور سے علیحدہ ہوکر دارالعلوم چلے آئے اور ماہنامہ ''القاسم'' کی ادارت کے ساتھ تفسیر، حدیث اور فقہ کے اسباق بھی آپ سے متعلق ہوئے اور زندگی کے آخری لمحہ تک دارالعلوم سے منسلک رہے۔

میاں صاحب نے تعلیم و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف اور ارشاد و تلقین کی راہ سے بھی علمی و دینی خدمات انجام دیں۔ آپ کی متعدد تصانیف میں ذیل کی کتابیں علم فقہ کے موضوع پر ہیں۔ (۱) مفید الوارثین (۲) میراث المسلمین (۳) مسافر آخرت (۴) الجواب المتین باحادیث سید المرسلین (۵) فتاویٰ محمدی مع شرح دیو بندی۔ یہ سب کتابیں مطبوع ہیں (تاریخ دارالعلوم ج ۲، سوانح مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب)

حضرت مولانا اعزاز علی امروہی ۱۳۰۰-۱۳۷۴ھ

حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی دارالعلوم کے ان ممتاز فضلاء میں ہیں جن کی علمی و عملی سرگرمیوں سے خود دارالعلوم کو نہایت دوررس فوائد حاصل ہوئے۔ ہر فن کی کتابوں پر انھیں کامل عبور تھا اور ان کا درس اس طرح دیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہی آپ کا خصوصی فن ہے بالخصوص فقہ اور ادب میں تو آپ کو تبحر کا درجہ حاصل تھا۔ اسی بنا پر حلقۂ دارالعلوم میں آپ کو شیخ الفقہ والادب کے شان دار اور وقیع لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور آج بھی اسی لقب سے مشہور ہیں۔ ۱۳۲۱ھ میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد اپنے استاذ کبیر حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے مدرسہ نعمانیہ بھاگل پور سے اپنی تعلیمی و تدریسی خدمات کا آغاز کیا اور تقریباً سات سال تک اپنے علمی فیوض و برکات سے اس دیار کو مستفید کیا۔ بعد ازاں افضل المدارس کے نام سے شاہجہان پور میں خود ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی، لیکن یہاں ابھی تین ہی سال گزرے تھے کہ اپنے استاذ و اکابر کی طلب پر ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم چلے آئے اور اس انہماک و خلوص سے دارالعلوم کی ہر خدمت

مفوضہ کو انجام دیا کہ ارباب اہتمام سے لے کر طلبہ تک آپ کے مداح وثنا خواں تھے اور آج بھی جب حلقۂ دارالعلوم میں علمی شغف، طلبہ وادارہ کی خیر خواہی اور وقت کی پابندی وغیرہ کا ذکر چھڑتا ہے تو بیساختہ زبانوں پر حضرت شیخ الفقہ والادب کا نام آجاتا ہے۔

آپ کو دارالعلوم میں اپنے کمال اخلاص، ممتاز صلاحیت اور بے پایاں جدوجہد کی بنا پر بڑا فروغ حاصل ہوا اور عمر کے آخری دور میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے بعد انھیں کا مقام ودرجہ تھا چنانچہ حضرت کی غیر موجودگی میں متعدد بار بخاری شریف کا درس آپ ہی سے متعلق ہوا۔

حضرت شیخ الادبؒ نے تدریسی خدمات کے علاوہ شعبۂ دارالافتاء کی صدارت کے بھی فرائض انجام دیئے۔ آپ کے عہد صدارت میں دارالافتاء سے ۲۴۸۵۵ فتاویٰ جاری کئے گئے۔ نیز جب حضرت مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم ریاست حیدرآباد کے مفتی اعظم مقرر ہوئے تو انھوں نے ان کی نیابت کی خدمت بھی انجام دی۔

تصنیفی خدمات: حضرت شیخ الادب نے مستقل تصانیف اور اہم علمی مقالات کے علاوہ فقہ اور ادب کی متعدد کتابوں پر مفید حواشی بھی تحریر کئے جن میں ہمارے موضوع سے متعلق یہ ہیں۔ حاشیہ نورالایضاح فارسی حاشیہ نورالایضاح عربی، حاشیہ کنزالدقائق عربی، حاشیہ شرح نقایہ للملا علی قاری عربی (مقدمہ شرح نفحۃ العرب)

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہجہانپوری ۱۳۰۱-۱۳۹۶ھ

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب فقہ، حدیث اور فن رجال حدیث میں اپنے دور کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا سلسلہ تلمذ اگرچہ براہ راست دارالعلوم سے نہیں ہے کیوں کہ انھوں نے تمام تر تعلیم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے مدرسہ امینیہ دہلی میں حاصل کی ہے۔ لیکن ۱۳۲۸ھ کے جلسۂ دستار بندی میں دارالعلوم نے انھیں دستار فضیلت عطا کر کے اپنے فرزندوں کے زمرہ میں شامل کر لیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے انھیں مدرسہ

اشرفیہ راندیر ضلع سورت بھیج دیا۔ جہاں انھوں نے اپنی زندگی کے اولین چالیس سالہ ایام افتاء اور تدریس وتصنیف میں گزار دیئے۔ اور ۱۳۶۷ھ میں دارالعلوم کی طلب پر اس کے شعبہ دارالافتاء کی مسند صدارت کو سنبھالا اور بیس سال تک اس عظیم ذمہ داری کو بصد حسن و خوبی انجام دیا۔ ۱۳۸۷ھ میں اپنی مسلسل طویل علالت کی بنا پر اس خدمت سے سبکدوش ہوگئے۔ آپ کے زمانہ صدارت میں دارالافتاء سے ۵۳۲۴۷ فتاویٰ جاری ہوئے۔ مفتی صاحب ایک ماہر مفتی، صاحب نظر فقیہہ ہونے کے ساتھ زبردست محدث ومصنف بھی تھے۔ آپ کی مشہور تصنیف ''قلائد الازہار شرح کتاب الآثار للامام محمد الشیبانی'' اس کی شاہد عدل ہے۔ فقہی تصنیفی خدمات: تقریباً پون لاکھ فتاویٰ کے علاوہ آپ نے علم فقہ میں اہم کتابیں اور حواشی بھی تحریر کئے جن میں بعض یہ ہیں: (۱) تصحیح وتعلیق کتاب الحجہ امام محمد۔ مفتی صاحب کی فقہی خدمات کا یہ ایسا عظیم شاہکار ہے، جسے قدماء کی کتابوں کے مقابلہ میں بلا جھجک رکھا جاسکتا ہے۔ اس عظیم کتاب کی تحقیق وتعلیق پر آپ نے اپنی زندگی کے بیس سال صرف کئے۔ (۲) التطہیر فی نجاسۃ البیر (۳) اقامۃ القیامہ (مسئلہ طلاق ثلثہ) (۴) البرہان فی اشتراد السلطان (۵) رفع الارتیاب (۶) التحقیق النام (۷) اظہار الصواب (مسئلہ قرأۃ فاتحہ) (۸) النار اللامعہ فی حدیث لا جمعہ وغیرہ (روزنامہ الجمعیۃ دہلی ماہ)

مولانا عبدالحق نافع پشاوری ۱۳۱۳-۱۳۹۳ھ

حضرت مولانا عبدالحق نافع صاحب زیارت کا کا صاحب نوشہرہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ موقوف علیہ تک کی تحصیل اپنے علاقہ کے علماء سے کی، تکمیل کے لئے دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ حضرت محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر فارغ التحصیل ہوئے۔

تکمیل کے بعد کچھ دنوں نوا کھالی بنگال میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم کے درجہ علیا کے استاذ مقرر ہوئے اور پندرہ برس تک نہایت حسن وخوبی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دیا۔ تقسیم ہند کے وقت دارالعلوم سے مستعفی ہوکر وطن چلے

آئے یہاں بھی تعلیمی وتدریسی مشغلہ قائم رہااور مظہرالعلوم کھنڈہ کراچی، دارالعلوم چارسدہ پشاور اور جامعہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی میں بحیثیت شیخ الحدیث حدیث وتفسیراور فقہ کی خدمات انجام دیں۔آپ کے فتاویٰ ''ایضاح الفتاویٰ'' کے نام سے شائع ہوچکے ہیں اور علمی حلقہ میں مقبول ہیں۔ (ماہنامہ الرشید ساہیوال، دارالعلوم نمبرص ۴۱۵)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ ۱۳۱۴-۱۳۹۶ھ

صفوۃ العلماء، مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ صحیح معنی میں اکابر دیوبند کے مزاج ومذاق کے امین اوران کی علمی، روحانی واخلاقی اقدار کے نگہبان تھے۔مفتی صاحب دورحاضر کی ان بلند شخصیتوں میں سے ایک تھے جن کی زندگی علم دین اور فقہ اسلامی کی نشر واشاعت میں بسر ہوئی۔مفتی صاحب نے ازاول تا آخر مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی اور ۱۳۳۶ھ میں فارغ ہوکر ۱۳۳۷ھ سے دارالعلوم میں تدریسی کام شروع کردیا اوراپنی خداداد صلاحیت اور علمی استعداد ولیاقت کی بناپر بہت جلد طبقۂ علیا کے درجہ میں پہنچ گئے۔آپ کو فقہ، تفسیر اورادب سے خصوصی مناسبت تھی۔۱۳۵۰ھ میں تدریس کے ساتھ دارالافتاء کی صدارت بھی آپ سے متعلق ہوگئی اور درمیان میں مختصر وقفہ کے ساتھ ۱۳۶۱ھ تک بعافیت حسن وخوبی اس عظیم ذمہ داری کو انجام دیتے رہے۔آپ کے عہد صدارت میں تقریباً ۲۶۰۸۲ فتاویٰ جاری ہوئے۔۱۳۶۷ھ میں ہندوستان سے ترک وطن کرکے پاکستان چلے گئے۔قیام پاکستان کے زمانہ میں برابر علمی واصلاحی خدمات انجام دیتے رہے،لیکن اس دور کا سب سے اہم ترین کارنامہ جسے علمی دنیامیں ہمیشہ یادرکھا جائے گا ''دارالعلوم کراچی'' کا قیام ہے جو دارالعلوم دیوبند کے بعد برصغیر ایشیا کا سب سے اہم علمی ودینی ادارہ ہے۔مفتی صاحب کا پاکستان کو یہ عظیم عطیہ ہے جس کے احسان سے اہل پاکستان کبھی عہدہ برآنہیں ہوسکتے۔

فتویٰ نویسی کی عظیم ذمہ داری جو آپ کی اب تک کی زندگی کا جزو بنی ہوئی تھی پاکستان کے زمانۂ قیام میں اور ہمہ گیر ہوگئی۔دنیا بھر کے ممالک سے فقہی سوالات کا تانتا

بندھا رہتا تھا۔ دارالعلوم کراچی میں جن فتاویٰ کی نقول محفوظ ہیں ان کی تعداد ۴۰۹۵۸ ہے۔ اس طرح ہندو پاک کے مجموعی فتاویٰ کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ تحریر فتاویٰ کا یہ وہ حیرت انگیز تعداد ہے جس کی مثال شاید پوری ملت اسلامیہ میں نہ مل سکے گی۔ فتاویٰ کی اس کثیر تعداد کے علاوہ جو بذات خود ایک بے مثال فقہی کارنامہ ہے مفتی صاحب نے حدیث، تفسیر، فقہ، کلام، تاریخ وسیر اور فرق باطلہ وغیرہ موضوعات پر ۱۶۲ کتابیں اور رسالے بھی تالیف کئے جن میں پچانوے صرف فقہی ابواب پر ہیں، مثلاً: فتاویٰ دارالعلوم (امداد المفتیین چار جلد) (۲) اسلام کا نظام آراضی (۳) آلات جدیدہ کے شرعی احکام (۴) بیمۂ زندگی (۵) مسئلہ سود (۶) آداب المساجد (۷) رفیق سفر (سفر سے متعلق احکام) (۸) شب برأت (۹) تصویر کے احکام (۱۰) نکاح وطلاق، اعضاء انسان کی پیوندکاری (۱۱) پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود (۱۲) ضبط ولادت کی شرعی حیثیت (۱۳) احکام حج (۱۴) قرآن میں زکوٰۃ کا نظام (۱۵) احکام دعاء (۱۶) جواہر الفقہ دو حصہ وغیرہ۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی کا مفتی اعظم نمبر)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ۱۳۱۵ھ

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنے علم وفضل، ذہانت وذکاوت، وعظ وخطابت اور زہد وللّٰہیت کے لحاظ سے اپنے معاصرین میں بلند مقام ومرتبہ کے مالک ہیں۔ آپ نے سات برس کی عمر میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۷ھ میں جملہ علوم وفنون کی تحصیل کرکے سند فراغت حاصل کی۔ حضرت محدث کشمیری آپ کے استاذ خاص ہیں۔

تکمیل کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۳۴۷ھ میں نائب مہتمم ہوئے اور وسط ۱۳۴۸ھ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کی رحلت کے بعد مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے اور اب تک بحمداللہ اس عظیم ذمہ داری کو انجام دے رہے ہیں۔ دارالعلوم کو آپ کے حسن انتظام اور تنظیمی صلاحیت سے بیش از بیش فائدہ پہنچا۔

دارالعلوم کے انتظامی امور کے علاوہ جن چیزوں سے آپ کو طبعی مناسبت اور دل چسپی ہے وہ تصنیف وتالیف اور دعوت وتبلیغ ہے۔ اس وقت آپ برصغیر کے خطیبوں اور واعظوں میں امتیازی شان رکھتے ہیں آپ کی تقریر اسلامی حلقوں کے علاوہ جدید طبقہ میں بھی نہایت پسند کی جاتی ہیں۔ تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی انتظامی معاملات سے فراغت کے اوقات میں جاری رہتا ہے۔ اب تک کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد سو (۱۰۰) کے قریب ہے جو مختلف اسلامی موضوعات پر ہیں جن میں یہ کتابیں علم فقہ سے متعلق ہیں۔

(۱) شرعی پردہ (۲) داڑھی کی شرعی حیثیت (۳) المتشبہ فی الاسلام۔

ان گوناگوں مصروفیتوں کے ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ آپ کے مریدین کا حلقہ کافی وسیع ہے جو ہندو بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ج۲ص ۱۳۳ تا ۱۳۵)

حضرت مولانا سیّد بدر عالم میرٹھی ۱۳۱۶-۱۳۸۵ھ

حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی اپنے علمی کمالات ومحاسن کے لحاظ سے اہم ترین علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا میرٹھی نے اولاً میٹرک تک عصری تعلیم حاصل کی بعدازاں مظاہر علوم سہارنپور میں درس نظامی کی تحصیل وتکمیل کی اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری سے دورہ حدیث پڑھ کر سند واجازت حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مظاہر علوم میں دو سال تدریسی خدمات انجام دیں پھر مزید حصول علم کی غرض سے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور حضرت محدث کشمیری کے حلقہ درس میں شامل ہوکر دوبارہ دورۂ حدیث پڑھا۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد ۱۳۴۰ھ میں وہیں مدرس ہوگئے اور وسط ۱۳۴۶ھ میں حضرت محدث کشمیری کے ہمراہ دارالعلوم سے الگ ہوکر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے جہاں سترہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ یہاں کے بعد ایک سال مدرسہ جامع العلوم بھاولنگر میں رہے۔ جامع العلوم سے علیحدگی کے بعد ندوۃ المصنّفین دہلی سے وابستہ ہوگئے، لیکن تقسیم ہند کے آگ وخون کے طوفان میں جب ندوۃ المصنّفین تباہ ہوگیا تو

یہاں سے دل برداشتہ ہوکر پاکستان چلے گئے۔ پاکستان میں ایک درس گاہ قائم کر کے اپنے تعلیمی وتدریسی ذوق کو پورا کرتے رہے آخر میں پاکستان سے بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے تھے۔

مولانا میرٹھی نے علم حدیث میں بڑی گراں قدر تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کے علاوہ فقہ میں بھی یہ دو کتابیں آپ کے آثار علمیہ میں سے ہیں۔ مستناد الحضير حاشيه زادالفقير الشيخ ابن همام حنفیؒ، خلاصة المناسك تلخيص زبدة المناسك للشيخ گنگوهیؒ (علمائے دیوبند اور علم حدیث)

مولانا سید شمس الدین افغانی ۱۳۱۸ھ

حضرت مولانا سید شمس الدین افغانی پاکستان کے چند نامور محققین علماء میں سے ایک ہیں۔ آپ گیارہ برس تک ریاست ہائے متحدہ بلوچستان، قلات، فاران، مکران اور لس بیلہ کے وزیر تعلیم رہ چکے ہیں۔

مولانا افغانی نے اپنے والد ماجد مولانا سید غلام حیدر اور سرحد وافغانستان کے دیگر متعدد علماء سے فنون کی تحصیل کر کے دارالعلوم دیوبند کا علمی سفر کیا اور حضرت محدث کشمیری کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر ۱۳۳۹ھ میں دورۂ حدیث کی تحصیل وتکمیل کی۔ حدیث کے علاوہ طب کی تعلیم بھی انھوں نے دارالعلوم میں حاصل کی بعد ازاں ایک سال تک بطور خود اساتذۂ دارالعلوم کی رہنمائی میں مختلف علوم کے مطالعہ میں مصروف رہے۔

مولانا افغانی نے بھی اپنے اساتذہ و بزرگوں کی طرح درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بنایا اور نصف صدی سے زائد مدت تک مختلف مدارس میں فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس دیا۔ تین سال تک دارالعلوم دیوبند میں بھی شیخ التفسیر رہے۔ ۱۳۷۲ھ سے تدریسی سلسلہ کو موقوف کر کے تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں اور اب تک دو درجن کے قریب کتابیں تصنیف کر چکے ہیں جن میں (۱) معین القضاۃ والمفتی عربی (۲) اور شرعی ضابطہ دیوانی اردو فقہ سے متعلق ہیں۔ (ماہنامہ الرشید ساہیوال کا دارالعلوم نمبر)

حضرت مولانا عبدالرحیم کیمبلپوری ۱۳۸۶ھ

مولانا عبدالرحیم صاحب پنجاب میں کیمبل پور کے رہنے والے تھے۔ابتدائی تعلیم وطن ہی میں پائی پھر مظاہر علوم سہارنپور میں زیرِ تعلیم رہے آخر میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۳ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند و اجازت حاصل کی۔آپ حضرت شیخ الہندؒ کے آخری تلامذہ میں سے تھے جملہ علوم متداولہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے بالخصوص فقہ اور حدیث میں آپ کی نظر بڑی وسیع تھی،ساتھ ہی زہد و تقوی،تواضع اور سادگی میں بھی منفرد تھے۔فراغت تعلیم کے بعد مظاہر علوم میں مدرس مقرر ہوئے اور بڑی نیک نامی کے ساتھ فرائض تدریس کو انجام دیا۔۱۳۴۴ھ میں جب حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نے مدینہ منورہ کا قصد فرمایا تو مولانا کیمبل پوری ہی کو اپنی جگہ صدارت تدریس کے لئے منتخب فرمایا تھا۔تقسیم ملک کے وقت وطن گئے تو پھر واپس نہ آسکے۔پاکستان میں بھی ٹنڈ والہ یار، ملتان اور اکوڑہ خٹک وغیرہ کی بڑی بڑی درس گاہوں میں شیخ الحدیث رہے۔

مولانا مرحوم نے تقریباً نصف صدی تک علوم دینیہ کی تدریسی خدمات انجام دیں۔ ارشاد و سلوک میں بھی خاص مقام رکھتے تھے۔تصنیف و تالیف سے چنداں شغف نہیں تھا پھر بھی ''اسبال الازار'' کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی جو اپنے موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوسکی ہے البتہ اس کا کچھ حصہ ماہنامہ ''نظام کانپور'' میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ج۲ ص۱۲۰ تا ۱۲۲)

مولانا مفتی محمد اسماعیل بسم اللہ سورتی ۱۳۱۶-۹-۱۳۷ھ

مولانا مفتی محمد اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیل ضلع سورت کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے دیار میں حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے،لیکن دوران تعلیم ہی میں بعض اسباب ضروریہ کی بنا پر گھر چلے گئے۔کچھ دنوں کے بعد پھر تعلیمی سلسلہ شروع کیا اور مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے حلقۂ درس میں شامل

ہوکر درسی کتابوں کی تحصیل کے ساتھ فتویٰ نویسی کی مشق بھی کی۔ ۱۳۳۲ھ میں دوبارہ پھر دارالعلوم میں داخلہ لیا اور حضرت محدث کشمیری وغیرہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں اپنے وطن ہی میں پڑھایا، پھر جوہانس برگ (افریقہ) چلے گئے۔ مگر وہاں زیادہ عرصہ تک قیام نہ رہ سکا اور جلد ہی واپس لوٹ آئے اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مدرس ہوگئے ۱۳۵۳ھ میں برما میں مفتی مقرر ہوئے۔ وہاں فتویٰ نویسی کے ساتھ مولانا احمد اشرف کی معیت میں جمعیۃ علماء برما کی بنیاد رکھی اور کئی مدرسے مختلف مقامات میں قائم کئے ۱۳۵۹ھ میں برما سے واپس آکر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تعلیمی امور کے نگراں منتخب ہوئے پھر جلد ہی مہتمم مقرر ہوگئے۔

گجرات میں مفتی صاحب کی ذات مرجع خلائق تھی۔ وہاں کے نہ صرف عوام بلکہ علماء کی جماعت میں بھی ان کے فتاویٰ اہمیت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ تقریباً ۳۳ سال تک گجرات کے ہفت روزہ اخبار ''مسلم گجرات'' میں آپ کے فتاویٰ شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان فتاویٰ کی تین جلدیں گجراتی زبان میں شائع ہوچکی ہیں۔ کل فتاویٰ کی تعداد ۳۵ ہزار بتائی جاتی ہے۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۳۱، ۱۳۲)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی ۱۳۱۹ھ

محدث جلیل، فقیہ نبیل مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب ہندوستان کی ان نادرہ روزگار ہستیوں میں سے ہیں جن پر ہندوستان کو بجا طور پر فخر ہے۔ اس وقت حدیث، رجال حدیث، اور متعلقات حدیث میں آپ کے امتیاز کو ہندوپاک کے علاوہ بلاد اسلامیہ کے علماء محققین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مولانا اعظمی نے مشکوٰۃ تک کی تعلیم اپنے قصبہ ہی کے اساتذہ سے حاصل کی جن میں مولانا ابوالحسن صاحب اور مولانا عبدالغفار صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ دورہ حدیث کی تحصیل کے لئے ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچے مگر درمیان سال ہی میں بیمار ہوکر گھر چلے آئے۔ ۱۳۳۸ھ میں دوبارہ پھر دارالعلوم میں حاضر ہوئے اور محدث کشمیری کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر ترمذی شریف کا معتدبہ

حصہ پڑھا مگراس بار بھی سال تمام ہونے سے پہلے علالت کی وجہ سے گھر لوٹ آئے اور صحت یابی کے بعد قصبہ کی مشہور درسگاہ ''دارالعلوم مئو'' میں مولانا کریم بخش سنبھلی متوفی ۱۳۶۱ھ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ تکمیل کے بعد دارالعلوم مئو ہی میں مدرس ہو گئے پھر دارالعلوم سے الگ ہوکر ۱۳۴۳ھ میں مظہرالعلوم بنارس میں صدارت تدریس پر فائز ہوئے۔ بعدازاں اپنے قصبہ کے ایک قدیم مدرسہ ''مفتاح العلوم مئو'' کی ۱۳۴۹ھ میں نشأۃ ثانیہ کی اوراس وقت سے ۱۳۶۹ھ تک اس کے شیخ الحدیث وصدر مدرس رہے اس کے بعد اپنے تصنیفی مشاغل اور مسلسل علالت کی بنا پر عہدہ تدریس سے سبک دوش ہو گئے ۱۳۷۱ھ میں کانگریس کے ٹکٹ پر اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ممبری کے زمانہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب کے اصرار پر ایک سال ندوہ میں بخاری شریف کا درس دیا۔ ۱۳۷۳ھ سے مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور مرکزی جمعیۃ علماء ہند کے رکن رکین ہیں۔

محدث اعظمی نصف صدی سے زائد عرصہ سے حدیث کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور تلامذہ کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ ایک درجن حدیث کی اہم اور ضخیم کتابوں پر تحقیق و تعلیق کا کام مکمل کر چکے ہیں۔

حدیث کے ساتھ فقہ حنفی میں بھی آپ بلند مقام کے مالک ہیں اور حدیث کی طرح فقہ میں بھی آپ کی تحقیقات علماء کی جماعت میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ دارالحرب کے موضوع پر آپ کا ایک تحقیقی مقالہ عرصہ ہوا ماہنامہ البلاغ بمبئی میں قسط وار شائع ہوا تھا جسے علمی حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا۔ آپ فقہ کے موضوع پر برابر لکھتے رہتے ہیں ان مضامین کے علاوہ فقہی ابواب سے متعلق آپ کی یہ کتابیں بھی ہیں۔ رہبر حجاج، رکعات تراویح، ابطال عزاداری، الاعلام المرفوعہ، الازہار المرجوعہ وغیرہ۔ (علماء دیوبند اور علم حدیث)

حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی دہلوی ۱۳۲۱-۱۳۹۵ھ

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ اس دور کے نامور مصنف، مورخ اور عالم دین

تھے۔فقہ اور تاریخ پر ان کی نظر بڑی گہری تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ میں ان کی سیاسی و تصنیفی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔مولانا نے از اول تا آخر مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند میں پائی اور ۱۳۴۳ھ میں فراغت حاصل کی، دورۂ حدیث کے اساتذہ میں حضرت محدث کشمیری، علامہ عثمانی اور مولانا سید اصغر حسین صاحب بطور خاص قابل ذکر ہیں۔فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ شاہ آباد پھر مدرسہ شاہی مراد آباد میں مدتوں تدریسی خدمات انجام دیں۔۱۳۸۴ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی مقرر ہوئے اور تاحیات ان دونوں عہدوں پر فائز رہے۔۱۳۷۰ھ سے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ ان خالص علمی و دینی خدمات کے ساتھ سیاسی امور میں بھی عملی طور سے دلچسپی لیتے تھے جس کی وجہ سے متعدد بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں ایک مدت تک جمعیۃ علماء ہند کے ناظم کے عہدے پر بھی رہے۔

مولانا مرحوم کثیر التصانیف مصنف ہیں ان کی زود نویسی اور تصنیف و تالیف میں انہماک کو دیکھ کر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ ازراہ مزاح انھیں حیوان کاتب کہا کرتے تھے۔مولانا کی کثیر تصانیف میں یہ کتابیں فقہ کے موضوع پر ہیں: (۱) شرح نورالایضاح اردو (۲) رسالہ رویت ہلال (۳) دینی رسالہ (کے بعض حصے) (۴) تحقیق دارالاسلام والحرب ان کتابوں کے علاوہ عصر حاضر کے جدید مسائل پر مولانا مستقل مقالات و مضامین لکھتے رہتے تھے جو ماہنامہ برہان دہلی، روزنامہ الجمعیۃ دہلی وغیرہ میں شائع ہوتے تھے۔نیز مدرسہ امینیہ میں لکھے گئے کثیر فتاویٰ بھی آپ کی فقہی خدمات کا روشن باب ہیں۔

(علماء دیوبند اور علم حدیث)

مولانا محمد منظور نعمانی ۱۳۲۳ھ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ایک بلند پایہ مناظر، مشہور (مصنف) کامیاب مقالہ نگار اور صاحب نسبت عالم دین ہیں۔مولانا نے بیشتر کتابیں اپنے وطن کے مشہور عالم حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی سے پڑھیں اور انھیں کے مشورہ سے آخر میں دارالعلوم میں

داخلہ لیا اور دوسال رہ کر ۱۳۴۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد امروہہ کے مدرسہ چلّہ میں تین سال تدریس وتعلیم میں گزارے۔ چار سال ندوۃ العلماء لکھنؤ کے دارالعلوم میں بحیثیت شیخ الحدیث کے ترمذی ومسلم کا درس دیا۔ محرم ۱۳۵۲ھ میں بریلی سے ''الفرقان'' کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جواب لکھنؤ سے نکلتا ہے اور ملک کے مقتدر علمی رسالوں میں شمار ہوتا ہے۔

مولانا نعمانی صاحب اب تک مختلف دینی وعلمی موضوعات پر ایک صد کتابیں تحریر فرما چکے ہیں۔ آپ کا طرز نگارش سادہ، شگفتہ اور عام فہم ہوتا ہے فقہی احکام پر مشتمل آپ کی یہ تصانیف ہیں: (۱) آپ حج کیسے کریں (۲) آسان حج اردو اس کا ترجمہ بھی انگریزی میں ہو چکا ہے (۳) تحقیق مسئلہ ایصال ثواب۔ (علماء دیوبند اور علم حدیث)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی ۱۳۲۵ھ

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب مدظلہ العالی جودت طبع، کثرت مطالعہ، وسعت علم، جزئیات فقہیہ کے استحضار، زہد وتقویٰ، تواضع اور سادگی میں اس وقت اپنی مثال آپ ہیں۔ مفتی صاحب کی بیشتر تعلیم مظاہر علوم سہارنپور میں ہوئی۔ آخر کے تین سال دارالعلوم دیوبند میں گزارے پھر مزید ایک سال مظاہر میں رہے اور ۱۳۵۱ھ تعلیم و تحصیل سے فراغت ہوئی۔

فراغت تعلیم کے بعد مظاہر علوم میں تقریباً ۲۰ سال تک افتاء اور تدریس کی خدمات انجام دیں پھر ۱۳۷۱ھ سے ۱۳۸۴ھ تک جامع العلوم کانپور میں مسند صدارت وافتاء پر فائز رہے۔ کان پور میں بحیثیت مفتی آپ کی بڑی شہرت ہوئی، نیز اہل کان پور آپ کے زہد و تقویٰ اور علم وفضل سے بے حد متاثر ہوئے یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کی گرویدگی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے اور آپ کے تعلقات کان پور والوں سے ویسے ہی قائم ہیں۔ ۱۳۸۵ھ میں دارالعلوم کی طلب پر شعبہ دارالافتاء کے صدر منتخب ہوئے اور تا ہنوز اس منصب جلیل پر فائز ہیں۔ فتویٰ نویسی کے ساتھ صحیح بخاری جلد ثانی کا درس بھی حضرت خاتم المحدثین مولانا

سید فخر الدین مرادآبادی کے ارشاد پر ان کی حیات ہی سے آپ سے متعلق رہا مگر گزشتہ سال سے آنکھوں میں تکلیف کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مفتی صاحب کی کوئی مستقل تصنیف فقہی موضوع پر نہیں ہے۔ البتہ ان کے لکھے ہوئے فتاویٰ عرصہ سے ماہنامہ ''نظام کان پور'' میں برابر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ نیز آپ کے فتاویٰ کو محمود الفتاویٰ کے نام سے مرتب کرنے کا کام بھی شروع ہو چکا ہے اور تین جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی ترتیب مکمل ہو جانے کے بعد شائع ہو جائے گا۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف محدث بنوریؒ ۱۳۲۶-۱۳۹۷ھ

نابغۃ العصر، محدث کبیر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ اس دور میں علم و فضل، تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت اور توکل علی اللہ کے ایسا پیکر تھے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

محدث بنوری نے متوسطات تک کی تعلیم پشاور اور کابل کے مختلف اساتذہ سے حاصل کی ۱۳۴۵ھ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے دیوبند پہنچے اور یہاں دو سال رہ کر مختلف علوم و فنون کی تکمیل کی۔ اور ۱۳۴۷ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت محدث کشمیری اور علامہ عثمانی وغیرہ سے دورہ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت تعلیم کے بعد حضرت محدث کشمیری کی صحبت میں رہ پڑے اور شب و روز کی مصاحبت میں کمالات انوری سے بھرپور استفادہ کیا۔ بعد میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں استاذ حدیث اور مجلس علمی کے رکن بنائے گئے اور ایک عرصہ تک دونوں خدمتوں کو انجام دیا۔ تقسیم کے بعد پاکستان ہی میں قیام اختیار کر لیا اور دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں شیخ التفسیر مقرر ہوئے، لیکن چند ہی سال کے بعد وہاں سے الگ ہو کر کراچی چلے آئے اور غالباً ۱۳۷۴ھ میں جامعہ اسلامیہ نیوٹاؤن کی بنیاد رکھی ''جامعہ اسلامیہ'' اہل پاکستان کو حضرت علامہ بنوری کا وہ عظیم عطیہ ہے جس پر وہ جتنا فخر کریں کم ہے۔ آج یہ ادارہ اپنی بعض اہم خصوصیات میں برصغیر کے اسلامی اداروں میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس اہم علمی یادگار کے علاوہ علامہ بنوری نے شرح حدیث وغیرہ کے موضوع پر نہایت عظیم الشان تصنیفی خدمات انجام دی ہیں جن کی تحسین

بلاد اسلامیہ کے علماء ومشائخ نے بھی کی ہیں۔ ہمارے موضوع سے متعلق مولانا کی ایک معرکۃ الآرا کتاب ''بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ والمحاریب'' ہے جو علمی حلقوں میں بے حد پسند کی گئی اور اپنے موضوع پر اہم ترین کتاب سمجھی گئی ہے۔

مولانا مفتی نظام الدین اعظمی ۱۳۲۸ھ

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے وطن کے مکاتب میں پڑھنے کے بعد چند سال مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڑھ میں پڑھا بعد ازاں مدرسہ جامع العلوم جیّن پور اعظم گڑھ، مدرسہ عزیزیہ بہار شریف اور مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں درجات ثانوی تک تعلیم حاصل کی آخر میں دار العلوم دیوبند پہنچے اور ۱۳۵۲ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ وغیرہ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔

تکمیل کے بعد تدریس کا سلسلہ شروع کیا اولاً مدرسہ جامع العلوم جیّن پور اور گورکھپور کے کسی ادارہ میں پڑھایا پھر مدرسہ دار العلوم مئو ضلع اعظم گڑھ میں افتاء اور مدرس کے منصب پر مقرر ہوئے۔ ۱۳۸۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں افتاء کا منصب تفویض ہوا جس پر اب تک فائز ہیں فتاویٰ نویسی میں آپ کو کامل مہارت حاصل ہے ''نظام الفتاویٰ'' کے نام سے آپ کے اہم فتاویٰ کا انتخاب ضخیم جلد میں شائع ہو چکا ہے اس کے علاوہ اکثر اہم اور مفصل فتوے ماہنامہ ''دار العلوم'' میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند جلد۲ ص ۲۵۹)

مولانا شمس الحق فرید پوری ۱۳۲۸-۱۳۸۸ھ

مولانا شمس الحق فرید پور بنگلہ دیش کے رہنے والے تھے۔ پہلے مظاہر علوم سہارنپور میں تعلیم حاصل کی۔ پھر دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد مولانا نے علمی واصلاحی خدمات کے لئے ڈھاکہ میں جامعہ قرآنیہ کے نام سے ایک درس گاہ قائم کی جو آج ڈھاکہ کے دینی مدارس میں نمایاں درجہ کی حامل

ہے۔مولانا بنگلہ زبان کے بڑے اچھے مصنف تھے انھوں نے بنگال کے مسلمانوں کو دینی تعلیم سے روشناس کرنے کے لئے بڑی اہم خدمات انجام دیں اوراحکام شرعیہ سے انھیں واقف کرنے کیلئے بہشتی زیور کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کیا جو وہاں نہایت مقبول ہوا۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ص ۱۶۰)

مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر ۱۹۱۴÷/۱۳۳۲ھ

حضرت مولانا سرفراز احمد صفدر مدظلہٗ اپنی علمی و تحقیقی تصانیف کے لحاظ سے اس وقت پاکستان کے علماء میں ممتاز مقام و مرتبہ کے مالک ہیں۔مولانا صفدر صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ پھر سیالکوٹ اور ملتان کے علماء سے استفادہ کیا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر ۱۳۶۱ھ میں فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد گوجرانوالہ کی جامع مسجد میں خطیب مقرر ہوئے اور ساتھ ہی تدریس کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔۱۳۷۴ھ سے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجراں والا میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے حدیث وفقہ کا درس دے رہے ہیں۔تدریس کے ساتھ تصنیف کی اعلیٰ صلاحیتوں کے بھی مالک ہیں۔ اب تک ایک درجن سے زائد کتابیں مختلف دینی موضوعات پر تالیف فرما چکے ہیں۔آپ کی تمام تصانیف نہایت تحقیقی اور ٹھوس علمی مباحث پر مشتمل ہوتی ہیں۔انداز تحریر بڑا دل کش اور واضح ہے۔فقہ وحدیث سے متعلق آپ کی یہ تصانیف ہیں (۱) احسن الکلام فی قراۃ خلف الامام ۲ جلد (۲) عمدۃ الاثاث فی طلاق الثلاث (۳) تسکین الصدور فی احوال الموتی والقبور (۴) مسئلہ قربانی (۵) درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ (۶) حکم الذکر بالجہر۔ (ماہنامہ الرشید ساہیوال کا دارالعلوم نمبر ص ۴۱۶)

مولانا سید بادشاہ گل ۱۳۳۲ھ

مولانا سید بادشاہ گل نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا سید مہربان علی شاہ سے

حاصل کی پھر پشاور کے متعدد علماء سے استفادہ کیا۔ ۱۳۵۶ھ میں دار العلوم پہنچے اور حضرت شیخ الاسلامؒ، حضرت علامہ اور مولانا سید میاں اصغر حسین وغیرہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے تکمیل کے بعد وطن آئے اور جامعہ اسلامیہ اکوڑہ کی بنیاد رکھی اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا کے خلوص اور مسلسل جدوجہد کی بدولت آج یہ مدرسہ پاکستان کے بڑے مدرسوں میں شمار ہوتا ہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف کا مشغلہ بھی جاری رہتا ہے اور اب تک متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں جن میں ہمارے موضوع سے متعلق یہ ہیں: (۱) زیارۃ القبور (۲) کتاب الوسیلہ (۳) اعفاء اللحیٰ من سنن المصطفیٰ (ماہنامہ الرشید دار العلوم نمبر ص ۴۱۷)

مولانا محمد طاہر مردانی ۱۳۳۵ھ

مولانا محمد طاہر صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے دیار کے علماء سے حاصل کی۔ تفسیر کی تحصیل مولانا حسین علی مفسر قرآن سے کی اور انھیں کے حکم سے مولانا نصیر الدین کیمبلپوری سے دورۂ حدیث پڑھا۔ یہاں سے فراغت کے بعد پھر مولانا حسین علی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ کچھ دنوں ان سے استفادہ کرنے کے بعد دار العلوم دیوبند آئے اور حضرت شیخ الاسلامؒ اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث دوبارہ پڑھا۔

فراغت کے بعد حضرت شیخ الادب کی تجویز پر منبع العلوم گلاؤٹھی میں ایک سال تدریسی خدمت انجام دی پھر پاکستان چلے گئے اور ۱۳۵۷ھ سے دار القرآن پنج پیر مردان میں شیخ الحدیث ہیں اور حدیث تفسیر اور فقہ کا درس دیتے ہیں ساتھ ہی ایک درجن سے زائد کتابیں اور رسالے تحریر کر چکے ہیں جن میں فقہ کے موضوع پر یہ ہیں۔ (۱) البصائر للمتوسلین بالمقابر (۲) الرسالۃ البیضاء فی مسئلۃ الدعاء (۳) المصافحۃ بعد العیدین (۴) انشاط فی حیلۃ الاسقاط (دار العلوم نمبر ص ۴۱۷)

مولانا مفتی عبد الحکیم سکھروی ۱۳۳۲ھ

مولانا مفتی عبد الحکیم سکھروی سندھ کے ممتاز عالم دین اور فاضل دیوبند ہیں۔ افتاء و

تدریس کے ساتھ ساتھ متعدد اصلاحی و دینی کتب و رسائل کے مصنف ہیں اس وقت مدرسہ اشرفیہ سکھر کے مفتی اور صدر مدرس ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے آپ کو اجازت وخلافت کا شرف بھی حاصل ہے۔ فقہ کے موضوع پر آپ کی یہ کتابیں ہیں (۱) دین کی باتیں ۲ حصہ (۲) رمضان المبارک (۳) اعتکاف (۴) مکہ مدینہ (حج و زیارت کے احکام پر) (ماہنامہ البلاغ کراچی کا مفتی اعظم نمبر ۹۴۱)

مولانا مفتی سیاح الدین پشاوری ۱۳۳۴ھ

مولانا مفتی سیاح الدین صاحب نے درس نظامی کی تقریباً نصف تعلیم اپنے وطن پشاور کے اساتذہ سے حاصل کی ۱۳۵۲ھ کو دارالعلوم دیوبند پہنچے اور چار سال یہاں رہ کر ۱۳۵۶ھ میں حضرت شیخ الاسلامؒ اور دیگر اساتذہ حدیث سے دورہ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد سکرورہ ضلع کوہاٹ کے ایک مدرسہ میں ۴ سال مدرس رہے پھر یہاں سے دارالعلوم عزیزیہ سرگودھا آ گئے جہاں ۱۹۴۶ء تک درجہ علیا کے مدرس ومفتی اور رسالہ شمس الاسلام کے مدیر رہے۔ اسی دوران ایک بحران کی وجہ سے جب دارالعلوم دیوبند میں اساتذہ کی سخت ضرورت پیش آ گئی تو حضرت مہتمم صاحب کی طلب پر آپ دارالعلوم آئے اور چھ ماہ یہاں تدریسی خدمت انجام دی اس وقت مدرسہ اشاعت العلوم لائل پور میں صدرالمدرس ومفتی ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں عبوری حکومت نے آپ کو اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن نامزد کیا جس میں تاحال تدوین قانون اسلامی کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے فتویٰ فقہی ابواب پر مرتب ہو کر شائع ہو رہے ہیں۔ (مفتی اعظم نمبر ۹۳۱)

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی ۱۳۴۱ھ

مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی پاکستان کے ممتاز عالم دین، مفتی، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کے مجاز بیعت اور اشرف المدارس کراچی کے بانی و مہتمم ہیں۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد سلیم صاحب کا وطن اصلی لدھیانہ تھا، اسی نسبت سے آپ

کو بھی لدھیانوی کہا جاتا ہے۔ پنجاب اور سندھ میں علوم وفنون کی تحصیل کر کے ۱۳۶۰ھ میں دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے دارالعلوم حاضر ہوئے اور حضرت شیخ الاسلامؒ، حضرت شیخ الادب اور حضرت علامہ وغیرہ سے کتب حدیث پڑھ کر ۱۳۶۲ھ میں فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ مدینۃ العلوم بھینڈ ھ حیدر آباد سندھ میں علیا کے مدرس ہوئے۔ بعد میں ترقی کر کے شیخ الحدیث، صدر مدرس اور مفتی کے عہدوں پر فائز ہوئے۔ ۱۳۷۰ھ تا ۱۳۷۶ھ مدرسہ ٹھیڑ میں شیخ الحدیث اور مفتی رہے۔ پھر ۱۳۷۶ تا ۱۳۸۳ھ دارالعلوم کراچی میں بخاری شریف سمیت دورۂ حدیث کی دوسری کتب پڑھانے کا شرف حاصل رہا۔ ۱۳۸۳ھ میں اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کے مشورہ سے ناظم آباد کراچی میں اشرف المدارس کی بنیاد رکھی اور آج کل وہیں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اشرف المدارس کراچی میں بطور خاص فارغ التحصیل ذی استعداد طلبہ کو فتویٰ نویسی کی مشق کرائی جاتی ہے اور ملک و بیرون ملک سے آنے والے استفتاء کے جوابات روانہ کئے جاتے ہیں۔

مولانا لدھیانوی تدریس وفتویٰ کے علاوہ متعدد کتب ورسائل کے مؤلف بھی ہیں جن میں ہمارے عنوان سے متعلق یہ کتابیں ہیں۔ احسن الفتاویٰ، یہ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو کئی ضخیم جلدوں میں ہے۔ تسہیل المیراث وغیرہ (مفتی اعظم نمبر ص ۹۳۰)

مولانا عبدالشکور ترمذی ۱۳۴۱ھ

آپ حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی کے صاحب زادہ، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری کے مرید اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مجاز وخلیفہ ہیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ امدادالعلوم تھانہ بھون میں ہوئی۔ عربی کی ابتداء مدرسہ علوم الشرعیہ مدینہ منورہ میں کی پھر درس نظامی کی تقریباً نصف کتابیں پٹیالہ، انبالہ اور کرنال کے مدارس میں پڑھیں بعد ازاں ۱۳۶۲ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ لیکن آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے بیمار پڑ گئے اور مجبوراً عید اضحیٰ کی تعطیل میں مظاہر العلوم کو چھوڑ کر

اپنے والد بزرگوار کے پاس قاسم العلوم بھاول نگر چلے گئے اور یہاں ایک سال زیر تعلیم رہ کر ۱۳۶۲ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دو سال یہاں رہ کر تعلیم مکمل کی۔ حدیث کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، حضرت شیخ الادبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ وغیرہ ہیں۔ تین ماہ حضرت خاتم المحدثین مولانا سید فخر الدین مراد آبادی سے بھی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا کیوں کہ ان ایام میں حضرت شیخ الاسلام رخصت پر تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ راج پورہ ریاست پٹیالہ کے مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دی پھر مدرسہ حقانیہ شاہ آباد کرنال میں مدرس رہے اور تقسیم ملک کے بعد سے تاہنوز ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام ہے اور تعلیمی و اصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تصنیفات: مولانا ترمذی نے تعلیم و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور اب تک تقریباً ۴۲ کتب و رسائل تالیف کر چکے ہیں جن میں علم فقہ سے متعلق یہ رسالے ہیں۔

(۱) فضائل ومسائل رمضان (۲) السعی المشکور فی احکام العاشور (۳) خلاصۃ الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد (۴) تحقیق الجمعہ فی القریٰ (۵) تسہیل الارشاد (۶) فتاویٰ امداد السائل (۷) ارشاد العباد فی عید المیلاد (۸) فتویٰ کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت۔

ان مستقل کتابوں کے علاوہ آپ کے علمی و تحقیقی مقالات پاکستان کے علمی و دینی مجلّات میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ (مفتی اعظم نمبر ص ۱۰۳۵)

علمائے دیو بند
اور جماعت اہلِ حدیث کی معاندانہ روش

پوری دنیا کے مسلمان ملت واحدہ اور آپس میں بھائی بھائی ہیں انما المؤمنون إخوة، ملکی وجغرافیائی تقسیم اس مرکزی عظیم قومیت میں خلل انداز نہیں ہوسکتی، اسی دینی اخوت ووحدت کے تحت ممالکِ اسلامیہ کی علمی وملی تقریبات میں علمائے دیو بند برصغیر (ہندوپاک، بنگلادیش) کے اسلامی نمائندوں کی حیثیت سے شامل ہوتے رہے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی ہو یا جامع ازہر، موتمر اسلامی ہو یا رابطہ اسلامی غرضے کہ دنیا کے کسی بھی خطہ میں مسلمانوں کا کوئی علمی وملی اجتماع ہو، ملکی وجغرافیائی، مسلکی ومشربی تفریق وتقسیم کے ادنیٰ احساس کے بغیر علمائے دیو بند پورے ذوق وشوق کے ساتھ ان میں شرکت کرتے رہے ہیں، جو ان کی اعتدال پسندی فرقہ وارانہ رجحانات سے دوری اور ساری دنیا کے مسلمانوں کوملتِ واحدہ سمجھنے کی واضح اور روشن دلیل ہے۔ اور پوری بصیرت اور ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ برصغیر میں اہل علم کا یہی وہ طبقہ ہے جوملی وسماجی تمام وسعتوں اور عصری ضرورتوں پر نظر رکھے ہوئے سلف صالحین سے مکمل طور پر وابستہ ہے اور احقاق حق اور ابطالِ باطل کے ساتھ ساتھ قوم وملت کے اجتماعی مقاصد پر بھی اس کی نظر رہتی ہے۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء ولو كره الاعداء من كل حاسد.

علمائے دیو بند کا استنادی رشتہ

اسلام کے تسلسل حیات اور حفظ دین کی خصوصیات اس کا اسنادی پہلو ہے اور تاریخ کے ہر موڑ پر اسے تھامے رہنا اسلام کا معجزہ ہے اسباب کی دنیا میں اس کا باعث وہ علمائے

ربانی رہے ہیں جو حضرت آدم سے لے کر نبی آخرالزماں......تک زنجیر کی کڑیوں کی طرح باہم پیوست ہیں، دیوبندی مکتبِ فکر بحمد اللہ کوئی نو پید جماعت نہیں بلکہ علمی، دینی اور سیاسی احکام و معاملات میں علمائے دیوبند کا سلسلۂ سند امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے گذرتا ہوا نبی کریم...... سے مربوط ہے۔

علمائے دیوبند کا اعتدال

علمائے دیوبند دین کے سمجھنے سمجھانے میں نہ تو اس طریق کے قائل ہیں جو ماضی سے یکسر کٹا ہو کیوں کہ وہ مسلسل رشتہ نہیں ایک نئی راہ ہے۔ اور نہ وہ اس افراط کے قائل ہیں کہ رسم ورواج اور تقلید آباء کے تحت ہر بدعت کو اسلام میں داخل کر دیا جائے۔ جن اعمال میں تسلسل نہ ہو اور وہ تسلسل خیر القرون سے مسلسل نہ ہو وہ اعمال اسلام نہیں ہو سکتے۔ یہ حضرات اس تقلید کے پوری طرح قائل ہیں جو قرآن وحدیث کے سرچشمہ سے فقہ اسلام کے نام سے چلتی آئی ہے۔ قرآن کریم تقلید آباء کی صرف اس وجہ سے مذمت کرتا ہے کہ وہ آباء عقل و اہتداء کے نور سے عاری تھے۔ "اَوَلَو کَانَ آباءُ ھُم لا یَعْقِلُون شیئًا وَلَا یھتَدُونَ".

ائمہ سلف اور فقہائے اسلام جو علم وہدایت کے نور سے منور تھے ان کی پیروی نہ صرف یہ کہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ صرف حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی نہیں، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ پر چلنے چلانے کی ہر نماز میں اللہ سے درخواست کریں؛ کیوں کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ "اِھدِنا الصِّراطَ المُستَقِیم صِراطَ الَّذِینَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ"

اس منہج اعتدال کی بنا پر علمائے دیوبند مذہبی بے قیدی اور خود رائی سے محفوظ ہیں اور شرک وبدعت کے اندھیرے انھیں اپنے جال میں نہ کھینچ سکے۔

فقہ میں سلف صالحین کے منہاج کی پیروی

برصغیر میں کم وبیش نوے فی صد مسلمان فقہ حنفی پر عامل ہیں۔ فقہ حنفی امام ابوحنیفہؒ کے

اجتہادات، ان کے تلامذہ کے استخراجات اور اصحابِ ترجیح کے فیصلوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قدر بحث و تحقیق اور کانٹ چھانٹ کے بعد فقہ کا کوئی مسئلہ اصولِ شریعت کے خلاف باقی نہیں رہ سکتا۔ مگر اس طریق عمل میں ایک پہلو یہ بھی تھا وہ یہ کہ عمل کرنے والے کی نظر ائمہ وفقہاء کی تخریجات تک محدود رہتی، گو وہ عمل حضور......کی سنت اور صحابہ کے طریق سے متجاوز نہ ہوتا، مگر عمل کرنے والے کا شعور اتباع سنت کی لذت پوری طرح محسوس نہیں کرسکتا تھا۔ علمائے دیوبند کا یہ عظیم تاریخی کارنامہ ہے کہ انھوں نے اعمال و عبادات کو ان کے بنیادی مصادر کی طرف لوٹایا۔ احادیث کے دفاتر کھلے، رجال کی گہری نظر سے پڑتال ہوئی، معانی حدیث میں بحث کی گئی، گو ان حضرات کو اس علمی و تحقیقی کاوش سے فقہ کا کوئی مفتی بہ قول اصول شریعت سے معارض نہ ملا تاہم اس راہ تحقیق نے (جو ظاہریت کی تفریط اور اہل بدعت کی افراط سے پاک سلف صالحین کے مقرر کردہ منہاج پر مبنی ہے) ایسی فضا پیدا کردی کہ پہلے جن مسائل پر فقہ سمجھ کر عمل کیا جاتا تھا اب وہی مسائل سنت کی خنک روشنی دینے لگے اور ان اعمال میں اتباع حدیث کی وہ لذت محسوس ہونے لگی جو اس فکری تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

علمائے دیوبند نے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں ہی کو سنت کا شعور بخشا بلکہ دیگر بلاد اسلامیہ مصر وشام وغیرہ بھی ان کے اس فکر سے متاثر ہوئے۔ دیوبندی مکتبہ فکر کا نصوص فہمی میں منہج مختار یہی ہے، جیسے ان کی تالیفات مثلاً فیض الباری شرح بخاری، اللامع الدراری شرح بخاری، فتح الملہم شرح صحیح مسلم، الکوکب الدری شرح جامع ترمذی، معارف السنن شرح جامع ترمذی، بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد، اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک، امانی الاحبار شرح معانی الآثار للطحاوی، اعلاء السنن، ترجمان السنۃ، معارف الحدیث وغیرہ میں ان کے اس منہج مختار کو دیکھا جاسکتا ہے۔

علماء دیوبند کا مسلک

محدثین دہلی اور ان کے چشمۂ علم وعرفان سے سیراب علمائے دیوبند اپنے مسلک اور

دینی رخ کے اعتبار سے کلیتًا اہل سنت والجماعت ہیں پھر وہ خود رَو قسم کے اہل سنت نہیں بلکہ اوپر سے ان کا سندی سلسلہ جڑا ہوا ہے؛ اس لیے مسلک کے اعتبار سے وہ نہ کوئی جدید فرقہ ہیں نہ بعد کی پیداوار ہیں بلکہ وہی قدیم اہل سنت والجماعت کا مسلسل سلسلہ ہے جو اوپر سے سند متصل اور استمرار کے ساتھ کابرًا عن کابرٍ چلا آرہا ہے۔

علماء دیوبند کے اس جامع ،افراط وتفریط سے پاک مسلک معتدل کو سمجھنے کے لیے خود لفظ اہل سنت والجماعت میں غور کرنا چاہیے جو دو اجزاء سے مرکب ہے ایک ''السنۃ'' جس سے اصول، قانون،اور طریق نمایاں ہیں اور دوسرا ''الجماعۃ'' جس سے شخصیات اور رفقائے طریق نمایاں ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے اس ترکیبی کلمہ سے یہ بات پورے طور پر واضح ہوتی ہے کہ اس مسلک میں اصول وقوانین بغیر شخصیات کے اور شخصیات بغیر قوانین کے معتبر نہیں کیوں کہ قوانین ان شخصیات ہی کے راستے سے آتے ہیں اس لیے ماخوذ کو لیا جانا اور ماخذ کو چھوڑ دینا کوئی معقول مسلک نہیں ہوسکتا۔

حدیث ''"ما أنا علیه و أصحابي'' میں بہتر فرقوں میں سے فرقۂ ناجیہ کی نشاندہی فرماتے ہوئے رسول خدا...... نے معیار حق ان ہی دو چیزوں کو قرار دیا ''ماانا'' سے اشارہ سنت یعنی طریق نبوی یا قانون دین کی طرف ہے اور ''واصحابی'' سے اشارہ الجماعۃ یعنی برگزیدہ شخصیات کی طرف ہے بلکہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں اصحابی کے بجائے الجماعۃ کا صریح لفظ موجود ہے۔

اس لیے تمام صحابہ، تابعین، فقہائے مجتہدین، ائمہ محدثین اور علمائے راسخین کی عظمت ومحبت ادب واحترام اور اتباع وپیروی اس مسلک کا جوہر ہے؛ کیوں کہ ساری دینی برگزیدہ شخصیتیں ذات نبوی سے انتساب کے بدولت ہی وجود میں آتی ہیں۔ پھر مختلف علوم دینیہ میں حذاقت ومہارت اور خداداد فراست وبصیرت کے لحاظ سے ہر شعبۂ علم میں ائمہ اور اولوالامر پیدا ہوئے اور امام ومجتہد کے نام سے انھیں یاد کیا گیا۔ مثلاً ائمہ اجتہاد میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ۔ ائمہ حدیث میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی وغیرہ۔ ائمہ احسان واخلاص میں اویس قرنی،

فضیل بن عیاض وغیرہ۔ ائمہ حکمت وحقائق میں امام رازی، امام غزالی وغیرہ۔ ائمہ کلام میں ابوالحسن اشعری، ابومنصور ماتریدی وغیرہ۔ نیز اسی قسم کی دین کی اور برگزیرہ شخصیتیں ہیں جن کی درجہ بدرجہ توقیر وعظمت مسلک دیوبند میں شامل ہے۔

پھر ان تمام دینی شعبوں کے اصول وقوانین کا خلاصہ دو ہی چیزیں ہیں: ''عقیدہ وعمل'' عقیدے میں تمام عقائد کی اساس وبنیاد عقیدۂ توحید ہے اور عمل میں سارے اعمال کی بنیاد اتباع سنت ہے۔

توحید: مسلک دیوبند میں عقیدۂ توحید پر بطور خاص زور دیا جاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ شرک یا موجبات شرک جمع نہ ہوں اور کسی بھی غیر اللہ کی اس میں شرکت نہ ہو۔ ساتھ ہی تعظیم اہل اللہ اور اربابِ فضل وکمال کی توقیر کو عقیدۂ توحید کے منافی سمجھنا مسلک کا کوئی عنصر نہیں۔

رسالت: علمائے دیوبند کا یہ ایمان ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر وافضل الانبیاء ہیں، مگر ساتھ ہی آپ کی بشریت کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ آپ کے علو درجات کو ثابت کرنے کے لیے حدود عبدیت کو توڑ کر حدود معبودیت میں پہنچا دینے سے کلی احتراز کرتے ہیں۔ وہ آپ کی اطاعت کو فرض عین سمجھتے ہیں مگر آپ...... کی عبادت کو جائز نہیں سمجھتے۔

علمائے دیوبند برزخ میں آپ ...... کی حیات جسمانی کے قائل ہیں مگر وہاں معاشرت دنیوی کو نہیں مانتے۔ وہ آپ کے علم عظیم کو ساری کائنات کے علم سے بدرجہا زیادہ مانتے ہیں پھر بھی اس کے ذاتی ومحیط ہونے کے قائل ہیں۔

صحابۂ کرام: علمائے دیوبند تمام صحابہ کی عظمت کے قائل ہیں؛ البتہ ان میں باہم فرق مراتب ہے تو عظمت مراتب میں بھی فرق ہے، لیکن نفس صحابیت میں کوئی فرق نہیں اس لیے محبت وعقیدت میں بھی فرق نہیں پڑسکتا پس "الصحابة كلهم عدول" اس مسلک کا سنگ بنیاد ہے۔ صحابہ بحیثیت قرن خیر من حیث الطبقۃ ہیں اور پوری امت کیلئے معیار حق ہیں۔ علمائے دیوبند انھیں غیر معصوم ماننے کے باوجود ان کی شان میں بدگمانی اور بدزبانی کو جائز نہیں سمجھتے اور صحابہ کے بارے میں اس قسم کا رویہ رکھنے والے کو حق سے منحرف سمجھتے ہیں۔

علمائے دیوبند کے نزدیک ان کے باہمی مشاجرات میں خطا وصواب کا تقابل ہے حق و باطل کا، طاعت ومعصیت کا نہیں؛ اس لیے ان میں سے کسی فریق کو تنقید و تنقیص کا ہدف بنانا جائز نہیں۔

صلحائے امت: علمائے دیوبند تمام صلحائے امت و اولیاء اللہ کی محبت و عظمت کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس محبت و تعظیم کا یہ معنی قطعاً نہیں لیتے کہ انھیں یا ان کی قبروں کو سجدہ وطواف اور نذر وقربانی کا محل بنالیا جائے۔

وہ اہل قبور سے فیض کے قائل ہیں استمداد کے نہیں۔ وہ ایصال ثواب کو مستحسن اور اموات کا حق سمجھتے ہیں۔

وہ تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس اور عبادت میں قوتِ احسان پیدا کرنے کے لیے اہل اللہ کی بیعت وصحبت کو حق اور طریق احسانی کے اصول وہدایات کو تجربتہً مفید اور عوام کے حق میں ایک حد تک ضروری سمجھتے ہیں اور اسے شریعت سے الگ کوئی مستقل راہ نہیں سمجھتے بلکہ شریعت ہی کا باطنی واخلاقی حصہ مانتے ہیں۔

فقہ اور فقہاء

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ علمائے دیوبند احکام شرعیہ وفرعیہ اجتہادیہ میں فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتے ہیں بلکہ برصغیر میں آباد کم وبیش پچاس کروڑ مسلمانوں میں نوے فیصد سے زائد اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے؛ لیکن اپنے اس مذہب و مسلک کو آڑ بنا کر دوسرے فقہی مذاہب کو باطل ٹھہرانے یا ائمہ مذاہب پر زبانِ طعن دراز کرنے کو جائز نہیں سمجھتے کیوں کہ یہ حق وباطل کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ صواب وخطا کا تقابل ہے۔ مسائل فرعیہ اجتہادیہ میں ائمہ اجتہاد کی تحقیقات میں اختلاف کا ہوجانا ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ اور شریعت کی نظر میں یہ اختلاف صحیح معنوں میں اختلاف ہے ہی نہیں۔ قرآن حکیم ناطق ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحاً وَالَّذِىْ اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ

إِبْرَاهِيمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا (الشوریٰ)

ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک شریعتوں اور منہاج کا کھلا ہوا اختلاف رہا پھر بھی قرآن حکیم اس کو ایک ہی دین قرار دے رہا ہے اور شریعتوں کے باہمی فروعی اختلاف کو وحدتِ دین کے معارض نہیں سمجھتا۔ اگر یہ فروعی اختلاف بھی افتراق واختلاف کی حد میں آسکتے تو پھر ”وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ“ کا خطاب کیوں کر درست ہوتا۔

لہٰذا جس طرح شرائع سماویہ فروعی اختلاف کے باوجود ایک ہی دین کہلائیں اور ان کے ماننے والے سب ایک ہی رشتہ اتحاد واخوت میں منسلک رہے۔ تحزب وتعصب کی کوئی شان ان میں پیدا نہیں ہوئی؛ اسی لیے وہ ”وَكَانُوا شِيَعًا“ کی حد میں نہیں آئے۔ ٹھیک اسی طرح ایک دین حنیف کے اندر فروعی اختلافات اس کی شان اجتماعیت و وحدت میں خلل انداز نہیں ہوسکتے۔

مواقع اجتہاد میں اہل اجتہاد کا اجتہاد دین ہی کا مقرر کردہ اصول ہے، اسے دین میں اختلاف کیسے کہا جاسکتا ہے۔ رہا جماعتِ مجتہدین میں سے کسی ایک کی پیروی وتقلید کو خاص کرلینا تو دین کے بارے میں آزادیِ نفس سے بچنے اور خودرائی سے دور رہنے کے لیے امت کے سواد اعظم کا طریق مختار یہی ہے، جس کی افادیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ باب تقلید میں علمائے دیوبند کا یہی طرز عمل ہے۔ وہ کسی بھی امام، مجتہد یا اس کی فقہ کی کسی جزئی کے بارے میں تمسخر، سوئے ادب یا رنگ ابطال وتردید سے پیش آنے کو خسران دنیا وآخرت سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک یہ اجتہادات شرائع فرعیہ ہیں شرائع اصلیہ نہیں کہ اپنے فقہ کو موضوع بنا کر دوسروں کی تردید یا تفسیق وتضلیل کریں؛ البتہ اپنے اختیار کردہ فقہ پر ترجیح کی حد تک مطمئن ہیں۔

مذکورہ بالا امور میں علمائے دیوبند کا یہ طرز عمل اور مسلک ان کی مؤلفات (شروح حدیث، تفسیر، فقہ وکلام وغیرہ) میں پوری تفصیل کے ساتھ مندرج ہیں، جنھیں دیکھ کر خود فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس مختصر تحریر میں ان ساری تفصیلات کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

یہ ھے علمائے دیوبند کا اجمالی تعارف، ان کا مذھب ومسلک، اور مسائل اجتھادیہ میں ان کا طریق عمل.

اب رہا مسئلہ احکام اجتہادیہ میں ان کی ترجیحات اور طریقِ عمل کا تو کتاب وسنت اور امت میں متوارث قواعد نصوص فہمی کی روشنی میں ان پر بحث وگفتگو کی جاسکتی ہے جس کا دروازہ ہمیشہ سے کھلا ہے، عہد صحابہ سے یہ تعامل چلا آرہا ہے کہ اس نوع کے مسائل میں اہل نظر علماء قواعد واصول کے تحت صواب وخطا اور راجح ومرجوح کی حد تک بحث ونظر کرتے رہے ہیں۔

لیکن ان جتہادی ومختلف فیہ مسائل کو آڑ بنا کر ملت واحدہ میں انتشار اور تفرقہ پیدا کرنا اور انھیں حق وباطل کا معیار ٹھہرا کر جماعت مسلمین کو ہدایت وضلالت کے متضاد خانوں میں تقسیم کردینا تو یہ نہایت خطرناک رویہ ہے جس سے اہل سنت والجماعت کے سلف وخلف کا دامن پاک وصاف رہا ہے۔ بلکہ اس غیر معقول ونارواروش کے دروازے کو بند کرنے کیلئے تاکہ امت مسلمہ کی وحدت برقرار رہے سلف صالحین وعلماء راسخین نے نصوص فہمی اور تاویل واجتہاد کے سلسلے میں ایک علمی دستور اور منہاج مقرر کردیا ہے جس کے ذریعہ انھوں نے نصوص وآراء میں جمع وتطبیق کی راہیں ہموار کیں اور امت کو "مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا وَکَانُوْ شِیَعاً کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ" کا مصداق بننے سے بچالیا۔

جماعت اہل حدیث کا بیجا تشدد وغلو

حیف صد حیف کہ عصر حاضر کے اہل ظواہر (جو موحد، اہل حدیث، سلفی، اثری وغیرہ حسب موقع ومحل مختلف ناموں سے اپنا تعارف کراتے ہیں) نے سواد اعظم کے اس مسلمہ علمی دستور ومنہاج کو پس پشت ڈال کر اور اپنے علم وفہم کو حق کا معیار قرار دے کر ان اجتہادی مختلف فیہ مسائل کو حق وباطل اور ہدایت وضلالت کے درجہ میں پہنچادیا ہے اور ہر وہ فرد اور جماعت جو ان کی فکر ونظریہ سے ہم آہنگ نہیں وہ ہدایت سے عاری ومبتدع، ضال ومضل اور فرقہ ناجیہ سے خارج ہے۔ بطور مثال چند حوالے پیش کیے جارہے ہیں:

اس جماعت کے سرخیل اور سب سے بڑے مصنف و محقق مولانا نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی جو اعتدال پسندی میں مشہور ہیں اپنے ایک رسالہ ''ترجمان وہابیہ'' میں رقم طراز ہیں:

''سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا اور کان تمام فریبوں اور دغابازیوں کی علم رائے ہے جو مسلمانوں میں بعد پیغمبر برحق کے پھیلا ہے اور مہا جال ان سب خرابیوں کا بول چال فقہا اور مقلدوں کی ہے اور ساری خرابی ڈالی ہوئی ان ملاؤں کی ہے جو عام تقلید میں گرفتار ہیں اور بدعت اور شرک کے نشہ میں سرشار ہیں'' (ص:۲۴، طبع لاہور)

اسی رسالہ میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''سو محمد بن عبدالوہاب خود مقلد مذہب حنبلی من جملہ انھیں چار مذاہب کے ہے جو بالفعل عامۃ رائج ہیں اور فرقۂ موحدین (یہ اہل ظواہر عامۃ المسلمین مقلدین فقہاء کو مشرک سمجھتے ہیں اس لیے ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں زمانہ ماضی میں ایک عرصہ تک وہ اپنا تعارف اسی لقب سے کراتے تھے'' (ازناقل) کسی ایک مذہب خاص کے ان مذاہب میں سے پیرو اور مقلد نہیں ہے کیوں کہ یہ سب مذاہب بعد از زمانہ نبوت اسلام کے حادث ہوئے، فرق درمیان مقلد مذاہب اور فرقۂ موحدین کے فقط اتنا ہے کہ موحدین قرآن وحدیث صحیح کو ہی مانتے ہیں اور باقی مذاہب اہل الرائے ہیں جو مخالف سنت اور طریقہ شریعت ہے'' (ص:۲۶)

اسی جماعت کے ایک اور بڑے عالم مصنف، مولانا محمد جونا گڈھی اپنی کتاب طریق محمدی میں لکھتے ہیں:

''جس طرح باپ دادوں کی تقلید موجب گمراہی ہے اسی طرح سادات بزرگوں کی اور اسی طرح علمائے کرام اور خدا والوں کی بھی وہ بزرگ حق پر ہوں اور راہ یافتہ ہوں لیکن ان کی تقلید پھر بھی موجب ضلالت رہے گی۔'' (ص:۱۱)

اسی کتاب میں ایک موقع پر جونا گڈھی صاحب نے یوں خامہ فرسائی کی ہے:

''الغرض اتباع رسول ...... کو پرے پھینکنے کا آلہ جو ہر زمانہ میں مخالف رسول لوگ

اپنے کام میں لاتے رہے ہیں یہی تقلید ہے، تقلید ہی وہ چیز ہے جو اصل اسلام سے دنیا کو روکتی ہے۔" (ص:۱۵، جدید ایڈیشن ص:۲۲)

اسی فرقہ کے ایک اور مقتدر عالم ابوالشکور عبدالقادر حصاروی اپنی مشہور زمانہ کتاب "سیاحۃ الجنان" میں لکھتے ہیں:

"جب یہ امر روشن ہو چکا کہ مذہب حق اہل حدیث ہے اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں تو اہل حدیثوں پر یہ واجب ہے کہ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں اور ان سے خلاء ملاء، میل جول دینی تعلقات نہ رکھیں یعنی باطل مذہب والوں کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور ان کے جنازہ میں شامل نہ ہوں، ان سے سلام نہ لیں ان سے مناکحت نہ کریں۔" (ص:۴)

اسی کتاب کے ص:۵ پر یہ صاف لفظوں میں لکھتے ہیں:

"موجودہ حنفیوں میں تقلید شخصی پائی جاتی ہے جو سراسر حرام اور ناجائز ہے اور فرقہ بندیوں کا ذریعہ۔"

نیز لکھتے ہیں: "مقلدین حنفیہ کے ہر دو فرقہ دیوبندی اور بریلوی گمراہ ہیں۔" (ص:۵)

باب تقلید سے متعلق اس فرقہ کے اعاظم علماء کی یہ عبارتیں اپنے مفہوم میں بالکل واضح و روشن ہیں اور کسی توضیح وتشریح کی محتاج نہیں جن کی رو سے ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے مدونہ مذاہب بدعت وطریقۂ شریعت کے خلاف ہیں۔ اور سارے مقلدین فرقہ ناجیہ سے خارج، جہنمی ہیں۔ العیاذ باللہ نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے اور نہ ہی ان کے جنازوں پر شرکت کرنی اور نہ ان سے رشتۂ مناکحت قائم کرنا درست ہے۔ کون نہیں جانتا کہ دنیا میں موجود مسلمانوں کی نوے فیصد سے زائد تعداد ہمیشہ ہی سے ائمہ مجتہدین کی تقلید کرتی چلی آرہی ہے۔ اور ان موجودہ اہل ظواہر کے نزدیک یہ سب کے سب گمراہ، دین سے خارج ہیں اگر صحیح مؤمن ہیں تو بس یہی شرذمۂ قلیلہ، نبی صادق ومصدوق علیہ الصلاۃ والسلام الف الوف تو فرمارہے ہیں "عليكم بالسواد الأعظم يد الله على الجماعة" اور "من شذ شذ في النار" جبکہ نبی رحمت ...... کی اداؤں کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں کا دعویٰ اس کے

بالکل برعکس ہے۔(یا للعجب)

بغرض اختصار اس موقع پر انھیں مذکورہ بالا حوالوں پر اکتفا کیا جارہا ہے ورنہ ان کی تکفیر سازی کا دائرہ نہایت وسیع ہے اور تقلید ائمہ کے علاوہ دیگر مسائل اجتہادیہ میں بھی یہ اپنے مخالفین کو مبتدع و مشرک سے کم نہیں سمجھتے ان کی کتابوں میں یہ مواد اس کثرت سے موجود ہے کہ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کردیا جائے تو ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جو چیز امت کے لیے باعث رحمت اور علماء کے واسطے باعث کرامت تھی آج اسی رحمت و کرامت کو علم و فہم سے مخول کرنے والے کچھ لوگ سبب شقاوت وضلالت باور کرانے پر تلے ہیں۔ برصغیر ہندو پاک اور بنگلہ دیش میں چونکہ مسلمانوں کی غالب اکثریت فروعی مسائل میں فقہ حنفی پر عامل ہے پھر ان میں دیو بندی مکتبۂ فکر سے متعلق علماء و فضلاء چونکہ علمی، دینی، سماجی سرگرمیوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں اس لیے ان لوگوں نے ایک خاص ذہنیت کے تحت قادیانیوں، رافضیوں وغیرہ فرقۂ مکفرہ وضالّہ کے بجائے بطور خاص علمائے دیو بند کو اپنے تضلیلی و تکفیری مشن کا ہدف بنا رکھا ہے۔

چنانچہ ابھی حال میں اس جماعت کے علمائے ہندو پاک کی مشترکہ کوششوں سے ایک کتاب "الدیو بندیة" کے نام سے عربی زبان میں شائع کرائی گئی ہے جسے ایک مہم بنا کر علمائے عرب، شیوخ حجاز ونجد اور ممالک اسلامیہ کے سرکاری دفتروں و سربراہان مملکت تک پہنچانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں علمی امانت و دیانت کی پروا کیے بغیر اس بات کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ کسی نہ کسی طرح علمائے دیو بند کو بدعقیدہ صحیح دین سے منحرف اور کافر و مشرک ثابت کردیا جائے۔ (فالی اللہ المشتکیٰ)

اس من گھڑت مواد پر مشتمل غیر معقول کتاب کے اثر بد سے امت کو بچانے اور صحیح صورت حال سے ملت اسلامیہ کو روشناش کرانے کی غرض سے عرب و عجم کے جانے پہچانے عالم دین اور صاحب تصنیف محقق و مفکر مولانا ابوالحسن علی ندوی وغیرہ علماء نے عربی و اردو میں رسائل اور کتابیں تصنیف کیں جن میں علمائے دیو بند کے صحیح مسلک اور ان کی

گراں قدر علمی و دینی خدمات کو مستند تاریخی حوالوں سے پیش کیا گیا ہے۔

پھر اس کتاب کا ذکر تو بطور مثال کے کیا گیا ہے ورنہ اس قسم کی کتابیں تو آئے دن ان کی جانب سے شائع ہوتی رہتی ہیں جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اہل ظواہر کا نصب العین ہی یہ ہے کہ اس طرح کے مختلف فیہ فروعی مسائل کی تشہیر کر کے اور اس کی آڑ میں علمائے مقلدین کو بدعتی و گمراہ بتا کر امت کا رابطہ ان سے ختم کر دیا جائے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ امت کی وحدت اور اس کا ملی اتحاد پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گا۔

ان کی اس منفی روش کے اثرات بد نہ صرف برصغیر میں بلکہ دیگر ممالک مثلاً برطانیہ، کناڈا، روس، امریکہ، افریقہ وغیرہ جہاں ایشیائی مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد آباد ہے نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں کہ اسلام کے ان نادان ٹھیکیداروں کے غلط رویہ کی بدولت خود اہل اسلام باہم دست و گریباں ہیں اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے مقابلے میں کفر و اسلام کی جنگ لڑ رہا ہے امت مسلمہ کے اس انتشار و اختلال اور باہمی مذہبی جنگ سے اسلام دشمن طاقتیں اسلام کے خلاف کیا کیا اور کس قدر فوائد حاصل کر رہی ہیں یہ اہل نظر و بینش سے مخفی نہیں ہے۔

چنانچہ جلالۃ الملک شاہ فیصل رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ نے جو ایک دردمند دل اور بیدار دماغ کے مالک تھے مسلمانوں کی اس باہمی فرقہ بندیوں اور مسلکی منافرت کے دور رس مضر اثرات کو پوری طرح محسوس کر لیا تھا اس لیے انھوں نے اپنے عہد حکومت میں مسلمانوں کے درمیان اس قسم کی تفرقہ اندازی کی کبھی ہمت افزائی نہیں کی بلکہ اتحاد بین المسلمین کو فروغ دینے کے لیے ہر اس دروازے کو بند کرنے کی سعی بلیغ کی جس میں داخل ہو کر ملت اسلامیہ میں انتشار و افتراق پیدا کیا جاسکتا تھا۔ ان کی مساعی جمیلہ کے بہتر نتائج ظاہر ہونے لگے تھے کہ دشمنان اسلام نے سازش کر کے انھیں شہید کرا دیا اور انجام کار ملت اسلامیہ اپنے ایک بیدار مغز، دور اندیش، اولوالعزم قائد سے محروم ہوگئی۔

جلالۃ الملک شاہ فیصل کے بعد ان کے جانشین شاہ فہد بھی اتحاد بین المسلمین کی اس پالیسی پر قائم رہے مگر بعد میں ایسے حالات پیش آگئے جس کی بنا پر اس کی جانب پوری توجہ

نہ کر سکے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے انتشار پسند اہل ظواہر نے نہایت ہوشیاری سے اپنا رابطہ حکومت کے اہل کاروں سے قائم کرلیا پھر دھیرے دھیرے اپنی جڑیں اس قدر مضبوط کرلیں کہ حکومت کے اہم ذمہ داروں تک ان کی رسائی ہوگئی اوراب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ مملکت کے تحت قائم تعلیمی اداروں پران کا بڑی حد تک تسلط ہے اور پوری آزادی کے ساتھ وہ ان تعلیمی اداروں کو اپنی تحریک کے لیے استعمال کر رہے ہیں جس کی تفصیلات بہت طویل ہیں یہ مختصر تحریر اس کی متحمل نہیں ضرورت پیش آئی تو پیش کیا جاسکتا ہے۔

اس موقع سے بطور مثال ایک واقعہ پیش کیا جارہا ہے جس سے صورت حال اچھی طرح منکشف ہوجائے گی۔ الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک فاضل ڈاکٹر شمس الدین السّلفی الافغانی کی ایک کتاب ”جهود الحنفیه فی ابطال عقاید القبوریه“ کے نام سے ابھی قریب زمانے میں تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، یہ کتاب درحقیقت ان کا وہ مقالہ ہے جس پر انھیں مدینہ یونیورسٹی کے کلیۃ الدعوہ سے دکتورہ کی سند تفویض کی گئی ہے۔

ڈاکٹریٹ کے اس مقالہ میں نہ صرف یہ کہ اصول تحقیق اور جرح وتعدیل کے مسلمہ قواعد سے انحراف کرکے بلکہ علمائے دیوبند کی اردو تحریروں کو خودساختہ عربی جامہ پہنا کر انھیں قبوری اور وثنی بتایا گیا ہے بالخصوص ان کے بڑے بڑے علماء کو جن کی علمی و دینی خدمات کے آگے لوگوں کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں نام بنام مبتدع اور دین سے منحرف کہا گیا ہے۔

بطور مثال چند حوالے پیش کیے جارہے ہیں: کتاب کے مقدمہ میں ایک عنوان قائم کیا گیا ہے ”اشهر فرق القبوریه“ اس عنوان کے تحت علماء دیوبند کو بھی قبوری فرقہ میں شمار کیا گیا ہے۔ مصنف کی عبارت ملاحظہ ہو:

۱- ”وكثير من الديوبندية وكثير من التبليغية، وغيرهم من الفرق القبورية“ (ج:۱، ص:۲۹)

۲- اسی مقدمہ میں نہ صرف علمائے دیوبند بلکہ مذہب احناف اور امام ابوحنیفہ پر نہایت ہتک آمیز الفاظ میں تبصرہ کیا گیا ہے۔

أما مقارنة المذهب الحنفي بالثلاثة ـ فحاصلها: أنه أبعدها عن السنة والتحقيق وأنه مبنى على كثير من الأصول الباطلة، والأقيسة العاطلة، والآراء الفاسدة، والأدلة الكاسدة، فأبوحنيفة كان من أئمة اهل الرأى والثلاثة كانوا من أئمة أهل الحديث. (ج:١، ص:٣٢) تعليقا

۳- مقدمہ ہی میں کتاب کی خصوصیات اور اہم مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تحقيق أن الديوبندية، والتبليغية الحنفية قبورية ولكنهم أخف من البريلوية إلا من شاء الله مع كون الديوبندية متعصبة كوثرية، مرجئة، ماتريدية، جهمية الخ" (ج:١،ص:٥١،٥٢)

۴- فقہ حنفی پر عمل کرنے والوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

لقد عرفت بالتجربة والاستقراء وبما قرأت وبما سمعت أن أكثر القبورية فى المنتسبين إلى المذاهب الأربعة هم الحنفية لكثرتهم ونفوذ سلطانهم ودولهم فى شرق الأرض وغربها من صينها إلى مغربها. (ج:١،ص:٤٢٢)

۵- فترى هؤلاء المتعصبة المقلدة لا سيما بعض من ينسب إلى الحنفية منهم كالكوثرية والديوبندية يبغضون السنة أشد البغض؛ فرفع اليدين عندهم أشد من وقع السيوف، والتامين بالجهر أشد من الرصاصة في قلوبهم" (ج:٢، ص:٥٧٦)

۶- مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی کے تذکرہ میں یوں لکھتے ہیں:

وكان مع إمامته وعلومه خرافيا قبوريا يعكف على القبور للمراقبة. (ج:١،ص:٥١٨)

۷- محدث العصر مولانا انور شاہ کشمیری رئیس التدریس بالجامعۃ الاسلامیہ دارالعلوم دیوبند سابقا کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں:

وقال خرافى آخر وهو الشاه محمد أنور الكشميرى (١٣٥٢) أحد

كبار ائمة الديوبنديه (ج:۱، ص:۵۱۹) **اور حاشیہ میں مزید لکھتے ہیں** وكان يحمل افكارًا خرافية صوفية حتى الميل إلى وحدة الوجود. (ج:۱،ص:۵۲۰)

۸- حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا ہے۔

وقد أكبره أشرف على التهانوي القبوري الخرافي الملقب عند الديوبندية بحكيم الأمة (ج:۱، ص:۵۲۱) تعليقا.

۹- شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رئیس التدریس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کو بھی انھیں الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے، لکھتے ہیں:

وقال حسين أحمد الملقب عند الديوبندية شيخ الإسلام، أحد كبار ائمة الديوبندية، وأحد مشاهير القبورية الخرافية وأحد الأعداء الالدّاء للدعوة السلفية وائمتها" (ج:۱،ص:۵۲۱)

پھر حاشیہ پر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کی تصانیف الشہاب الثاقب اور نقش حیات سے کچھ حوالے نقل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ بلکہ فتویٰ صادر کیا ہے۔

هذه نبذة من عقائد إمام الديوبندية والتبليغية الملقب بشيخ الإسلام، الخرافات القبورية والخزعبلات الصوفية، فضلا عن الطامات الماتريدية والتقليد الأعمىٰ والتعصب المقيت للحنفية فما بالك بغيره؟؟؟

وهذه من البراهين الباهرة والسلاطين القاهرة على أن ديوبندية والتبليغية من فرق القبورية، وانهم من أهل البدع وليسوا من أهل السنة" (ج:۱،ص:۵۲۲)

خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد رسول اللہ...... کی قبر مبارک کی زیارت کے مسئلہ پر علمائے دیوبند کے مسلک کو متعدد حوالوں سے ذکر کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

۱۰- قلت: اترك المجال للذين بغيتهم الإنصاف وضالتهم الحق دون العاطفة والعتصب والاعتساف أن يحكموا على هؤلاء الديوبندية الصوفية النقشبندية الماتريدية هل هٰؤلاء الديوبندية سنية سلفية ام هم مبتدعة قبورية خرافية؟؟؟ مع العلم بأن كثيرا من علماء الحنفية قد قاموا بإبطال تلك

الأحاديث الواردة في زيارة قبر النبي ﷺ وحكموا عليها بانها باطلة موضوعة فاسدة عاطلة، مصنوعة" (ج:٢، ص:٦٥٠)

ابوالعالیہ کا ایک اثر جس میں فتح تُستر کے موقع پر ہرمزان کے بیت المال میں رجل میت کی سرہانے کا ذکر ہے جس کے بارے میں ابوالعالیہ نے کہا کہ یہ حضرت دانیال نبی علیہ الصلاۃ والسلام ہیں اس طویل واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد حاشیہ میں علمائے دیوبند کے خلاف اپنے تعصب وتلعب کو یوں ظاہر کیا ہے۔

۱۱- قلت ... ولو ظفرت القبورية ولاسيما الديوبندية المتبركة المتوسلة به لحجوا إليه وتبركوا به وجعلوه عبدا وشددوا الرحال إليه، والله المستعان" (ج:٢،ص:٦٦٨)

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

۱۲- هو قاسم بن أسد على ... الصديقي النانوتوي الحنفي الماتريدي النقشبندي كان من كبار علماء الحنفية الزهاد والمتألهين وكان من الصوفية الخرافية القبورية وهو إمام الديوبندية على الإطلاق" (ج:٢، ص:٧١٣) تعليقا.

۱۳- اسی جلد۲ کے صفحہ ۷۱۷ پر علمائے دیوبند کے بارے میں لکھا گیا ہے:

ولقد كنت أحسن الظن بالديوبندية لما عندهم من العلوم الجمة والعقول والرد على القبورية فى كثير من البدع والشركيات.

ولكن رأيت عندهم من الشركيات والقبوريات والوثنيات وتصرف الأرواح والاستفاضة من القبور، والاستمداد من روحانية المشائخ شيئا كثيرا هو كنموذج من خرافاتهم القبورية التى لم أطلع عليها وهى تدل على ما وراءها بما لا يعلمه إلا الله.

ولقد توصلت إلى أنه لا فرق بين البريلوية وبين الديوبندية في هذه القبوريات إلا في امور.

اور حیرت تو یہ ہے کہ علمائے دیوبند جن کا بریلویوں سے عقائد میں اختلاف کالشّمس فی النہار کی مانند ظاہر وباہر ہے لیکن چونکہ علمائے دیوبند عصر حاضر کے اہل ظواہر کے بھی بہت سے امور میں مخالف ہیں اس لیے مصنف نے جرح وتعدیل کے مسلّم اصول کو نظر انداز کر کے ایک بریلوی عالم کے افترائات کو بنیاد بنا کر علمائے دیوبند کو بریلوی کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ محولہ صفحات کے مطالعہ سے یہ بات بالکل ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ ہے ڈاکٹر کی تحقیق جن پر ان کو سند دکتورہ تفویض کی گئی ہے۔ ''واللہ المستعان''.

۱۴- پھر علمائے دیوبند کے فرقۂ قبوریہ کے ساتھ اتصال وارتباط کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت أصل السر والسبب الوحيد لانخراط الديوبندية في العقائد القبورية هو انهم صوفية نقشبندية أصحاب بيعة (ج:۲،ص:۷۷۳)

مقالہ نویس کے نزدیک (جنھیں اس مقالہ پر کلیۃ الدعوۃ قسم العقیدۃ الجامعۃ الاسلامیۃ مدینہ منورہ سے دکتورہ کی سند تفویض کی گئی ہے) علمائے دیوبند کا صوفیہ نقشبندیہ واصحاب بیعت ہونا وہ جرم عظیم ہے جس کی پاداش میں انھوں نے علمائے دیوبند کو اہل سنت والجماعت سے خارج کر کے اہل بدعت، قبوری، خرافی، جہمی، مرجی وغیرہ فرقوں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے جب کہ خود برصغیر کے سلفیوں کے علی الاطلاق قائد ورئیس نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں:

> ''میں مشائخ کے تمام طریقوں کو موصل الی اللہ جانتا ہوں اور تمام مشائخ سے خواہ ان کا کوئی طریقہ بھی ہو حسن ارادت رکھتا ہوں البتہ میرا اور میرے آبا اور اساتذہ اور مشائخ کا طریقہ نقشبندیہ ہے اگرچہ اور طریقوں کی بھی اجازت ہے۔'' (مآثر صدیقی، ج:۴،ص:۵۲، مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۴۳ھ اشاعت نو ۱۴۱۱ھ جمعیۃ اہل سنۃ لاہور مولفہ سید علی حسن خاں فرزند صاحب سوانح)

صاحب مقالہ سے عرض ہے کہ وہ نواب صدیق حسن خاں صاحب، ان کے آباء، اساتذہ اور مشائخ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کیا یہ سب حضرات بھی صوفیہ نقشبندیہ و

اصحاب بیعت ہونے کی وجہ سے قبوری وخرافی ہیں؟

عصر حاضر کے سلفیوں کے استاذ الکل مولانا ''سید نذیر حسین دہلویؒ کے متعلق ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں: ''پنجاب اور بنگال میں ان کے مریدوں کی ایک بڑی تعداد تھی'' تو کیا صاحب بیعت ہونے کی بنا پر یہ بھی منخرط بہ فرقۂ قبوریہ ہیں؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ان کے چاروں صاحبزادے، شاہ اسماعیل شہید نبیرہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے پیر و مرشد حضرت سید احمد شہید بریلوی خلیفہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی یہ سب کے سب اکابر سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک اور صاحب بیعت و ارشاد ہیں۔ کیا ان بزرگوں کے بارے میں بھی مقالہ نگار کا وہی فتویٰ ہے جو اکابر دیوبند کے متعلق صادر کیا گیا ہے؟

علمائے دیوبند کے علاوہ علمائے اشاعرہ و ماتریدیہ کو بار بار جہمی لکھا گیا ہے جب کہ محدثین وفقہاء کی ایک بڑی جماعت ہر دور میں عقیدۂ اشعری و ماتریدی کی پابند رہی ہے۔ علاوہ ازیں کرمانی شارح بخاری، امام سیوطی، ابن حجر مکی ہیثمی، زرقانی شارح مؤطا، شیخ عبد الحق محدث دہلوی وغیرہ اعاظم علمائے دین اور خادمین کتاب وسنت کو جابجا قبوری و وثنی کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ گویا دین خالص کا حامل اور سنت رسول پر عامل امت کا وہی شرذمہ قلیلہ ہے جو اپنے آپ کو سلفی کہتا ہے اور بقیہ ملت کا سواد اعظم اور ساری جماعت مسلمین جو عقیدۃً اشعری یا ماتریدی ہیں اور فروعاً حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ہیں اور مشائخ طریقت سے حسن ارادت رکھتے ہیں اہل سنت والجماعت سے خارج، بدعتی، قبوری، وثنی، جہمی، مرجی، ہیں۔ فإلى الله المشتكى وهو المستعان.

جس کتاب میں اس طرح کے مواد ہوں اس پر الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ سے دکتورہ کی سند عطا کیا جانا نہ صرف باعث حیرت ہے بلکہ باعث صد افسوس وحسرت ہے کہ جو تعلیمی ادارہ قرآن وحدیث اور دیگر علوم دینیہ کی اشاعت اور صحیح علوم کی تفہیم و تعلیم کے لیے قائم کیا گیا تھا آج اسی علمی و دینی ادارہ سے مسلمانوں کو صحیح دین سے نکال دینے کا کام لیا جارہا ہے۔

مملکت سعودیہ عربیہ کو چونکہ حرمین شریفین سے ایک خاص انتساب ہے، پھر اس حکومت نے حرمین شریفین کی تعظیم وتکریم کے سلسلے میں جو تاریخی خدمات انجام دی ہیں نیز فریضۂ حج کی ادائیگی سے متعلق جس طرح کی بے مثال سہولتیں فراہم کی ہیں ہمارا اس حکومت، ارباب حکومت سے ایک جذباتی تعلق ہے چنانچہ اس تعلق کا مظاہرہ بار بار ہو چکا ہے۔ ابھی ماضی قریب میں تحفظ حرمین کے سلسلے میں علمائے دیوبند نے مملکت سعودیہ کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے سلسلے میں جو اہم کردار پیش کیا تھا کارکنان مملکت اس سے بخوبی واقف ہیں۔

اسی دیرینہ تعلق کی بناء پر ہمیں یہ توقع اور امید نہیں بلکہ یقین تھا کہ آج کل کے اہل ظواہر ایک خاص مہم کے تحت علمائے دیوبند پر جو نار وا کیچڑ اچھال رہے ہیں (جس کی وجہ سے جماعت مسلمین میں انتشار واختلال بڑھتا جارہا ہے) مملکت سعودیہ کی جانب سے ان کے اس انتشار پسند رویہ کی کسی طرح بھی ہمت افزائی نہیں ہوگی؛ اگرچہ بعض واقف کار حلقوں کی طرف سے ہمیں یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ مملکت کے اہل کار کھل کر ان اہل ظواہر کی تائید ونصرت کررہے ہیں مگر ہم نے ان اطلاعات پر اعتماد نہیں کیا لیکن اس کتاب کے منظر عام پر آجانے کے بعد اب ہمارا بھی یہی احساس ہے کہ دانستہ یا نادانستہ طور پر مملکت سعودیہ علمائے دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ میں ان انتشار پسند عناصر کی شریک کار ہوگئی ہے ورنہ ایک ایسے تعلیمی ادارے سے جو کلیتاً حکومت کے تحت قائم ہے اس طرح کی کتاب تیار نہ کرائی جاتی۔ یہ احساس صرف ہندوستان کے علمائے احناف ہی کا نہیں بلکہ پاکستان، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک اسلامیہ اور یورپ وافریقہ میں مقیم پیروان فقہ حنفی کا بھی یہی احساس ہے۔ اس تحریر کے ذریعہ ہم اسی احساس کو آپ تک پہنچانا چاہتے ہیں تاکہ اس احساس کے ردعمل میں اگر ہمارے دیرینہ وقدیم تعلق میں فتور پیدا ہوجائے اور رائے عامہ کا رخ کوئی ایسی صورت اختیار کرلے جو مملکت سعودیہ کے حق میں مناسب نہ ہو تو اس کا الزام علمائے دیوبند پر نہ آئے۔

رہا جن مسائل کی بنیاد پر اس کتاب میں علمائے دیوبند کو اہل سنت سے خارج،

بدعتی، قبوری، وثنی، جہمی، مرجی وغیرہ کا اتہام عائد کیا گیا ہے ہم ان مسائل پر گفتگو کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔ بلکہ ہماری تو یہ رائے ہے کہ اگر مناسب سمجھا جائے تو بین الاقوامی سطح پر ہر جماعت کے منتخب علماء کا حجاز، یا ہندوستان یا پاکستان میں اجتماع بلالیا جائے اور ان مسائل پر اس منتخب مجلس علماء میں بحث و تحقیق ہو جائے۔

ہم پر مختلف ممالک سے یہ زور دیا جارہا تھا کہ دیوبند یا دہلی میں بین الاقوامی سطح پر علمائے احناف بالخصوص دیوبندی مکتبہ فکر سے وابستہ لوگوں کی ایک کانفرنس بلائی جائے تاکہ متفقہ طور پر اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے کوئی لائحہ عمل مرتب کر کے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ لیکن ہم نے مناسب یہی سمجھا کہ پہلے مملکت کے ارباب حل وعقد کے سامنے اپنے احساس کو رکھ دیں اس کے بعد جو صورت حال سامنے آئے اس کے پیش نظر آئندہ کے اقدام کے لیے سوچا جائے۔

وما توفيقي الا بالله وهو حسبي ونعم الوكيل وصلى الله على رسوله الكريم وعلى آله واصحابه اجمعين.

آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے

غالباً مئی کا آخری عشرہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک موقر استاذ نے خبر دی کہ تمہارے مقالہ ''علمائے دیوبند ایک تعارف'' پر مجلّہ اشاعۃ السنہ دہلی شمارہ مارچ، اپریل نے تنقیدی مضمون شائع کیا ہے، یہ سوچ کر اس اطلاع کو اہمیت نہیں دی گئی کہ معاصر مذکور کا تو یہی مشغلہ ہے کیونکہ اس نے اپنے لیے جو راہِ عمل اختیار کی ہے اس میں یہ شغل ناگزیر ہے، لہٰذا اس کے تعاقب میں اپنا وقت کون ضائع کرے۔

لیکن اوائل جولائی میں ایک غیر متعارف بہی خواہ کا بذریعہ ڈاک مکتوب صادر ہوا جس میں سلام ودعا کے بعد انھوں نے لکھا تھا کہ ایک دوست سے آپ کے مقالہ ''علمائے دیوبند ایک تعارف'' کی تعریف وتحسین سن کر اس کے مطالعہ کا اشتیاق ہوا چنانچہ انھیں سے ماہنامہ دارالعلوم لے کر پڑھا سچی بات یہ ہے کہ علمائے دیوبند کے تعارف میں اختصار کے ساتھ مبالغہ سے بری ایسی جامع تحریر اب تک نظر سے نہیں گزری تھی۔

مقالہ کے آخر میں علمائے دیوبند کے بارے میں اہل حدیث علماء کے رویہ کی جو تفصیل آپ نے پیش کی ہے وہ بھی بجائے خود بڑی خاصہ کی چیز ہے، اس جماعت کے بارے میں جو سنا تھا کہ ایک منفی پسند جماعت ہے جو مثبت طور پر علمی ودینی خدمت کے بجائے علمائے دین کے کاموں میں کیڑے نکالنے سے زیادہ دلچسپی رکھتی ہے۔ جناب نے اہل حدیث علماء کی کتابوں سے جو اقتباسات نقل کیے ہیں ان سے اس کی تصدیق ہوگئی کہ یہ جماعت اپنے علاوہ دیگر طبقات مسلمین کے کاموں کو نہ صرف لائق التفات نہیں سمجھتی بلکہ انھیں سچا پکا مسلمان ماننے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔

اسی دوران ایک ذاتی سفر پر بنارس جانا ہوا وہاں ایک دوست کے پاس ''اشاعۃ

السنہ دہلی'' دیکھنے کو ملا چونکہ یہ رسالہ میرے لیے بالکل نیا تھا اس لیے اس کی ورق گردانی شروع کردی، اس پر میرے دوست نے کہا کہ رسالہ ساتھ لیتے جائیے اور اطمینان سے پڑھ کر اگر جی چاہے تو واپس کر دیجیے گا۔ چنانچہ رسالہ اپنی قیام گاہ پر لے آیا اور مطالعہ شروع کیا تو حرف اولیں میں مدیر اعزازی ابو عامر رضا بدایونی کے قلم سے جناب کے اس مذکورہ مقالہ پر تنقید و تبصرہ پڑھ کر دم بخود رہ گیا کہ جس تحریر کو میں اب تک تحقیق کے اعلیٰ معیار پر سمجھے ہوئے تھا وہ تحریف و ترمیم کا پلندہ نکلی اس انکشاف سے دل پر جو گزری اسے بیان نہیں کر سکتا پوری رات شکوک و شبہات کے طلاطم میں غوطے کھاتے گزر گئی، سفر سے واپس گھر لوٹا تو سیدھے اپنے دوست کے پاس پہنچا جن کی نشاندہی پر میں نے آپ کا یہ مقالہ پڑھا تھا، اور مجلّہ اشاعۃ السنہ کا یہ ادارتی مضمون کھول کر انھیں دیا کہ اسے پڑھ لیجیے انھوں نے مضمون پڑھ کر دوسرے دن مجھ سے کہا کہ ایک طرفہ بات پر کوئی فیصلہ مناسب نہیں ماہنامہ دارالعلوم کے مدیر کو خط لکھ کر اس بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کے بعد ہی کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ یہ خط ان کے اسی مشورہ پر لکھ رہا ہوں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مجلّہ اشاعۃ السنۃ دہلی کے شمارہ مارچ، اپریل ۲۰۰۱ء میں اس کے مدیر اعزازی جناب ابو عامر رضا بدایونی نے پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب اور مولانا محمد صاحب جونا گڑھی کی عبارتوں میں آپ نے تحریف کر کے اپنے مقصد کے مطابق بنالیا ہے انھوں نے اس کی مثالیں بھی پیش کی ہیں، جس سے ان کا الزام درست معلوم ہوتا ہے، اور آپ نے بھی پورے وثوق کے ساتھ کتاب وصفحات کے حوالوں سے دونوں بزرگوں کی عبارتیں نقل کی ہیں اس لیے اصل سچائی تک پہنچنا ہمارے لیے دشوار ہے، اور ہمارے جیسے نہ جانے کتنے لوگ جنھوں نے ماہنامہ دارالعلوم میں اس مقالہ اور اشاعۃ السنہ میں شائع اس تنقید کو دیکھا ہوگا اس تذبذب کے شکار ہوں گے۔ اس طرح کی صورت حال علماء سے اعتماد کو اٹھا دیتی ہیں۔ اس لیے اگر واقعی آپ سے دانستہ یا نادانستہ غلطی ہوگئی ہے تو پہلی فرصت میں آپ کو اپنی اس غلطی سے رجوع کر لینا چاہیے اور رجوع نامہ ماہنامہ دارالعلوم میں شائع کر دینا چاہیے حق پسندی کا

یہی تقاضا ہے اور اگر واقعی آپ کے حوالے درست ہیں اور مدیر اعزازی اشاعۃ السنہ نے محض الزام تراشی کی ہے تو ماہنامہ دارالعلوم کے صفحات میں اس الزام تراشی کی قلعی کھولنی ضروری ہے یہ تنہا آپ کی ذات کا معاملہ نہیں بلکہ پوری جماعتِ دیوبند کی علمی دیانت و امانت کو چیلنج کیا گیا ہے، حیرت ہے کہ اس نزاکت کو آپ نے کیوں نہیں محسوس کیا اور چپ سادھے رہے، میری اس طول کلامی کو امید ہے کہ انگیز کریں گے اور میری گذارش پر ضرور توجہ دیں گے"

اس خط اور اس میں بیان کیے گئے تاثر کے بعد بھی مذکورہ تنقیدی مضمون پر بحث و نظر سے گریز بظاہر اپنے آپ کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دینے کے مرادف تھا اس لیے ناچار طے کرنا پڑا کہ معاصر مذکور کی تنقید کا جائزہ لیا جائے اور علم و دیانت کے معیار پر جو بات پوری اترے اسے بے کم و کاست ارباب دین و دانش کی عدالت میں پیش کر دیا جائے۔ اس فیصلہ کے بعد دلی میں مقیم ایک کرم فرما کے ذریعہ مجلّہ اشاعۃ السنہ کی یہ کاپی حاصل کی گئی، اس کے مطالعہ کے بعد جو حقائق سامنے آئے آیندہ سطور میں انھیں ملاحظہ کیجیے۔

مجلّہ اشاعۃ السنہ کے مدیر اعزازی جناب ابو عامر رضا بدایونی صاحب اپنی ادارتی تحریر حرف اولیں کی ابتداء کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم بابت ماہ دسمبر ۲۰۰۰ء کا شمارہ ایک صاحب نے لاکر دیا اور اس کو بغور پڑھنے کی درخواست کی، رسالہ کا پہلا مضمون "علمائے دیوبند ایک تعارف" مدیر رسالہ کے قلم سے پورے بیس صفحات پر مشتمل ہے، مضمون کا ابتدائی حصہ تعریف و تمہید دیوبند و مسلک دیوبند پر مشتمل ہے اور ہمیں اس کا اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ مدیر محترم نے اپنے مسلک کی ترجمانی کا پورا پورا حق ادا کیا ہے نہیں بلکہ کچھ زیادہ بھی۔" (دوماہی مجلّہ اشاعۃ السنہ دہلی شمارہ مارچ، اپریل ۲۰۰۱ء ص: ۵)

ان سطور سے ظاہر ہو رہا ہے کہ محترم مدیر اعزازی صاحب ایک طرح کی گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہیں، ماہنامہ دارالعلوم کے اس مقالہ سے وہ متاثر تو ہیں مگر اس تاثر کے

اظہار میں ان کا قلم ان کی رفاقت کے لیے آمادہ نہیں چنانچہ بجبر اعتراف واقرار کے چند الفاظ کے بعد ان کی گرفت سے آزاد ہو کر بول اٹھتا ہے ''نہیں بلکہ کچھ زیادہ بھی'' اس جملہ کو اس کے سیاق وسباق سے ملا کر دیکھا جائے تو اپنے اشہب قلم کی سرکشی کے آگے آں محترم کی بیچارگی ودرماندگی اچھی طرح محسوس کی جاسکتی ہے جس کی بنا پر ان کی تحریر کا یہ پیرا ''اقرار اک طرف ہے تو انکار اک طرف'' کا نمونہ بن گیا ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''بھلا ہمیں اس میں کیا اعتراض ہوسکتا ہے ہر شخص کو اپنے مسلک، موقف اور نظریہ کو اچھے سے اچھے ڈھنگ سے بیان کرنے کا حق ہے، مگر افسوس ہوا کہ موصوف اپنی جماعت کے تعارف سے نکل کر جماعت اہل حدیث کے خلاف الزام تراشی پر اتر آئے اور وہ سب کچھ لکھ گئے جو ایک متعصب، فتنہ پرور کہہ سکتا ہے۔'' (ایضاً ص:۵)

ان سطور سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آں موصوف دل وقلم کی اس کشمکش سے ابھی باہر نہیں نکل سکے ہیں بلکہ دل کی سچائی پر سرکش قلم کی گرفت کچھ سخت ہی ہوگئی ہے کہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر کے اس جرم بے گناہی پر کہ اس نے علمائے دیوبند کے تعارف کے آئینہ میں گروہ اہل حدیث کو ان کا اصلی چہرہ کیوں دکھادیا اس قدر الف ہو گئے کہ علم واخلاق اور شرافت ومروت کی حدوں سے گزر کر دشنام طرازی اور افتراء پردازی پر آگئے اور مدیر ماہنامہ دارالعلوم کو ایک سانس میں الزام تراش، عصبیت پسند، فتنہ پرور جیسی گالیاں دے ڈالیں (غالباً سانس نے آگے ساتھ نہیں دیا ورنہ مزید صلواتیں سناتے) اور اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کے باوصف احادیث رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ''المؤمن لا یکون لعانا'' نیز ''اذا خاصم فجر'' کا مطلق پاس ولحاظ نہیں کیا ان کے اس غیر مؤمنانہ رویہ پر بجز اس کے اور کیا کہا جائے کہ

کتنے شیریں ہیں ترے لب کہ رقیب　　　گالیاں کھاکے بے مزا نہ ہوا

اگلی سطروں میں مدیر ماہنامہ دارالعلوم پر علمی خیانت کا الزام چسپاں کرنے کی غرض

سے تحریر کرتے ہیں:

اور اس کے بعد نواب صدیق حسن خاں بھوپال (۱) کی کتاب ترجمان وہابیہ سے ایک ناقص (۲) عبارت نقل کی ہے اور اس میں ہاتھ کی صفائی سے باز نہیں آئے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا اور ان (۳) تمام فریبوں اور دغا بازیوں کی علم رائے ہے جو مسلمانوں میں بعد پیغمبر برحق پھیلا ہے اور مہا جال ان سب خرابیوں کا بول چال فقہا اور مقلدوں کی ہے اور ساری خرابی ڈالی ہوئی ان ملاّؤں کی ہے جو دام تقلید میں گرفتار ہیں اور بدعت و شرک کے نشہ میں سرشار'' (ماہنامہ دارالعلوم ص۱۳-۱۴)

قارئین کرام! مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے میں مولوی حبیب الرحمٰن مدیر دارالعلوم نے دیوبندی دیانت کا جو ثبوت فراہم کیا ہے وہ واقعی ان ہی کا حصہ ہے ابھی تک ہم حوالوں میں کتر بونت (۴) اور من چاہے معانی نکالنے میں ایک اور فرقہ ہی کو مشاق مانتے تھے مگر ابوبکر غازی پوری اور حبیب الرحمٰن مدیر دارالعلوم کی کارستانیوں کے بعد ہمارے نظریہ میں تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔ غازیپوری کی کتابیں جس نے پڑھی ہیں اور اصل کتابوں تک اس کی رسائی ہے یا اس کا کچھ موازنہ کیا ہے تو وہ اس شخص کی مشاقی کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اب اس مضمون کو پڑھ کر ہم نے اصل مراجع کی طرف رجوع کیا تو پتہ چلا کہ

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

(۱) نواب صدیق مرحوم بھوپال نہیں بلکہ بھوپالی ہیں پتہ نہیں مدیر اعزازی صاحب کے نزدیک یہ کتابت کی غلطی ہے یا ہاتھ کی صفائی؟

(۲) کاش کہ مدیر موصوف کامل عبارت نقل کر دیتے تاکہ ماہنامہ دارالعلوم کے مدیر کا یہ تنقیصی عمل مبرہن ہو جاتا اور دعویٰ محض دعویٰ ہی نہ رہ جاتا۔

(۳) اور ان تمام نہیں بلکہ کان تمام الخ نواب صاحب کے الفاظ ہیں اور ماہنامہ دارالعلوم میں بھی ''کان'' ہی ہے مگر ہم اسے ہاتھ کی صفائی نہیں سمجھتے۔

(۴) کتر بونت نہیں بلکہ کتر بیونت صحیح ہے اگر یہ کتابت کی غلطی نہیں تو املاء سے ناواقفیت یا دانستہ محاورہ میں تحریف ہے حقیقت واقعہ کا علم مدیر اعزازی صاحب ہی کو ہوگا۔

مندرجہ بالا عبارت میں جہاں جہاں ہم نے نیچے خط کھینچا ہے وہاں وہاں موصوف نے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے۔ چنانچہ حیلوں کو میلوں بنا دیا اور علم رائے محض کو، محض اڑا کر صرف علم رائے کر دیا اور ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے کہ علم رائے اور علم رائے محض میں زمین آسمان کا فرق ہے۔(۱) لیکن نواب صاحب کی عبارت میں کیڑے نکالنے کے لیے اس میں یہ تبدیلی لازم وضروری تھی، اس طرح ''فقہاء اور مقلدوں'' دونوں کے پہلے بعض فقہاء، اور بعض مقلدوں لکھا ہوا ہے اس میں سے لفظ بعض کو دونوں جگہ سے اڑا دیا گویا جو بات نواب صاحب بعض فقہاء اور بعض مقلدوں کے بارے میں کہہ رہے ہیں اس کو لفظ بعض اڑا کر تمام فقہاء اور تمام مقلدوں کے لیے عام کر دیا۔

جب دیانت داری، تقویٰ، پرہیزگاری، علم ومعرفت جس کی قصیدہ خوانی موصوف نے اپنے اس مضمون میں کی ہے جو خاص دیوبند کا حصہ ہے یہ ہو تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ باقی باتوں میں کس قدر صادق القول ہوں گے۔ (مجلّہ اشاعۃ السنہ دہلی مارچ، اپریل ۲۰۰۱ ص: ۵، ۶، ۷)

ناظرینِ کرام! مدیر اعزازی صاحب کی یہ طویل عبارت آپ کے پیش نظر ہے۔ (اس طوالت کو محض اس لیے انگیز کیا گیا ہے تاکہ آں موصوف کو ناقص عبارت نقل کرنے کا شکوہ نہ رہے) اس میں محترم نے پوری قوت بلکہ انتہائی جسارت کے ساتھ اپنے قارئین کو یہ جتانے کی سعی کی ہے کہ ماہنامہ دارالعلوم کے مدیر نے والا جاہی نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کی اصل عبارت میں کاٹ چھانٹ کر کے اسے اپنے من پسند معانی میں ڈھال لیا اور اپنی اس بات کو انھوں نے جس طرح دو، دو چار کے انداز میں پیش کیا ہے اسے دیکھ کر مدیر ماہنامہ کے محرِّف ہونے پر کون شبہ کرسکتا ہے۔ مگر آپ کو یہ جان کر انتہائی حیرت ہوگی کہ مدیر اشاعۃ السنہ کی یہ خالص بہتان طرازی ہے، نواب صاحب مرحوم کی اس عبارت میں ''علم رائے'' کے بعد محض کا لفظ قطعی طور پر نہیں ہے ''علم رائے'' کے ساتھ لفظ

---

(۱) غالباً مدیر موصوف کو اپنے مسلک کے علماء کی نصوص سے واقفیت نہیں ورنہ یہ جملہ لکھنے کی جسارت کبھی نہ کرتے کون نہیں جانتا کہ علمائے ظاہر اور انھیں کی اتباع میں زمانۂ حال کے اہل حدیث علی الاطلاق علم رائے کو مذموم سمجھتے ہیں علم رائے اور علم رائے محض میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

محض کا یہ لاحقہ آں موصوف کا خود ساختہ ہے، غالباً انہیں یہ معلوم نہیں یا اس سخن سازی کی دھن میں ان کے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ رائے محض جو کتاب وسنت یا اجماع سے ماخوذ ومستنبط نہیں ہوتی فقہاء ومحدثین سب کے نزدیک غیر معتبر اور مذموم ہے ورنہ نواب صاحب کی عبارت میں اس بے جوڑ پیوندکاری کی غلطی نہ کرتے۔

نواب صاحب رحمہ اللہ کی اس عبارت میں بدستِ خاص ترمیم واصلاح کر کے مدیر موصوف نے اگر چہ کچھ دیر کے لیے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر پر الزام تراشی کی گنجائش پیدا کرلی مگر یہ نہیں خیال کیا کہ اس بیجا ترمیم سے امام السنۃ، خاتم المحدثین مجدد فی الہند عالی جاہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کا معروف ومسلم علمی مقام ومرتبہ دائرۂ بحث ونظر میں آجائے گا، کیونکہ اس ترمیم کی صورت میں لازم آتا ہے کہ جس رائے وقیاس کو فقہائے مجتہدین اوران کے متبعین ناجائز اور مذموم مانتے ہیں اور جس خودرو قیاس ورائے کی بیخ کنی کر کے اس کے پنپنے کی راہیں مسدود کردی ہیں اسی موہوم رائے کو بنیاد بنا کر نواب صاحب مسلم معاشرہ پر حیلہ جوئی، مکر سازی، فریب آفرینی اور دغابازی کی پھبتی کس رہے ہیں کیا نواب صاحب جیسے متبحر، کثیر التصنیف عالم دین کے بارے میں ایسی فاش غلطی کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ مدیر اعزازی صاحب نے نواب صاحب کی اس عبارت میں ترمیم کر کے اپنی علمی دیانت وامانت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ تو ظاہر ہے، ساتھ ہی عالی جاہ نواب صاحب مرحوم کے علم ودانش کو بھی داؤ پر لگا دیا ہے۔

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

اس موقع پر یہ بھی ملحوظ رہے کہ ماہنامہ دارالعلوم کے مدیر نے اپنے مدعا کے ثبوت میں نواب صاحب مرحوم کی زیر بحث عبارت کے علاوہ درج ذیل عبارت بھی نقل کی ہے۔

> ’’سو محمد بن عبدالوہاب خود مقلد مذہب حنبلی من جملہ انھیں چار مذاہب کے ہے جو بالفعل عامۃً رائج ہیں اور فرقۂ موحدین (ماضی میں اہل حدیث اپنے کو موحدین کہتے تھے، ناقل) کسی مذہب خاص کے ان مذاہب میں سے پیرو اور مقلد نہیں ہیں کیونکہ یہ سب مذاہب بعد از زمانۂ نبوت اسلام کے

حادث ہوئے ہیں، فرق درمیان مقلد مذاہب اور فرقہ موحدین کے فقط اتنا ہے کہ موحدین نرے قرآن وحدیث صحیح ہی کو مانتے ہیں اور باقی مذاہب اہل الرائے ہیں جو مخالف سنت اور طریقۂ شریعت ہے۔'' (ترجمان وہابیہ مع معاہدۂ اتفاقیہ ۱۳۱۲ھ مطبوعہ مطبع محمدی لاہور ص ۶۲)

نواب صاحب مرحوم فرقۂ اہل حدیث اور دیگر مذاہب میں فرق بیان کرتے ہوئے اپنی اس تحریر میں صاف لفظوں میں لکھ رہے ہیں کہ ''فرق درمیان مقلد مذاہب اور فرقۂ موحدین کے فقط اتنا ہے کہ موحدین نرے قرآن وحدیث صحیح کو ہی مانتے ہیں اور باقی مذاہب اہل الرائے ہیں جو مخالف سنت اور طریقۂ شریعت ہے'' اور مدیر اعزازی صاحب نے اس حوالہ کو اپنی تنقید اور عمل جراحی کا تختۂ مشق نہیں بنایا ہے۔ جس سے یہی ظاہر ہے کہ آں موصوف اس نقل کو مطابق اصل مان رہے ہیں اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں بھی نواب صاحب ''اہل الرائے'' لکھ رہے ہیں اہل الرائے المحض نہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی زیر بحث سابق عبارت میں بھی علم رائے ہی ہے علم رائے محض نہیں ہے ورنہ نواب صاحب کی دونوں عبارتوں میں ایک طرح کا تضاد ہو جائے گا جو ایک بالغ نظر عالم کی شایان شان نہیں اس لیے ماننا پڑے گا کہ نواب صاحب نے صرف رائے محض کے بارے میں نہیں بلکہ مطلق ''رائے'' کے متعلق یہ اظہار خیال فرمایا ہے۔ جس سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر نے اس عبارت کی نقل میں کوئی خیانت نہیں کی ہے البتہ مدیر اعزازی اشاعۃ السنہ کو یہ اعزاز ضرور حاصل ہے ''حق بحق دار رسید''

''ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا''

آں محترم نے اسی زیر نظر عبارت میں مدیر ماہنامہ دارالعلوم کی بزعم خویش ایک اور خیانت کی نشاندہی یوں کی ہے:

''اس طرح ''فقہاء اور مقلدوں'' دونوں کے پہلے ''بعض فقہاء اور بعض مقلدوں'' لکھا ہوا ہے، اس میں سے لفظ بعض کو دونوں جگہ سے اڑا دیا گویا جو بات نواب صاحب بعض فقہاء اور بعض مقلدوں کے بارے میں کہہ

رہے ہیں اس کو لفظ بعض اڑا کر تمام فقہاء اور تمام مقلدوں کے لیے عام کردیا۔''(۱)(اشاعۃ السنہ ص ۶)

خدا جانے مدیر اعزازی صاحب کے ہاتھ وہ کون سا آلہ آ گیا ہے جس کی مدد سے انھیں نواب صاحب مرحوم کی عبارت میں وہ الفاظ بھی نظر آ جاتے ہیں جنھیں مرحوم نواب صاحب نے سرے سے لکھا ہی نہیں ہے۔

ناظرین کرام! ذیل میں نواب صاحب علیہ الرحمہ کی مکمل عبارت درج کی جارہی ہے آپ دیکھیں آخر وہ الفاظ کہیں ہیں جنھیں موصوف پوری دیدہ دلیری کے ساتھ لکھ رہے ہیں اور اسی بنیاد پر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر کو بددیانت اور جھوٹا بتانے کے درپے ہیں۔

نقل عبارت عالی جاہ نواب صاحب مرحوم

''سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا، اور کان تمام فریبوں اور دغابازیوں کی علم رائے ہے جو مسلمانوں میں بعد پیغمبر برحق کے پھیلا ہے، اور مہا جال ان سب خرابیوں کا بول چال فقہاء اور مقلدوں کی ہے اور ساری خرابی ڈالی ہوئی ان ملاؤں کی ہے جو دام تقلید میں گرفتار ہیں اور بدعت اور شرک کے نشہ سے سرشار۔'' (ترجمان وہابیہ مع معاہدہ اہل حدیث وحنفیہ مسمّٰی بہ معاہدہ اتفاقیہ ۱۳۱۲ھ، مطبوعہ محمدی واقع لاہور، ص: ۲۴)

نواب صاحب کی تصنیف ''ترجمان وہابیہ'' کے جس مطبوعہ نسخہ سے یہ حوالہ نقل کیا گیا ہے اس کا مطبع اور صفحہ سب لکھ دیا گیا ہے تاکہ اصل کتاب کی طرف مراجعت میں سہولت ہو نواب صاحب مرحوم کے یہ اور جتنل اصلی الفاظ اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ اس محولہ عبارت سے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر نے ''محض'' اور ''بعض'' کے الفاظ اڑا کر تحریف جیسی خیانت نہیں کی ہے بلکہ نواب صاحب کے کرم فرما مدیر اعزازی اشاعۃ السنہ نے اصل عبارت میں اپنی جانب سے دونوں لفظوں کا اضافہ کرکے سلفی دیانت کا ثبوت

(۱) اگر لگے ہاتھوں آں موصوف بعض فقہاء اور بعض مقلدین کی تعیین فرمادیتے تو بات منقح ہوجاتی کہ یہ کن فقہاء اور کن مقلدوں کے بارے میں کہا جارہا ہے اس ابہام سے تو بات وہیں کی وہیں رہی۔

پیش کیا ہے۔اور فرمان الٰہی وَمَنْ یَکْسِبْ خَطِیْئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا و اثمًا مُبِیْنًا. سے یکسر چشم پوشی کرلی، "یاللعجب"

آں موصوف کی اس کارستانی پر اگر کوئی گستاخ، ادب سے عاری انھیں کی زبان و الفاظ میں کہنے لگے کہ رضا بدایونی نے تو جھوٹ، فریب اور بے بنیاد الزامات تراشنے میں رضا خانیوں کے بھی کان کتر لیے ہیں تو اس کے جواب میں یہی کہنا پڑے گا۔

کیا کریں دھبے اسی کی آستیں پر مل گئے　　جس کی پیشانی پر لکھا تھا کہ میں قاتل نہیں

مدیر موصوف ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر کے جرم تحریف کی تعداد بڑھانے کی غرض سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''مدیر ماہنامہ دارالعلوم نے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے کہ ''حیلوں'' کو''میلوں'' بنادیا'' جب کہ انھیں خوب معلوم ہے کہ عام بول چال میں حیلوں ومکروں استعمال ہوتا ہے نہ کہ میلوں ومکروں کیونکہ مکر کے ساتھ میلہ کا کوئی معنوی ربط نہیں ہے، آں موصوف تو ماشاء اللہ مدیر اعزازی جیسے معزز مقام پر فائز ہیں، ایک معمولی اُردو خواں بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ دانستہ تحریف نہیں بلکہ کتابت کی غلطی ہے اس طرح کی غلطیوں کا رہ جانا کوئی مستبعد نہیں بالخصوص کمپیوٹر کی کتابت میں تو یہ شکایت عام ہے۔ زیر نظر مجلہ اشاعة السنہ صفحہ ۳ کی درج ذیل عبارت ملاحظہ کیجیے:

> ''تشریح: "وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوْب" سے مراد یہ ہے کہ موسیٰ کی کتاب تکوین میں جو لکھا ہے کہ ساتویں دن خدا نے آرام کیا یہ تعریف انسانی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دنیائے حقیر کو پیدا کر کے بالکل تکان محسوس نہیں کی، کیونکہ وہاں تھک جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہاں تو صرف اعادہ کی ضرورت ہے اور پھر آپ سے آپ کائنات منصف مشہود پر جلوہ گر ہوجاتی ہے۔''

اس مختصر سی عبارت میں تینوں خط کشیدہ الفاظ غلط طبع ہوئے ہیں، تعریف کے بجائے تحریف، اعادہ کی جگہ ارادہ اور منصف مشہود کے بدلہ منصۂ شہود ہونا چاہیے۔ اب ان کتابتی غلطیوں کو دیکھ کر کوئی سر پھرا یہ کہنے لگے کہ علامہ محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ کی عبارت میں مولانا ابو عامر رضا بدایونی مدیر اعزازی اشاعة السنہ نے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے اور علامہ

کے اصل الفاظ میں ردوبدل اور تحریف کر کے اسے کچھ سے کچھ بنادیا تو ظاہر ہے کہ مدیر موصوف اس کو یہی جواب دیں گے۔

ادا سناش نئی دلبرا خطا ایں جاست

مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیو بند کی مزید تحریفات کو بتانے کے لیے آگے لکھتے ہیں:

''دوسری مثال حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڑھی کی مشہور زمانہ کتاب ''طریق محمدی'' سے دو عبارتیں پیش کی گئی ہیں جس میں پہلی عبارت اس صفحہ میں کہیں نہیں ہے جس کا حوالہ دیا ہے اور دوسری عبارت میں درمیان سے کافی عبارت اڑا کر اس کو ایک عبارت بنانے کی سعی مذموم کی گئی ہے...

بہر حال یہاں ہم اپنے قارئین کو صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڑھی جن کی کتاب کی دو محرف عبارتیں پیش کر کے مولوی حبیب الرحمٰن اعظمی نے ان کو مخالف ائمہ کرام و دشنام دہندہ بزرگان اعلام ظاہر کرنا چاہا ہے، الحمد للہ حضرت نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی اور حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڑھی نہ صرف پکے سچے موحد، مسلمان، خادم اسلام تھے بلکہ ائمہ اسلام خصوصاً ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اجمعین کو اپنا پیشوا اور بزرگ مانتے تھے۔'' (مجلّہ اشاعۃ السنہ مارچ، اپریل ۲۰۰۱÷ص ۷)

مدیر موصوف کو غالباً ''تحریف'' سے خاص انسیت ہے اسی لیے انہیں ہر جگہ تحریف ہی تحریف نظر آتی ہے اس کے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ گذشتہ سطور میں ملاحظہ کیا جا چکا ہے کہ والا جاہی نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کی اصل عبارت میں بقلم خود اضافہ پھر اس جعلی تحریر کو ان کی جانب منسوب کر کے اپنے ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کیا تھا۔

اس موقع پر بھی آں موصوف نے مبہم انداز میں کچھ اسی طرح کی کوشش کی ہے کہ اپنے قارئین کو یہ تاثر دینے کے لیے کہ مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیو بند نے حضرت مولانا جونا گڑھی صاحب کی جانب ایسی بات منسوب کر دی جو ان کی کتاب میں نہیں ہے لکھتے ہیں ''کتاب ''طریق محمدی'' سے دو عبارتیں پیش کی گئی ہیں جس میں پہلی عبارت اس صفحہ

پر کہیں نہیں ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔''

جب کہ حوالہ کی صحت کے سلسلہ میں یہ بات کافی سمجھی جاتی ہے کہ جس کتاب سے عبارت نقل کی گئی محولہ کتاب میں بعینہٖ موجود ہونی چاہیے، رہا صفحات میں مطابقت کا معاملہ تو یہ ثانوی درجہ کی چیز ہے کیونکہ محولہ کتاب کے نسخوں کے مختلف ہونے کی صورت میں بالعموم صفحات میں اختلاف ہو ہی جاتا ہے اس لیے محولہ صفحہ پر عبارت کا نہ ہونا چنداں قابل گرفت نہیں لیکن یہاں تو ساری خامہ فرسائی کا مقصد ہی مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کی تحریر میں کسی نہ کسی طرح کیڑے نکالنا اور اسے زبردستی علمی دیانت سے عاری ٹھہرانا ہے اس لیے اصول وضوابط سے چشم پوشی ہی نہیں بلکہ صحیح حوالوں میں ترمیم وتحریف کو بھی روا سمجھ لیا گیا ہے۔ بہرحال مدیر موصوف کی سہولت کی غرض سے مولانا جوناگڑھی کی پہلی عبارت مع صفحہ درج کی جارہی ہے ''طریق محمدی'' کے محولہ نسخہ سے مقابلہ کرکے اطمینان کرلیں اور بتائیں اس میں کیا ہاتھ کی صفائی دکھائی گئی ہے اور کس لفظ وجملہ میں تحریف کی گئی ہے۔

نقل عبارت مولانا محمد صاحب جوناگڑھی

''الغرض جس طرح باپ دادوں کی تقلید موجب گمراہی ہے اسی طرح سادات بزرگوں کی اور اسی طرح علماء کرام اور خدا والوں کی بھی وہ بزرگ گو حق پر ہوں اور راہ یافتہ ہوں لیکن ان کی تقلید پھر بھی موجب ضلالت رہے گی۔''

(طریق محمدی ناشر اہل حدیث اکیڈمی مئوناتھ بھنجن، سن اشاعت مارچ ۲۰۰۰ء ص۲۲)(۱)

رہا دوسرے حوالہ کے بارے میں مدیر اعزازی صاحب کا یہ الزام کہ ''دوسری عبارت میں درمیان سے کافی عبارت اڑا کر اس کو ایک عبارت بنانے کی سعی مذموم کی گئی ہے'' تو یہ بھی نرا الزام ہی ہے، یہاں دو الگ الگ عبارتوں کو ایک نہیں بنایا گیا ہے بلکہ طوالت سے بچنے کی غرض سے ایک ہی عبارت سے بعض حصے حذف کیے گئے ہیں، کون

(۱) یہاں بالقصد ''طریق محمدی'' کے اس خاص نسخہ کو حوالہ کے لیے منتخب کیا گیا ہے کیونکہ اسے ایک اہل حدیث عالم نے مراجعت وتحقیق کے بعد شائع کیا ہے اور امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے اس پر تقریظ ثبت فرمائی ہے اس لیے دیگر نسخوں کے مقابلہ میں یہ نسخہ زیادہ قابل اعتماد ہے۔

نہیں جانتا کہ مضمون نگار اور مصنّفین کے یہاں یہ طریقہ عام طور پر رائج ہے کہ حوالوں میں اختصار کی غرض سے عبارت کے بعض حصے درمیان یا آخر سے حذف کر دیا کرتے ہیں۔ البتہ اس حذف واختصار میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے اصل عبارت کے معانی ومفہوم میں کسی قسم کا تغیر نہ پیدا ہو ورنہ یہ اختصار تحریف کی حد میں داخل ہو جائے گا۔ ذیل میں ماہنامہ دار العلوم دیوبند میں شائع اختصار وتلخیص اور مولانا جونا گڑھی کی مکمل عبارت نقل کی جارہی ہیں، دونوں عبارتوں میں موازنہ ومقابلہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ مدیر ماہنامہ دار العلوم نے اختصار وتلخیص سے کام لیا ہے یا اصل عبارت میں ترمیم وتحریف کی سعی مذموم کی ہے۔

طریق محمدی کی مکمل عبارت

''الغرض اتباع رسول کو پرے پھینکنے کا آلہ جو ہر زمانے کے مخالفِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ اپنے کام میں لاتے رہے یہی تقلید ہے اگر تقلید کی مذمت میں صرف یہی آیتیں ہوتیں جب بھی اس کی بدترین حرمت کے ثبوت کے لیے کافی تھیں کہ یہ وہ چیز ہے جو اصل اسلام سے دنیا کو روکتی ہے۔'' (طریق محمدی اہل حدیث اکیڈمی مئوناتھ بھنجن ۲۰۰۰÷ص ۲۱)

ماہنامہ دار العلوم دیوبند میں شائع مختصر عبارت

الغرض اتباع رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پرے پھینکنے کا آلہ جو ہر زمانے میں مخالف رسول لوگ اپنے کام میں لاتے رہے یہی تقلید ہے...تقلید ہی وہ چیز ہے جو اصل اسلام سے دنیا کو روکتی ہے۔ (ماہنامہ دار العلوم دیوبند دسمبر ۲۰۰۰÷ص ۱۴)

مکمل اور مختصر دونوں عبارتیں آپ کے سامنے ہیں بغرض اختصار خط کشیدہ عبارت کو حذف کر دیا گیا ہے جب کہ اس حذف واختصار سے اصل عبارت کے معانی ومفہوم میں ادنیٰ تغیر بھی نہیں ہوا ہے۔ کیا اسے دو عبارتوں کو ایک بنانے کی سعی مذموم کہنا قرینِ انصاف ہے؟ طریق محمدی کی محولہ پہلی اور دوسری عبارتوں کے بارے میں مدیر اعزازی صاحب کا یہ لکھنا کہ ''حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڑھی جن کی کتاب کی دو محرف

عبارتیں پیش کر کے الخ''، کہاں کی علمی دیانت ہے جب کہ پہلی عبارت من وعن نقل کی گئی ہےاور اصل ونقل میں ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں ہے تو پھر یہ نرا الزام و بہتان نہیں تو کیا ہے۔

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا

وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

اس موقع پر پس وپیش کو دیکھے بغیر مدیر موصوف جوش تردید میں یہاں تک لکھ گئے ہیں ''الحمد للہ حضرت نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی اور حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڑھی نہ صرف یہ کہ پکے سچے موحد، مسلمان اور خادم اسلام تھے بلکہ ائمہ اسلام خصوصاً ائمہ اربعہ رحمہم اللہ علیہم اجمعین کو اپنا پیشوا اور بزرگ مانتے تھے''(اشاعۃ السنہ مارچ، اپریل ۲۰۰۱ء ص ۷)

ان ہر دو بزرگوں کا موحد ومسلمان ہونا تو مسلمات میں سے ہے اس لیے ان کے اسلام وایمان کو معرضِ بحث میں لانے کی ضرورت نہیں، البتہ موصوف کا یہ دعویٰ کہ یہ دونوں بزرگوار بطور خاص ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کو اپنا پیشوا اور بزرگ مانتے تھے، محلِ نظر ہے اور خود ان کی جماعت کے لوگ بھی شاید انشراح قلب اور بشاشت طبع کے ساتھ اسے تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ مولانا جونا گڑھی مرحوم کا خود اپنا عمل اس دعویٰ کی نفی کرتا ہے، مولانا موصوف کی تصنیفی خدمات سے واقف کون نہیں جانتا کہ جماعت اہل حدیث کے اولین بزرگ یہی ہیں جنھوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مثالب ومطاعن پر مشتمل روایتیں (جو اصول محدثین کے اعتبار سے لائق قبول نہیں ہیں(۱)) تاریخ بغداد سے منتخب کر کے ان

(۱) اصول محدثین کی روشنی میں ان روایتوں کی اسنادی کمزوری اور بے اعتباری کے لیے دیکھئے، ''الشھم المصیب'' از ملک معظم عیسیٰ بن ابی بکر ایوبی، والانتصار لامام ائمۃ الامصار، نیز مرآۃ الزمان ترجمہ امام ابوحنیفہ از امام سبط ابن الجوزی، مقدمہ جامع مسانید ابی حنیفہ، از علامہ ابو المؤید خوارزمی، تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب، از محقق زاہد کوثری، حواشی تاریخ خطیب ج ۱۳ طبع ثانی، از لجنۃ من علماء الازھر، الحافظ الخطیب و اثرہ فی علوم الحدیث، از صفحہ ۳۰۶ تا ۳۴۵، از ڈاکٹر محمود الطحان استاذ الحدیث بکلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ کویت یونیورسٹی وغیرہ۔ علمی وفنی اعتبار سے یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ ان انتہائی کمزور اور بے بنیاد روایتوں کے ذکر کرنے میں حافظ خطیب سامحہ اللہ سے بعض وجوہ واسباب کی بنا پر دانستہ غلطی ہوئی ہے پھر بھی عصر جدید کی اہل حدیث نامی یہ جماعت حافظ موصوف کی اس غلطی کو اپنے گلے کا طوق بنائے ہوئے ہے، واللہ ھو الموفق ویھدی لمن یشاء الی السواء السبیل.

کا اردو ترجمہ ''امام محمدی'' کے نام سے پہلی مرتبہ ہندوستان میں شائع کیا جب کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے خلاف اس قسم کے فاسد، رکیک اور جعلی مواد سے ملک کے عوام اب تک نا آشنا تھے۔ کیا اپنے پیشواؤں اور بزرگوں کے ساتھ جماعت اہل حدیث کے یہاں یہی سلوک کیا جاتا ہے؟ غالباً موقع و محل کے لحاظ سے آں موصوف نے بطور تقیّہ کے یہ بات لکھی ہے ورنہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں ان کی جماعت کا مخالفانہ رویہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے، تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے انشاء اللہ کسی مناسب موقع پر اس موضوع پر مفصل گفتگو کی جائے گی۔

رات کو یہ دن ثابت کردیں ثابت کردیں دن کو رات
جدھر کا پلّہ بھاری دیکھیں ادھر جھکیں فرزانے لوگ

اوپر مذکور تفصیلات سے یہ بات نصف النہار کی طرح روشن ہوگئی کہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں منقول حوالے بالکل صحیح ہیں ان میں ترمیم و تحریف نہیں کی گئی ہے، البتہ خود اشاعۃ السنہ کے مدیر اعزازی مولانا ابوعامر رضا بدایونی اہل حدیث صاحب نے مرحوم نواب صاحب کی عبارت کو ہدفِ تحریف بنایا ہے اور اپنی مشاقی اور ہاتھ کی صفائی سے اسے مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے سر تھوپنے کی سعی مذموم کی ہے۔ اس لیے بجا طور پر ان سے یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ آنجناب اگر نام نہاد نہیں بلکہ واقعی اہل حدیث ہیں اور سنت سیئہ کی نہیں بلکہ سنت حسنہ کی اشاعت کرتے ہیں تو احکم الحاکمین کے فرمان "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ" الآیۃ کے مطابق عدل و انصاف کو کام میں لائیے اور اس شہادتِ زور اور جھوٹی گواہی کے بالمقابل جو آپ نے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر کے خلاف اپنے مجلّہ میں شائع کی ہے اپنے اولیائے نعمت کے مفاد و مقاصد کی پاسداری سے بلند ہوکر مالکِ کائنات کی رضا جوئی کے جذبہ سے شہادتِ حق اور سچی گواہی کی اشاعت کیجیے اور جس خود ساختہ، من گھڑت جرم کو مدیر ماہنامہ دارالعلوم کی جانب بیجا طور پر منسوب کرکے اسے جن مذموم و ناپسندیدہ القاب و خطابات کا مورد بنایا ہے اور جماعت دیوبند پر پھبتیاں کسی ہیں، اگر آنجناب کے اندر کچھ بھی ایمانی

حرارت اور محد ثانہ جرأت ہے تو اس جرم کے اصلی مجرم اور ان القاب وخطابات کے صحیح مستحق کو اجاگر کیجیے کیونکہ "صاحب البیت ادریٰ بمافیه"

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے

اس بات کے ثبوت میں کہ عصر جدید کی اس اہل حدیث نامی جماعت کے فکر ونظریہ سے جو بھی ہم آہنگ نہیں وہ اس کے نزدیک ہدایت سے عاری، مبتدع اور فرقۂ ناجیہ سے خارج ہے، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں اس جماعت کے دو اکابر علماء عالی جاہ نواب صدیق حسن خاص صاحب اور ترجمان القرآن والسنہ مولانا محمد صاحب جوناگڑھی رحمہما اللہ کی تحریروں کے علاوہ (جن پر گذشتہ سطور میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے) ایک تیسرے عالم مولانا ابوالشکور عبدالقادر حصاروی کی تصنیف "سیاحة الجنان" کی یہ عبارت نقل کی گئی تھی۔

''جب یہ امر روشن ہو چکا کہ مذہبِ حق اہل حدیث ہے اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں تو اہل حدیثوں پر یہ واجب ہے کہ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں اور ان سے خلاء ملا، میل جول، دینی تعلقات نہ رکھیں یعنی باطل مذہب والوں کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور ان کے جنازہ میں شامل نہ ہوں ان سے سلام نہ لیں ان سے مناکحت نہ کریں۔'' (ص۴)

نیز لکھتے ہیں:

''مقلدین حنفیہ کے ہر دو فرقے دیوبندی اور بریلوی گمراہ ہیں۔'' (ص۵)

مدیر اعزازی صاحب نے اس موقع پر ماہنامہ دارالعلوم کے مدیر کی بڑی عزت افزائی فرمائی کہ اسے اس حوالہ کے نقل کرنے میں تحریف کے الزام کا نشانہ نہیں بنایا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے نشتر قلم نے یہاں خود گھر ہی کے ایک بزرگ کو لہولہان کر دیا۔ ملاحظہ کیجیے آں موصوف رقم طراز ہیں:

''اطلاعاً عرض ہے کہ وہ حصاری صاحب کی اپنی ذاتی رائے ہے۔ جیسا کہ

بعض دیوبندیوں کی بھی رائے ہے، نیز ان کی کتاب سے اہل حدیث کو الزام دینا زیادتی ہے جیسے کسی بریلوی گروپ کی کتاب سے دیوبندیوں کو الزام دینا بظاہر یہ دونوں حنفی ہیں مگر بڑا فرق ہے ایسا ہی معاملہ یہاں ہے۔'' (اشاعۃ السنہ ص ۱۰)

(۱) سوال یہ ہے کہ اگر جماعت اہل حدیث سے کوئی دوسرا مدیر اعزازی اٹھے اور ان کے بالمقابل یہ صدائے حق بلند کرے کہ مولانا حصاروی مرحوم کے مندرجات کو ان کی ذاتی رائے بتانا خود مدیر اعزازی اشاعۃ السنہ کی اپنی ذاتی رائے ہے، جماعت اہل حدیث کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو آں موصوف کے پاس اسکا کیا جواب ہوگا؟ جب کہ مولانا حصاروی کی تائید دیگر علمائے حدیث بالخصوص مولانا محمد صاحب جونا گڑھی، مولانا محمد رئیس ندوی، محمد اقبال سلفی وغیرہ کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے، کیا مدیر اعزازی صاحب کو جماعت اہل حدیث نے ''معیار حق'' ہونے کا اعزاز بھی عطا کر دیا ہے کہ ان کے اس فرمان کے بعد کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں؟ ہر ذی فہم سمجھتا ہے کہ یہ آں موصوف کی دفع الوقتی ہے جس کی علم وتحقیق کی دنیا میں کوئی وقعت نہیں۔

(۲) آں موصوف نے اپنی اس تحقیق میں مولانا حصاروی کو بریلوی گروپ سے تشبیہ دے کر یہ بتانے کی ناروا کوشش کی ہے کہ مولانا حصاروی مرحوم کی حیثیت جماعتِ اہل حدیث میں ایک مبتدع کی ہے۔

جب کہ خود فرقۂ اہل حدیث کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا عبدالقادر حصاروی جماعتِ اہل حدیث کے اکابر علماء مثلاً مولانا محمد صاحب جونا گڑھی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالحق غزنوی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا عبدالاحد خانپوری رحمہم اللہ وغیرہ کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، ان بزرگوں کے فتاویٰ کے ساتھ مولانا حصاروی کے فتوے بھی شائع ہوتے تھے اور جماعت میں معتبر مانے جاتے تھے۔ اس لیے مدیر موصوف کا یہ انکشاف اور اپنی ہی جماعت کے ایک بزرگ کا بذات خویش یہ دینی اعزاز اور وہ بھی اپنی ایک غلط اور بے بنیاد بات کو صحیح اور درست بنانے کے

لیے بجائے خود ایک بڑی عبرت خیز روش ہے۔

ناوک نے ترے صید نہ چھوڑے زمانے میں
تڑپے ہے مرغ لبسمل نما آشیانے میں

ابھی کچھ باتیں مزید آں موصوف سے کہنے کی تھیں مگر اندیشہ ہے کہ شاید آں موصوف کی طبع نازک تحمل نہ کرسکے، اس لیے سردست انھیں گذارشات پر بات ختم کی جاتی ہے "یار زندہ صحبت باقی"۔

اندکے از تو بگفتم و بدل ترسیدم　　　کہ تو رنجیدہ شوی ورنہ سخن بسیار است

☆ ☆ ☆

نوٹ: آئندہ صفحات میں نواب صاحب اور مولانا جونا گڑھی کی کتابوں کا عکس ملاحظہ کیجئے جس سے پوری طرح واضح ہوجائیگا کہ محرِّف کون ہے۔ اور الٹے الزام کسے دیا جارہا ہے۔

دارالعلوم دیو بند کے خلاف ''ترجمان'' دہلی کی الزام تراشیوں پر ایک نظر

شیشے کے گھر میں بیٹھ کے...

دارالعلوم دیو بند کیا ہے؟ ظلمت کدۂ ہند میں علم وآ گہی کا ایک مینارۂ نور، دین الٰہی کی حسنات و برکات کا ایک چشمۂ فیاض۔احسان وسلوک اور اخلاص وللّٰہیت کا ایک عظیم مرکز دعوت وعزیمت اور جہد و جہاد کی ایک روشن تاریخ، مجدد الف ثانیؒ، محدث دہلوی، اور شہدائے بالاکوٹ کی امانتوں کا حامل ومحافظ،اور برصغیر میں بقائے دین وتحفظ اسلام کا اہم ترین ذریعہ، چنانچہ دارالعلوم دیو بند کی ہمہ جہت خدمات اور محیر العقول کارناموں کو دیکھ کر ایک مبصر ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ

دامانِ نگہ تنگ گلِ حسن تو بسیار
گل چینِ بہارِ تو زداماں گلہ دارد

دارالعلوم دیو بند! رب کریم کے لطف بے پایاں، صلحائے امت کی مستجاب دعاؤں اپنے بانیوں کے حسن اخلاص اور اپنی بے مثال خدمات کی بنا پر عظمت ورفعت اور شہرت و مقبولیت کے جس مقام بلند پر فائز ہے، برصغیر کی سوا سو سال کی طویل علمی ودینی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے- دارالعلوم کا یہی مجد وشرف اور اس کی یہی نیک نامی، بعض بے ہنر، تحزب پسند افراد اور جماعتوں کی نظر میں کانٹے کی طرح چبھ رہی ہے، یہ لوگ نشۂ بغض وحسد میں اس درجہ سرمست ہیں کہ دارالعلوم سے متعلق گفتگو میں علمی دیانت ہی

نہیں بلکہ انسانی شرافت کا بھی پاس ولحاظ نہیں رکھتے۔

حسدوا الفتٰی اذا لم ینالوا فضله　　　فالناس اعــداء لــه و خصوم

کضرائر الحسناء قلن لو جهها　　　حســدا و بغیــا انــه لدمیم

چنانچہ مرکزی جماعت اہل حدیث کے نقیب ''ہفت روزۃ ترجمان دہلی'' نے یکم ربیع الاوّل کے شمارہ میں ''دارالعلوم دیوبند'' اوراس کے اکابر اور فضلاء کی بے لوث خدمات اور روشن تاریخ کو اپنے دل کی کدورتوں سے داغدار بنانے کی نا کام کوشش کی ہے۔

غیرمقلدین خود اپنے اکابر علماء کی نظر میں

آج کی اس مختصر تحریر میں ہم ''ترجمان دہلی'' کی اس مذموم روش کا علم وتاریخ کی روشنی میں جائزہ لگیں گے، لیکن اصل گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نو پید جماعت کا جس کا مذکورہ جریدہ نقیب وترجمان ہے خود اس جماعت کے اکابر واعاظم علماء کی تحریروں سے مختصر تعارف پیش کردیا جائے، تاکہ اس جماعت کی اصل حقیقت، سلف صالحین کے ساتھ اس کے رویہ وغیرہ سے یک گونہ واقفیت ہوجائے جس سے صحیح فیصلہ تک پہنچنے میں سہولت اور آسانی ہوگی۔

(۱) جماعت اہل حدیث (غیرمقلدین) کے مجدد جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب قنوجی جن کے زرومال کے سہارے غیرمقلدیت سرزمین ہند میں پروان چڑھی، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے بارے میں اپنی منظور نظر جماعت کے رویہ کی ان الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔

> ''اس زمانہ کی آفات میں سے ایک آفت یہ بھی ہے کہ تقلید کے ردوقدح میں حضرات ائمہ عظام تک طعن وتشنیع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، یہ بدبختی اور صریح گمراہی ہے، چند بدنام لوگ سلف صالحین کے رسوا کرنے میں اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کرتے ہیں نعوذ باللہ من الخذلان'' (مآثر صدیقی ص۲۲ ج۴)

(۲) غیرمقلدین کے ایک دوسرے مشہور عالم مولانا داؤد غزنوی امام اعظم ابوحنیفہ

رحمہ اللہ کے ساتھ اپنی جماعت کے طرز عمل پر یوں نوحہ کناں ہیں۔

''جماعت اہل حدیث کو حضرت امام اعظمؒ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے، ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کہہ رہا ہے، کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے، پھر اُن کے بارے میں اِن کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ، اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو انھیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہوں ان میں یکجہتی و اتحاد کیوں کر پیدا ہوسکتا ہے۔'' یا غربة الاسلام انما اشکوبثی وحزنی الی اللہ

(سوانح مولانا داؤد غزنوی ص ۱۳۶، مرتبہ مولانا سید ابوبکر غزنوی)

(۳) اس گروہ کے بہت بڑے عالم مولانا محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ (جو جماعت اہل حدیث کے عظیم محسن ہیں کیونکہ انھیں کی جانفشانیوں اور انتھک کوششوں سے برطانوی حکومت کی طرف سے ''اہل حدیث'' کا نام اس جماعت کے لئے الاٹ ہوا، تفصیل کیلئے سیرت ثنائی ۳۷۲ راز مولوی عبدالمجید سوہدری ملاحظہ ہو) غیر مقلدین کے گمراہ کن نتائج پر یوں اظہار افسوس کرتے ہیں۔

''پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔

کفر وارتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہوجانے کیلئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے، اگر وہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم (اور ایسے ہی افراد کی کثرت ہے) ہوکر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔'' (بحوالہ خیر التنقید)

(۴) جماعت اہل حدیث کے متعلق اسی جماعت کے ایک اور مشہور محقق و عالم مولانا قاضی عبدالماجد خان پوری کی رائے بھی ملاحظہ کرلیجئے، موصوف اپنی مشہور تصنیف

''کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ'' کے ص ۲۶۲ پر رقم طراز ہیں۔

''اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین، مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوتے ہیں شیعہ وروافض کے یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر ونفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ وزنادقہ کا تھے اسلام کی طرف یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ، منافقین کے بعینہٖ مثل اہل تشیع کے... مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کرکے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کرکے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیں، اور پھر جس قدر الحاد وزندقہ پھیلا دیں کچھ پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال، بدعتی، کاذب اہل حدیثوں میں کوئی ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کی ہتک کرے مثل امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ جن کی امامت فی الفقہ اجماع کے ساتھ ثابت ہے، اور پھر جس قدر کفر، بداعتقادی اور الحاد اور زندیقیت ان میں پھیلا دے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چیں بہ چیں بھی نہیں ہوتے اگرچہ علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے، سبحان اللہ ما اشبہ اللیلۃ البارحۃ اور سبب اس کا یہ ہے کہ وہ مذہب وعقائد اہل سنت والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف و مستکبر ہوگئے ہیں۔''

جماعت اہل حدیث کے مذکور الصدر علمائے عظام کے ان بیانات سے اس جماعت کی دینی وعملی حیثیت اور حضرات ائمہ مجتہدین بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر کسی حد تک واضح ہوجاتا ہے، جس سے ایک ذی رائے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ جو طبقہ فکری تشتت کا شکار ہوکر جادۂ اعتدال چھوڑ بیٹھا ہو، جس کے یہاں فقہائے مجتہدین وسلف صالحین کسی اعتنا کے مستحق نہ ہوں وہ دارالعلوم

دیوبند یا اس کے اکابر کے ساتھ کبھی انصاف نہیں کرسکتا۔

جہاد حریت میں غیر مقلدین کا کردار

اسی کے ساتھ تحریک حریت ۱۸۵۷ء میں اس جماعت کا کیا کردار رہا؟ اس موضوع پر ہلکی سی روشنی بے محل نہ ہوگی، کیونکہ دینی وسیاسی دونوں اعتبار سے اس طائفہ کا موقف سامنے رہے گا تو صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

جب انگریزوں کے ظلم پیہم، اہانت آمیز رویے اور مذاہب میں بے جا مداخلت سے تنگ آکر ملک کے تمام باشندوں کے دلوں میں تنگ آمد بجنگ آمد کا فطری جذبہ بھڑک اٹھا، اور بلا لحاظ مذہب وملت پورا ملک برطانوی سامراج کو ملک بدر کرنے پر آمادہ ہوگیا تو اس وقت کے حالات کے پیش نظر جامع مسجد دہلی میں حضرات علماء کرام کا ایک اجتماع ہوا اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ مرتب کیا گیا، جس پر اکابر دارالعلوم دیوبند کے نمائندہ کی حیثیت سے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے بھی دستخط ہیں (علمائے ہند کا شاندار ماضی ج۴ ص۲۷۳) اس فتوی کے شائع ہوتے ہی مسلمانوں کے جذبات میں ایک طوفان برپا ہوگیا، اور ان کے دینی احساسات شعلۂ جوالہ کی طرح بھڑک اٹھے، لیکن اس کے برخلاف غیر مقلدین کے امام الہدیٰ، آیت اللہ شیخ الکل فی الکل شمس العلماء مولانا سید میاں نذیر حسین سورج گڑھی دہلوی المتوفی ۱۳۲۰ھ نے وقت کے شرعی مطالبہ کے مقابلے میں عافیت کوشی کو ترجیح دی، اور حاکم وقت کی رضا جوئی میں اس متفقہ شرعی فتوی پر دستخط سے انکار کردیا، چنانچہ میاں صاحب کے سوانح نگار مولوی افضل حسین بہاری ''الحیات بعد الممات'' (سوانح حیات میاں صاحب) میں ''گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری کا عنوان قائم کرکے اس کے تحت لکھتے ہیں:

> ''یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جب دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریز پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے اس پر دستخط کیے

نہ مہر لگائی، خود فرماتے تھے کہ میاں وہ ہلڑ تھا شاہی نہ تھی، وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا... بہادر شاہ کو بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں مگر وہ باغیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے کرتے تو کیا کرتے (الحیات بعد المماۃ ص ۱۲۵)

جس وقت غیور مسلمان اپنے قائدین کے زیر کمان حریت کی جنگ میں تن، من، دھن کی قربانیاں دے رہے تھے ایسے سنگین اور جان لیوا حالات میں شیخ الکل حضرت میاں صاحب سے یہ تو نہ ہوسکا کہ کسی زخمی مجاہد کے زخم پر مرہم رکھتے، کسی شہید کے اہل خانہ سے تعزیت کے دو لفظ کہہ دیتے یا مجاہدین کی جانی و مالی نہ سہی اخلاقی اعانت کرتے، بلکہ اس کے برعکس انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے رات کے سناٹے میں ایک زخمی میم کو اٹھوا کر اپنے گھر لے جاتے ہیں، اس کا علاج و معالجہ کرتے ہیں اور ساڑھے چار ماہ تک اسے اپنے گھر میں رکھ کر اس کی ہر طرح سے خاطر مدارات کرتے ہیں اور بعد از اطمینان اسے انگریزی کیمپ میں پہنچا کر مبلغ ایک ہزار تین سو روپے نقد، وفاداری کا سرٹیفکیٹ اور شمس العلماء کا خطاب حاصل کرتے ہیں۔

مشہور غیر مقلد عالم و صحافی مولانا محمد حسین بٹالوی میاں صاحب کے اس کارنامہ کو بایں الفاظ بیان کرتے ہیں۔

''غدر ۱۸۵۷ء میں کسی اہل حدیث نے گورنمنٹ کی مخالفت نہیں کی (اس جملہ کو بطور خاص ذہن میں رکھا جائے) بلکہ پیشوایان اہل حدیث (میاں صاحب) نے عین طوفان بے تمیزی میں ایک زخمی یورپین لیڈی کی جان بچائی اور عرصہ کئی مہینہ تک اس کا علاج معالجہ کر کے تندرست ہونے کے بعد سرکاری کیمپ میں پہنچا دی۔'' (اشاعۃ السنہ ص ۲۶ شمارہ ۹ جلد ۸)

مولوی فضل حسین بہاری میاں صاحب کے سوانح نویس اس واقعہ کی تفصیل یوں لکھتے ہیں۔

''ڈاکٹر حافظ مولوی نذیر احمد صاحب (میاں صاحب کے قریبی عزیز)

فرماتے تھے کہ زمانہ غدر میں مسز لیسنس زخمی میم کو جس وقت میاں صاحب نے نیم جان دیکھا تو روئے اور اپنے مکان میں اٹھا لائے، اپنی اہلیہ اور عورتوں کو ان کی خدمت کیلئے نہایت تاکید کی...امن قائم ہونے کے بعد میم کو انگریزی کیمپ میں پہنچایا جس کے نتیجے میں آپ کو اور آپ کے متوسلین کو گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے امن وامان کی چٹھی ملی (الحیات بعد الممات ص ۲۷۵)

امام الہدیٰ شیخ الکل فی الکل جناب میاں نذیر حسین صاحب بالقابہ کے سامنے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں، مسلم عورتوں کی عصمتیں لوٹی جاتی ہیں، مسلمانوں کی لاشیں درختوں پر لٹکائی جاتی ہیں، کئی کئی دن تک ان کی نظروں کے سامنے نیم جان تڑپتی ہوئی مسلمان عورتیں، زخموں سے چور معصوم بچے، ہاتھ پیر کٹے ہوئے بوڑھے دہلی کی سڑکوں پر اور گلی کوچے میں انتہائی بے کسی کے عالم میں دم توڑتے رہے مگر ان کی آنکھوں سے ایک قطرہ آنسو بھی نہ ٹپکا، اس کے برخلاف انگریز میم کے لئے میاں صاحب تڑپ اٹھتے ہیں اور شدّت غم سے بے تحاشا ان کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا ہے کیا مسلمانوں سے نفرت اور انگریزوں سے محبت کی یہ نظیر پیش کی جاسکتی ہے، میاں صاحب کی اسی بے مثال وفاداری کے صلہ میں انگریزی سامراج نے انھیں اپنی رضا کی خصوصی سند عطا کی اور اسی کے ساتھ تیرہ سو روپے نقد اور شمس العلماء کے خطاب سے نوازا۔ ذیل میں غیر مقلدین کے ترجمان اشاعۃ السنہ اور میاں صاحب کی سوانح حیات ''حیات بعد الممات'' کے حوالہ سے سند وفاداری کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

سرٹیفکیٹ وفاداری وخوشنودی از جناب جی ڈبلو جی وائر فیلڈ صاحب بہادر قائم مقام کمشنر سابق دہلی ''سو مولوی نذیر حسین اور ان کے پسر مولوی شریف حسین صاحب نے مع دیگر مرحوم خاندان کے مسز لیسنس میم کی غدر میں جان بچائی تھی اس وقت میں یہ اس کو اپنے گھر لے گئے تھے جس وقت وہ زخمی پڑی تھیں اپنے مکان میں ساڑھے تین مہینے تک رکھا آخر سرکاری کیمپ میں پہنچایا...ان کو دوسو روپیہ ایک مرتبہ اور چار صد روپیہ ایک مرتبہ

انعام ملا اور سات صد روپیہ بوجہ گرنے مکانات کے ملا، پس یہ خاندان قابل لحاظ ومہربانی کے ہے، دستخط ڈبلو جی وائر فیلڈ قائم مقام کمشنر'' (رسالہ اشاعۃ السنۃ، شمارہ ۱۰، جلد ۸ والحیات بعد الممات ص ۱۳۲-۱۳۳)

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ۲۶ سال بعد جب حضرت میاں صاحب سفر حج کا ارادہ کرتے ہیں تو ایک اور سند منجانب سرکار عنایت ہوتی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں جنھوں نے مشکل اور نازک وقتوں میں اپنی وفاداری ونمک حلالی گورنمنٹ برطانیہ پر ثابت کی ہے اب وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے کو جاتے ہیں امید کرتا ہوں کہ جس کسی افسر برٹش گورنمنٹ کی وہ مدد چاہیں گے وہ ان کو مدد دے گا کیوں کہ وہ کامل طور سے اس کے مستحق ہیں۔ دستخط، جی، ڈی تریلمٹ بنگال سروس کمشنر دہلی، ۱۰/اگست ۱۸۸۳ء''۔ (الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۴۰ مطبوعہ کراچی ورسالہ اشاعت السنہ شمارہ ۱۰ ج ۸)

شمس العلماء مولانا سید میاں نذیر حسین صاحب بالقابہ کی یہ عزت افزائی کہ برٹش انگلشیہ حضر وسفر ہر جگہ ان کی امداد واعانت کے لئے مستعد نظر آتی ہے، اسی کے ساتھ تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ کیجیے کہ 1915ء/۱۳۳۳ھ میں جب دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سفر حج میں جاتے ہیں تو برطانوی حکومت انھیں گرفتار کر لینے کے لئے بے چین نظر آتی ہے، چنانچہ حضرت شیخ الہند کی روانگی کے بعد یوپی حکومت بذریعہ تار بمبئی حکومت کو مکلّف کرتی ہے کہ انھیں گرفتار کرلیا جائے، لیکن حُسنِ اتفاق سے یہ تار بمبئی اس وقت پہنچا جب حضرت شیخ الہند کا جہاز بمبئی سے روانہ ہو چکا تھا، بعد ازاں گورنر یوپی نے مرکزی حکومت کے توسط سے عدن کے گورنر کو یہ تار بھیجا کہ مولانا محمود حسن کو جہاز سے اتار لیا جائے، مگر یہ تار بھی عدن سے جہاز کی روانگی کے بعد گورنر عدن کو ملا اس لئے یہ کوشش بھی بے سود ہوگئی، پھر جہاز کے کپتان کو تار دیا گیا کہ مولانا محمود حسن کو جہاز پر گرفتار کرلو مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ اس تار کے پہنچنے میں بھی

تاخیر ہوگئی اور حضرت شیخ الہند جزیرہ سعد میں جہاز سے اتر گئے (مقام محمود ص۲۲۰-۲۲۱)

تحریک ریشمی رومال کے خلاف پولیس استغاثہ میں بھی حضرت شیخ الہند کی گرفتاری کی کوشش کا ذکر ہے، چنانچہ استغاثہ کے پیرا ۲۷ کے آخر میں ہے ''درحقیقت ستمبر ۱۹۱۵ء میں بھی مولانا کو جب وہ عرب کو جانے کے لئے سمندری سفر کررہے تھے روکنے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن یہ ہدایات اس وقت عدن پہنچیں جبکہ جہاز اس بندرگاہ سے گذر چکا تھا۔''

(تحریک شیخ الہند ص ۲۱۹، از مولانا محمد میاں صاحب مطبوعہ الجمعیۃ پریس دہلی)

ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا

جناب شیخ الکل فی الکل، امام الہدیٰ شمس العلماء میاں سید نذیر حسین دہلوی کے اس افسوسناک طرزِ عمل کے بعد غیر مقلدین کے امام السنۃ، خاتم المحدثین، مجدد فی الہند جناب نواب صدیق حسن خان قنوجی ثم بھوپالی کے کردار وعمل کے بھی چند نمونے دیکھتے چلئے۔

۱۸۵۷ء میں جب کہ ملک کے جیالے وطن عزیز کو ظالم انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے نجات دلانے کے لئے صفحۂ عالم پر اپنے خون جگر سے ایک لازوال تاریخ مرتب کرنے میں مصروف تھے، اور انگریزی سامراج بطور خاص مسلمانوں کو اپنے ظلم وستم اور جارحیت و بربریت کا نشانہ بنائے ہوئے تھا، ایسے وقت میں کم از کم قومی حمیت کا تقاضا یہی تھا کہ وطن عزیز کی آزادی پر اپنی جانوں کو نچھاور کرنے والے مجاہدین کی مدد واعانت میں نواب صاحب والا تبار اپنے تمام اسباب و ذرائع کو لگادیتے، لیکن حیف صد حیف کہ امام السنۃ ومجدد فی الہند نے وقتی نفع ونمود کی خاطر مجاہدین حریت کی ہمت افزائی کی بجائے انھیں پسپا کرنے اور کچلنے میں اپنی پوری طاقت صرف کردی اور انگریزی لشکر کے دوش بدوش اپنی فوجوں کو مجاہدین کے مقابلہ میں کھڑا کردیا، چنانچہ نواب صاحب خود انگریزوں کے ساتھ اپنی اس بے مثال وفاداری کی داستان ان لفظوں میں سناتے ہیں۔

''جو خیر خواہی ریاست بھوپال وغیرہ نے اس زمانہ میں کی ہے وہ گورنمنٹ برطانیہ پر ظاہر ہے ساگر وجھانسی تک سرکار انگریزی کو مدد غلہ وفوج وغیرہ سے دی، جس کے عوض میں سرکار نے پرگنہ ''بیرسیہ'' جمع ایک لاکھ روپیہ

عنایت فرمایا‘‘ (ترجمان وہابیہ ص ۱۱۳)

انگریزی سامراج کی اس فوجی و مالی امداد کے علاوہ نواب صاحب علی الاعلان مجاہدین حریت کو جاہل و نادان اور عام علماء کے برخلاف اس جہاد کو فساد کہتے رہے، چنانچہ ترجمان وہابیہ ص ۷ پر رقمطراز ہیں۔

’’پس فکر کرنا ان لوگوں کا جو اپنے حکم مذہبی سے جاہل ہیں اس امر میں کہ حکومت برٹش مٹ جائے اور یہ امن وامان جو آج حاصل ہے فساد کے پردہ میں جہاد کا نام لے کر اٹھا دیا جائے سخت نادانی اور بے وقوفی کی بات ہے۔‘‘

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں۔

یہ بغاوت جو ہندوستان میں بزمانۂ غدر ہوئی اس کا نام جہاد رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جو اصل دین سے آگاہ نہیں اور ملک میں فساد ڈالنا اور امن وامان اٹھانا چاہتے ہیں۔ (ترجمان وہابیہ ص ۱۰۷)

اس جہاد حریت میں جسے میاں صاحب ہلّڑ وہنگامہ اور نواب صاحب فساد سے تعبیر کرتے ہیں اہل ہند اس قدر حق بجانب تھے کہ خود ظالم انگریز اس کا اقرار کیے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ مسٹر لیکی اس کے بارے میں اپنا یہ خیال ظاہر کرتا ہے۔

اگر دنیا میں کوئی بغاوت حق بجانب کہی جاسکتی ہے تو وہ ہندوستان کے ہندو مسلمان کی بغاوت تھی۔ (بحوالہ حکومت خود اختیاری ص ۴۲)

جہادِ حریت میں شرکت سے اپنی اور اپنی پوری جماعت کی برأت کا اظہار واعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

’’کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آج تک کوئی موحد، متبع سنّت، حدیث وقرآن پر چلنے والا بیوفائی اور اقرار توڑنے کا مرتکب ہوا ہو یا فتنہ انگیزی اور بغاوت پر آمادہ ہوا ہو اور جتنے لوگوں نے غدر میں شر وفساد کیا اور حکام انگلشیہ سے برسرعناد ہوئے وہ سب کے سب مقلدان مذہب حنفی تھے نہ متبعان سنت نبوی (یعنی غیر مقلد) (ترجمان وہابیہ ص ۲۵)

گویا نواب صدیق حسن خاں صاحب کے نزدیک شہدائے بالاکوٹ حضرت سید احمد شہید، حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا عبدالحئی بڈھانوی اور بہت سے علمائے صادقپور جنھوں نے انگریزوں کے خلاف تلوار اٹھائی اور دادِ شجاعت دے کر رفیق اعلیٰ سے جاملے، ان میں کوئی بھی موحد، متبع سنت، حدیث وقرآن پر چلنے والا نہیں تھا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپ حسنِ کرشمہ ساز کرے

نواب صاحب کی مسطورہ بالا تحریر سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوگئی کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کسی اہل حدیث وغیر مقلد نے قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا، الحمدللہ ثم الحمدللہ، یہ احناف ہی تھے جنھوں نے اپنی عظیم سابقہ روایات اور قابلِ فخر کردار کے مطابق انگریز جیسے ظالم و جابر اور مکار و عیار حکمراں کے پنجۂ استبداد سے ملک وقوم کو نجات دلانے کیلئے بے خطر جنگ کی آگ میں کود پڑے اور تاریخ کے اوراق پر جرأت و بہادری کی ایسی حیرت انگیز اور محیر العقول تابناک داستانیں رقم کیں جو تا قیامت جگمگاتی رہیں گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

برطانوی آقا کی حمایتیں منسوخیٔ جہاد کی ناکام کوشش

مولانا محمد حسین بٹالوی مدیر رسالہ اشاعت السنہ جو جماعت اہل حدیث میں نامی گرامی، نہایت نمایاں اور عظیم شخصیت کے مالک ہیں، انھوں نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ کے ذریعہ غیر مقلدین اور انگریزوں کی خوب خوب خدمت انجام دی، اور نہ صرف یہ کہ انگریز نوازی میں اپنے دونوں پیشواؤں نواب صاحب اور میاں صاحب سے آگے بڑھ گئے بلکہ انگریزوں کی رضاجوئی میں انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا، جبکہ مرزا قادیانی انگریزوں ہی کا خود کاشت پودہ تھا اس اجمال کی تفصیل مشہور محقق و مؤرخ جناب پروفیسر محمد ایوب قادری کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے، موصوف اپنی محققانہ

تاریخی کتاب ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء'' کے ص ۶۴ پر لکھتے ہیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکار برطانیہ کی وفاداری میں جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' لکھا، انگریزی اور عربی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے یہ رسالہ سر چارلس اپچی سن اور سر جیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون کیا گیا مولوی محمد حسین نے اپنی جماعت کے علماء سے رائے لینے کے بعد ۱۲۹۶ھ میں رسالہ اشاعت السنہ کی جلد دوم شمارہ گیارہ میں بطور ضمیمہ شائع کیا، پھر مزید مشورہ و تحقیق کے بعد ۱۳۰۶ھ میں باضابطہ کتابی صورت میں شائع ہوا۔

جہاد اسلام کا ایک اہم ترین فریضہ ہے اور محمد رسول اللہ...... کے حسب ارشاد الجهاد ماض الى يوم القيامة دیگر فرائض اسلام کی طرح تاقیام قیامت جاری وساری رہے گا، لیکن انگریزوں کی رضاجوئی میں اپنے آپ کو اہل حدیث اور دنیا بھر کے مقلدین کو مخالف حدیث کہنے والوں نے متفقہ طور پر اس فریضۂ الٰہی کو بیک جنبش قلم منسوخ قرار دیدیا۔

بسوخست عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

خود بٹالوی صاحب لکھتے ہیں۔

''اگرچہ اس مضمون منسوخئ جہاد کے رسائل گورنمنٹ اور ملک کے اور خیرخواہوں (غلام احمد قادیانی) وغیرہ نے بھی لکھے ہیں لیکن جو ایک خصوصیت اس رسالہ میں ہے وہ آج تک کسی تالیف میں نہیں پائی جاتی، وہ یہ ہے کہ یہ رسالہ صرف مؤلف کا خیال نہیں اس گروہ کے عوام وخواص نے اس کو پسند کیا اور اس سے آراء کا توافق ظاہر کیا۔ (اشاعت السنہ ص ۲۶۱ شمارہ ۹ ج ۸)

بٹالوی صاحب کی اس اہم ترین خدمت اور اپنے طرز کی انوکھی وفاداری کو سرکار برطانیہ کے حضور بڑی پذیرائی حاصل ہوئی اور اس کے صلے میں انھیں خاطر خواہ جاگیر اور انعام سے نوازا گیا۔ (دیکھئے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۹ از مولانا مسعود عالم ندوی)

جماعت اہل حدیث کی انگریز نوازی اور ملک وملت کے ساتھ بے وفائی کی طویل

داستان سے یہ چند نمونے پیش کئے گئے ہیں جو بزبان حال کہہ رہے ہیں۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

اکابر دیو بند کی جہاد حریت میں جرأت و بہادری

تاریخ کا یہ رخ بھی کتنا عجیب اور عبرت خیز ہے کہ ایک طرف تو جماعت اہلحدیث اور اس کے علمائے کبار ہیں جو انگریزی حکومت کی ہمدردی اور خیر خواہی میں مجاہدین حریت کو ظالم، غاصب، فتنہ پرور شریر، عہد شکن، جاہل، ایمان سے دور وغیرہ، تہذیب و شرافت سے گرے ہوئے الفاظ سے نواز رہے ہیں اور اپنے برطانوی آقاؤں کی خوشنودی میں فریضۂ الٰہی جہاد کو منسوخ کرنے کی ناروا کوشش میں صفحۂ قرطاس کو سیاہ کرنے میں مصروف ہیں اور اپنی ان خدمات جلیلہ کے صلے میں ان سے خوشنودی کے سرٹیفکیٹ، جاگیریں اور نقدی انعامات وصول کر رہے ہیں۔

دوسری جانب اکابر دارالعلوم دیو بند ہیں جو ظالم و جابر انگریزوں کے مقابلہ میں شاملی(۱) ضلع مظفر نگر کے میدان میں جرأت و بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے جس کی پاداش میں سب کے سب باغی و مجرم قرار پائے اور سب کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہو گیا، جس کی وجہ سے کسی کو مدتوں دربدر کے چکر لگانے پڑے(۲) کوئی قید و بند(۳) کی صعوبتوں سے دوچار ہوا، کسی کے لئے ملک کی زمین تنگ(۴) ہو گئی اور اسے ہمیشہ کیلئے محبوب وطن کو خیر باد کہہ دینا پڑا، لیکن ان ساری مصیبتوں کے باوجود ان کے پائے استقامت میں معمولی سی بھی لغزش نہیں آئی، بلکہ صبر و استقلال اور پوری پامردی کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہے البتہ حالات واقعات کے مطابق طریقۂ کار کو بدل دیا، اور جہاد

(۱) جہاد شاملی کیلئے دیکھئے علمائے ہند کا شاندار ماضی ج۴، نقش حیات ج۲۔

(۲) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔

(۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔

(۴) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی عالی اللہ مراتبہم۔

بالسیف کے بجائے جہاد بالقلم کی تحریک کا آغاز کیا، جس کا اولین مظہر دارالعلوم دیوبند ہے، چنانچہ جنگ شاملی کے سپہ سالار حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے تلمیذ رشید و سچے جانشین حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند نے ایک موقع پر دارالعلوم دیوبند کے مقصد قیام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

حضرت الاستاذ نے اس مدرسہ کو کیا درس وتدریس، تعلیم وتعلّم کیلئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷÷ کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷÷ کی تلافی کی جائے۔ (ماہنامہ دارالعلوم ص۴۲ ج۴ شمارہ ۶، اشاعت جولائی ۱۳۷۲ھ)

ہندوستان کے مشہور مورخ ڈاکٹر تاراچند کے درج ذیل بیان سے حضرت شیخ الہند کے مذکورہ بالا قول کی تائید ہوتی ہے۔

''دیوبند کے مدرسہ کا ان علماء کے ذریعہ قائم ہونا جنھوں نے ۱۸۵۷÷ کی بغاوت میں حصہ لیا تھا اس سے پہلے باب میں بیان ہو چکا ہے اس مدرسہ کے دو اغراض تھے (۱) مسلمانوں میں قرآن وحدیث کی اصلی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کرنا (۲) ہندوستان کے بیرونی حکمرانوں کے خلاف جذبۂ جہاد کو زندہ رکھنا۔ (تاریخ تحریر آزادی ہند ج۳ ص ۳۵۸۔ ترجمہ اردو قاضی عدیل عباسی مطبوعہ ترقی اردو بیورونئ دہلی)

اسی کتاب میں ایک دوسرے جگہ لکھتے ہیں:

(حضرت شاہ) ولی اللہ (محدث دہلوی) کے مستقل کارناموں میں ایک کارنامہ مدارس کا قیام تھا جس میں دیوبند کا مدرسہ جو مسلسل قومی جدوجہد کا حامی رہا سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے۔ (ص ۵۵۰)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

دیوبند کا مکتبہ برطانوی اور ملوکیت پرستی کا مخالف رہا تھا۔ (ص ۵۵۰)

تحریک ریشمی رومال

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے مقصد قیام کو بروئے کار لانے کیلئے دارالعلوم کے اولین فرزند حضرت شیخ الہند اپنے اکابر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ کی پیروی کرتے ہوئے مدرسہ وخانقاہ کے گوشۂ عافیت سے نکل کر انقلاب کے پر شور و پر خطر میدان میں کود پڑے۔مشہور محقق مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں۔

> ''میرے مطالعہ اور غور وفکر کا نچوڑ یہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ اپنی عملی زندگی کے آغاز ہی میں ایک نقشہ تیار کر چکے تھے اور اسے لباس عمل پہنانے کی کوششیں انھوں نے اس وقت سے شروع کردی تھیں جب ہندوستان کے اندر سیاسی سرگرمیاں برائے نام تھیں، ملک کے حالات کسی تیز تحریک کیلئے ہرگز سازگار نہ تھے... پھر حضرت شیخ الہند کے سامنے ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے حتی الامکان محفوظ رکھیں (سرگذشت مجاہدین، ص۵۵۲)

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی انقلابی سرگرمیوں یا بالفاظ دیگر تحریک حریت کا نقشہ اس طرح مرتب کیا تھا کہ اندرون ملک جذبہ آزادی کو بیدار کر کے مخلص فدا کاروں کی ایسی جماعت تیار کی جائے جو تحریک کی راہ میں ہر مصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ جھیل جائے، پھر قابل اعتماد مؤثر افراد کی زیر نگرانی ملک کے اہم مقامات پر ایسے مراکز قائم کئے جائیں جہاں اسلحوں کی فراہمی کے ساتھ رجال کار کی تربیت کا کام بھی انجام پائے بعد ازاں آزاد قبائل کے مرکز سے مسلح جدوجہد کا آغاز کیا جائے۔اور اسی کے ساتھ بیرون ملک ترکی، افغانستان وغیرہ کی حکومتوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لئے اس مسلح تحریک کی مالی وفوجی مدد کریں، ان حکومتوں کی مدد حاصل ہوتے ہی اندرون ملک مراکز اپنی اپنی جگہ متحرک ہو جائیں اس طرح بیک وقت بیرونی مداخلت اور اندرونی بغاوت پر

قابو پانا برطانوی حکومت کے لئے مشکل ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں وہ ملک بدر ہونے پر مجبور ہو جائے گی، یہ تحریک اپنے منصوبے کے اکثر مراحل طے کر کے کامیابی کی منزل کے قریب پہنچ گئی تھی کہ حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ تحریک کے سارے تانے بانے بکھر گئے اور حضرت شیخ الہند اپنے رفقاء حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عزیز گل، مولانا وحید احمد مدنی کے ساتھ گرفتار کر کے مالٹا میں نظر بند کر دیئے گئے، حضرت شیخ الہندؒ کی یہی وہ تحریک ہے جو بعد میں تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہوئی۔(۱)
حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد ان کے جانشین، مجاہدِ جلیل، بطل حریت محدث کبیر، عارف باللہ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اپنے پیش رو بزرگوں اور اپنی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے موقف کے مطابق تحریک انقلاب کی قیادت سنبھالی اور ۱۹۲۱ء میں کراچی کے مقدمہ میں دار ورسن کو اس طرح دعوت دی۔

"اگر لارڈ ریڈنگ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کو جلا دیں، حدیث شریف کو مٹا دیں اور کتب فقہ کو برباد کر دیں تو سب سے پہلے اسلام پر جان قربان کرنے والا میں ہوں۔"
مولانا محمد علی جوہر بے اختیار ان کے قدموں پر گر پڑے۔

(کراچی کا تاریخی مقدمہ ج۱ ص۱۶۵)

اور بقول پروفیسر خلیق نظامی حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کے ذوق سرفروشی نے ہندوستان کے مسلمانوں کو قربانی اور عزیمت کا وہ سبق پڑھایا جس سے ملک کی آزادی کی تحریک ایک اور ہی منزل پر پہنچ گئی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ ع

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی

(شیخ الاسلام حیات اور کارنامے)

اپنی اسی سرفروشانہ سرگرمیوں کی پاداش میں قید فرنگ کے صبر آزما اذیتوں سے دوچار

(۱) تفصیل کے لئے نقش حیات ج ۲، تحریک شیخ الہند مرتبہ مولانا محمد میاں صاحب کی طرف رجوع کیا جائے۔

ہوئے، اور دو ایک سال کے لئے نہیں بلکہ مجموعی طور پر پونے آٹھ برس تک انھیں اس آزمائش سے گذرنا پڑا۔ مگر عزم وہمت کی چٹان بن کر اپنے مسلک وموقف پر قائم رہے، اور سامراجی طاقتوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ مادّی قوت لپٹ مارنے والے شعلے کو دباسکتی ہے، مگر دلوں میں سلگنے والی آگ کو نہیں بجھاسکتی، اور مردانہ وار برطانوی سامراج کے ہر ظلم وستم کو جھیلتے ہوئے منزل کی جانب آگے بڑھتے رہے، تا آنکہ ملک عزیز فرنگی تسلط سے آزاد ہو گیا۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم

اذا جمعتك یا جریر المجامع

یہ ہے تحریک حریت اور جہاد انقلاب میں دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کا قابل فخر کردار، جنھیں انگریزوں کا وفادار بتا کر ''ترجمان دہلی'' اپنی جماعت اہل حدیث کے داغوں کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

ترجمان دہلی کے دلائل پر بحث ونظر

اس مختصر وضروری تمہید کے بعد آیئے اب ''ترجمان دہلی'' کے مقالہ نگار جناب خالد حسین صدیق کے پیش کردہ ان دلائل پر بھی ایک نظر ڈالیں جن کے سہارے وہ اپنے اس مفروضہ تک پہنچنے کی ناکام سعی میں سرگرداں ہیں کہ ''علماء دیوبند حکومت کے وظیفہ خوار تھے اور دارالعلوم دیوبند کو حکومت کی جانب سے امداد ملتی تھی'' (ترجمان)

اپنے اس خودساختہ مفروضہ کے ثبوت میں پہلی دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) ۳۱؍جنوری ۱۸۷۴ء بروز یکشنبہ لیفٹنٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز جس کا نام پامر تھا، اس نے دارالعلوم دیوبند کا معاینہ کیا اور متاثر ہو کر یہ ریمارکس دیا کہ ''جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرفہ سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہوتا ہے، جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا

ہے، یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ سرکار کے موافق اور اس کا معاون ومددگار رہے۔ (احسن نانوتوی ص ۲۱۷)

مندرجہ حوالہ کے بعد لکھتے ہیں، ناظرین کرام! آپ خط کشیدہ جملے کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں، مذکورہ خط کشیدہ جملے سے میں نے کون سا غلط مفہوم اخذ کرلیا ہے۔''

(جریدہ ترجمان ص۵-۱۱/۹/۹۱)

موصوف نے یہاں جس عبارت کو پیش کیا ہے ہم اس پر کسی تبصرہ کے بغیر تاریخ دارالعلوم سے پوری عبارت نقل کررہے ہیں، اور فیصلہ ناظرین پر چھوڑ رہے ہیں کہ موصوف نے اس عبارت کو من چاہے معنی پہنانے کی تکنیک اختیار کی ہے یا نہیں؟ یہ ایک طویل رپورٹ ہے جو تاریخ دارالعلوم کے تقریباً چھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

مرتب تاریخ دارالعلوم جناب محبوب رضوی ''ایک انگریز جاسوس کے دلچسپ مشاہدات'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

''دارالعلوم دیوبند جس زمانے میں قائم ہوا اس وقت ۱۸۵۷÷ کی جنگ آزادی پر صرف ۹؍سال گذرے تھے، چونکہ عام مسلمان اور دارالعلوم دیوبند کے اکابر جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف صف آرا ہوچکے تھے، اس لئے انگریزی حکومت مسلمانوں کے سخت خلاف اور ان سے بدظن وبرگشتہ تھی، مسلمانوں کی حرکات وسکنات پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی، اس بنا پر دارالعلوم کی نسبت مدت تک خفیہ وعلانیہ تحقیقات کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۵÷ میں صوبہ متحدہ (اترپردیش) کے گورنر سر جان اسٹریچی نے اپنے ایک معتمد ''جان پامر'' کو اس غرض سے دارالعلوم میں بھیجا کہ وہ خفیہ طور پر تحقیقات کرکے رپورٹ پیش کرے کہ دارالعلوم کے قیام کا مقصد کیا ہے؟ اور مسلمان علماء دارالعلوم کے پس پردہ کس فکر وعمل میں مصروف ہیں ''جان پامر'' نے دارالعلوم کو دیکھ کر جو رپورٹ تیار کی جو تأثرات اس نے اخذ کئے وہ اس نے اپنے ایک دوسرے کو خط لکھتے ہوئے نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں ''جان پامر'' نے دارالعلوم کی تعلیمی کیفیت کا انگریزی یونیورسٹیوں سے موازنہ کرتے ہوئے اپنے مشاہدات وتأثرات کا جس دلچسپ اور

عالمانہ انداز میں اظہار کیا ہے وہ دار العلوم کے علمی موقف کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتا ہے....
جان پامر لکھتا ہے گورنر ممالک مغربی وشمالی کے ساتھ دورے میں ۳۰ رجنوری ۱۸۷۵ء کو دیوبند قیام ہوا۔ گورنر نے مجھ سے کہا کہ "یہاں دیوبند میں" مسلمانوں نے گورنمنٹ کے خلاف ایک مدرسہ جاری کیا ہے، تم اجنبیانہ طور پر اس مدرسہ میں جاکر پتہ لگاؤ کہ کیا تعلیم ہوتی ہے؟ اور مسلمان کس فکر وخیال میں لگے ہوئے ہیں؟ چنانچہ ۳۱ رجنوری کو اتوار کے دن میں آبادی میں پہنچا... پوچھتے پوچھتے مدرسہ میں پہنچا، یہاں پہنچ کر میں نے ایک بڑا کمرہ دیکھا جس میں چٹائی کے فرش پر لڑکے کتابیں سامنے رکھے ہوئے بیٹھے ہیں اور ایک بڑا لڑکا ان کے درمیان بیٹھا ہوا تھا، میں نے لڑکوں سے دریافت کیا تمہارا استاذ کون ہے؟ ایک لڑکے نے اشارہ سے بتایا، معلوم ہوا کہ جو شخص درمیان میں بیٹھا ہوا تھا وہی استاذ ہے، مجھے تعجب ہوا کہ یہ کیا استاذ ہوگا؟ یہاں سے آگے بڑھا تو ایک جگہ ایک صاحب میانہ قد نہایت خوبصورت بیٹھے ہوئے تھے، سامنے بڑی عمر کے طلبہ کی ایک قطار تھی قریب پہنچ کر سنا تو علم مثلّث کی بحث ہورہی تھی، میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ علم مثلّث کے ایسے ایسے عجیب اور مشکل قاعدے بیان ہورہے تھے جو میں نے کبھی "ڈاکٹر اسپرنگر" سے بھی نہیں سنے تھے، یہاں سے اٹھ کر دوسرے دالان میں گیا تو دیکھا ایک مولوی صاحب کے سامنے طالب علم معمولی کپڑے پہنے بیٹھے ہیں یہاں اقلیدس کے چھٹے مقالے کی دوسری شکل کے اختلافات بیان ہورہے تھے اور مولوی صاحب اس برجستگی سے بیان کررہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اقلیدس کی روح ان میں آگئی ہے، میں منھ تکتا رہ گیا، اسی دوران میں مولوی صاحب نے جبر ومقابلہ ٹاڈ ہنٹر سے مساوات درجہ اول کا ایک ایسا مشکل سوال طلبہ سے پوچھا کہ مجھے بھی اپنی حساب دانی پر پسینہ آگیا، اور میں حیران رہ گیا کہ بعض طلبہ نے جواب صحیح نکالا، یہاں سے اٹھ کر میں تیسرے دالان میں پہنچا، ایک مولوی صاحب حدیث کی موٹی سی کتاب پڑھا رہے تھے... یہاں سے میں ایک زینے پر چڑھ کر دوسری منزل پر پہنچا اس کے تین طرف مکلّف مکان تھے بیچ میں ایک چھوٹی سی صحنچی تھی جس میں دو اندھے بیٹھے بڑبڑا رہے تھے، میں یہ سننے کیلئے کہ یہ کیا کہہ

رہے ہیں دبے پاؤں ان کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ علم ہیئت کی کسی کتاب کا سبق یاد کررہے ہیں، اتنے میں ایک اندھے نے دوسرے سے کہا بھائی کل کے سبق میں شکل عروسی اچھی طرح میری سمجھ میں نہیں آئی اگر تم سمجھے ہوتو بتلاؤ، دوسرے اندھے نے پہلے دعویٰ بیان کیااوراس کی ہتھیلی پرلکیریں کھینچ کرثبوت شروع کیا، پھر جوآپس میں ان کی بحث ہوئی تو میں دنگ رہ گیااور مسٹر بریگر پرنسپل کی تقریر کا سماں میری نظروں میں پھر گیا...(الی ان قال) میری تحقیقات کے نتائج یہ ہیں کہ یہاں کے لوگ تعلیم یافتہ نیک چلن اورنہایت سلیم الطبع ہیں، کوئی ضروری فن ایسانہیں جو یہاں نہ پڑھایا جاتا ہو، جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں کے صرفہ سے ہوتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے میں کررہا ہے، مسلمانوں کے لئے اس سے بہترکوئی تعلیم گاہ نہیں ہوسکتی اور میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اگرکوئی غیر مسلم بھی یہاں تعلیم پائے تو نفع سے خالی نہیں، انگلستان میں اندھوں کا اسکول سنا تھا مگر یہاں آنکھوں سے دیکھا کہ دو اندھے تحریر اقلیدس کی شکلیں کف دست پر اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ باید وشاید مجھے افسوس ہے کہ آج سرولیم میور موجود نہیں ہیں ورنہ بکمال ذوق وشوق اس مدرسہ کو دیکھتے اور طلبہ کو انعام دیتے۔'' (تاریخ دارالعلوم ج۱ص ازا۱۷۵تا۱۸۱بحوالہ روداد۱۲۹۰ھ بعنوان بشارت)

ناظرین کرام! آپ پوری عبارت کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں اور فیصلہ فرمائیں کہ اس عبارت کے کس جملہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''علماء دیو بند حکومت کے وظیفہ خوار تھے اور دارالعلوم دیو بند کو حکومت کی جانب سے امداد ملتی تھی۔

موصوف نے اس رپورٹ کو مطابق مقصد بنانے کے لئے اس کے اول وآخر کو حذف کر دیا اور اپنی جانب سے خط کشیدہ جملے کا اضافہ کرکے ناظرین کو بار بار پڑھنے کی دعوت دے رہے ہیں، پھر موصوف نے اسے ۳۱رجنوری ۱۸۷۴÷ کا واقعہ بتایا ہے جب کہ برطانوی جاسوس خود بیان کررہا ہے کہ اس کی یہ تحقیقات ۱۸۷۵÷ کی ہیں، علاوہ ازیں انھوں نے اپنی پیش کردہ عبارت کا ماخذ احسن نانوتوی ص ۱۳۷ درج کیا ہے، اگر یہ محولہ کتاب مولانا احسن نانوتوی کی سوانح مؤلفہ محمد ایوب قادری ایم اے ہے تو یہ حوالہ غلط اور

فرضی ہے، کیونکہ احسن نانوتوی کے کل صفحات ۲۸۸ ہیں پھر ۳۱۷ صفحے پر اس عبارت کے ہونے کا کوئی مطلب نہیں البتہ صفحہ ۲۱۷ پر یہ عبارت ہے جس میں سے موصوف نے اپنے مفروضہ کے خلاف عبارت حذف کردی ہے، مرحوم ایوب قادری صاحب نے پامر کی رپورٹ کے اس حصہ کو دارالعلوم دیوبند کی یوماً فیوماً ترقی کے ثبوت میں نقل کیا ہے، انھوں نے رپورٹ کے اس حصہ کو کہاں سے نقل کیا ہے اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے اس لئے اس رپورٹ کا صحیح مآخذ دارالعلوم دیوبند کی روداد ۱۳۰۴ھ ہی ہے جس کے حوالہ سے تاریخ دارالعلوم میں اسے نقل کیا گیا ہے۔

اپنے مدعا و مقصود کی وضاحت کے لئے خالد حسین صدیقی صاحب نے دوسری دلیل یہ پیش کی ہے۔

(۲) ''دہلی کالج کے دو حصے بن گئے ایک حصہ مولانا محمد قاسم صاحب دیوبند لے گئے جسے عربی حصہ کہتے ہیں اور دوسرا حصہ سرسید خاں صاحب علی گڈھ لے گئے، اسکے مؤسسین میں سے پہلا نام نامی مولانا محمود الحسن صاحب کے والد بزرگوار کا ہے جن کا نام مولانا ذوالفقار علی ولد فتح علی تھا یہ دہلی کالج میں پڑھتے تھے، بریلی کالج میں پروفیسر رہے پھر پنشن کے بعد دیوبند تشریف لے آئے اور حکومت سے وفاداری کے اعزاز میں آنریری مجسٹریٹ بنادیئے گئے، انھیں مولانا ذوالفقار علی صاحب نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵ر محرم الحرام مطابق ۳۰ر مئی ۱۸۶۷ء میں رکھی۔

(احسن نانوتوی ص ۷۴ ملخصاً)

کتاب ''احسن نانوتوی'' ص ۷۴ کے اس حوالہ کے بعد اپنا اخذ کردہ نتیجہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ''مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے موسس اوّل انگریزوں کے پکے وفادار تھے، ایسے انگریز وفادار سے بھلا کون امید رکھے گا کہ وہ مدرسہ کی بنیاد مرکز تحریک آزادی کے طور پر رکھے گا۔''

موصوف نے اس موقع پر دجل وفریب کی حد ہی کردی کہ اپنی جانب سے ایک

عبارت گڑھ لی اور اسے احسن نانوتوی مؤلفہ، محمد ایوب قادری کی جانب منسوب ومحول کردیا، ھٰذا بُھتَانٌ عَظِیم، شاید حافظ شیرازی نے یہ مصرعہ انھیں کے لئے کہا تھا ع

چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

صفحہ ۴۷ ہی نہیں بلکہ پوری کتاب میں کہیں بھی یہ عبارت موجود نہیں ہے پھر اس عبارت کے اختراع میں انھوں نے تاریخی اعتبار سے دو فاش غلطیاں کی ہیں (الف) ان کا خیال ہے کہ سرسید احمد خاں صاحب نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی ہے اپنے اسی وہم کو بنیاد بنا کر پروفیسر ایوب قادری مرحوم کی جانب منسوب کر کے یہ جملہ گھڑ لیا ''دوسرے حصہ کو سرسید خاں صاحب علی گڈھ لے گئے'' جب کہ سرسید خاں صاحب نے دہلی کالج میں ایک دن بھی تعلیم حاصل نہیں کی، خود ایوب قادری صاحب لکھتے ہیں۔ ''سرسید احمد خاں تو دہلی کالج کے طالب علم بھی نہیں رہے'' (احسن نانوتوی ۱۸۵، مطبوعہ چادو پریس کراچی ۱۹۶۶÷) (ب) اپنی اس من گھڑت عبارت کو بزعم خود مفید مقصد بنانے کے لئے لکھتے ہیں کہ ''انھیں مولانا ذوالفقار علی صاحب نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵؍محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰؍مئی ۱۸۶۷÷ میں رکھی'' (جریدہ ترجمان دہلی ۱۱/۹/۱۹۹۱÷) یہ بھی کھلی بے خبری یا اپنے ناظرین کو اندھیرے میں رکھنے کے لئے فریب افزا تجاہل ہے، کیونکہ خود مولانا ذوالفقار علی صاحب مرحوم لکھتے ہیں۔

لما اراد اللّٰہ تعالیٰ شانہ عز سلطانہ خیر ھذہٖ البلاد وارشاد العباد باحیاء العلوم الدینیة والفنون الیقینیة... الھم السید النسیب الجلیل ... محمد عابد ادامہ اللّٰہ وابقاہ ... بتاسیس ھذہ المدرسة التی اسست علی التقوی... فندب السید اھل الخیر الی اعانة ھذہ المثوبة وتائید ھذہ المشورة سنة اثنتین وثمانین بعد الالف والمائتین من ھجرة سید الثقلین صلی اللّٰہ علیہ وسلم ... فاستمعوا لہ وانتدبوہ واجابوہ واتبعوہ فصار المدرسة بسعیہ المشکور ملجاءً للعلم وزویہ. (الھدیة السنیة فی ذکر المدرسة الاسلامیة الدیوبندیة ص۲ مطبوعہ بار اول ۱۳۰۷ھ)

مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے صاف طور پر ثابت ہے کہ دارالعلوم

دیوبند کے موسس اوّل حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی قدس سرہٗ ہیں نہ کہ مولانا ذوالفقار علی صاحب، البتہ مولانا مرحوم ابتداء ہی سے مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں کوشاں اور اس کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین رہے تفصیل کیلئے تاریخ دارالعلوم دیوبند، تاریخ دیوبند، سوانح قاسمی، علمائے حق وغیرہ دیکھی جائیں، علاوہ ازیں جناب محمد ایوب قادری صاحب نے اپنی اس کتاب میں صفحات ۱۴، ۲۴، ۲۵، ۲٦، ۲۷، ۳۸، ۴۵، ۴٦، ۸۰، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۲۰، ۱۷۷، ۱۸۳، ۲۱۵، ۲۳۹ سترہ مقامات پر مولانا ذوالفقار علیؒ کا تذکرہ کیا ہے، لیکن کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ حکومت سے وفاداری کے اعزاز میں آنریری مجسٹریٹ بنادیئے گئے "ایوب قادری مرحوم پر اتنا بڑا اتہام اور وہ بھی بادعائے نسبت اہل حدیث بڑی جسارت کی بات ہے، ظاہر ہے جس دعویٰ کی عمارت ایسی بنیاد پر کھڑی کی گئی ہو جو خود علی شفا جرف ھار کی مصداق ہو اس عمارت کا حال معلوم ہے۔

(۳) اس خود تراشیدہ مفروضہ اور اس سے اخذ کردہ من مانے نتیجہ کے بعد اہل حدیث صاحب رقم طراز ہیں "یہ حال تو بانیٔ دیوبند کا تھا اراکین مدرسہ کے حالات زندگی بھی ملاحظہ فرمائیں۔

> "مدرسہ دیوبند کے اراکین میں اکثریت ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور پنشن یافتہ تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی"۔ سوانح قاسمی ج ۲، ص ۲۴۷ (جریدہ ترجمان ۱۱/۹/۹۱ ÷)

یہ محولہ عبارت سوانح قاسمی میں تحریر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم کے طویل حاشیہ سے ماخوذ ہے جس کے سیاق وسباق کو حذف کر کے اپنے مدعا و مقصود کو ثابت کرنے کی نامشکور سعی کی گئی ہے، سوانح قاسمی کے مرتب مولانا مناظر احسن گیلانیؒ "نام مہتمان" کے زیر عنوان لکھتے ہیں "نام مہتمان" نیچے حسب ذیل ناموں کو ہم پاتے ہیں یعنی حاجی عابد حسین، مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولوی مہتاب علی، مولوی ذوالفقار علی، مولوی فضل الرحمٰن، منشی فضل حق، شیخ نہال احمد۔ بظاہر ارکان شوریٰ کی تعبیر مہتمان کے لفظ سے کی گئی ہے جس کا مطلب یہی ہوا کہ دیوبند میں عربی مدرسہ جو قائم ہوا

تھا اس سے اپنے تعلق کو سیدنا الامام الکبیر قطعاً پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتے...تو یہ کہنا کہ ابتداء میں حضرت والا اس مدرسہ سے سیاسی مصالح کے پیش نظر ایسا تعلق رکھنا نہیں چاہتے تھے جس پر حکومت کی نظر پڑ سکتی ہو، بجز ایک خود تراشیدہ مفروضہ کے اور بھی کچھ ہے؟۔‘‘

مولانا گیلانی کے اس بیان پر حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب قدس سرہٗ نے یہ حاشیہ لکھا ہے۔

احقر کے خیال ناقص میں بسلسلۂ تاسیس دارالعلوم دیوبند حضرت والا کے کھل کر سامنے نہ آنے کو وقت کے سیاسی مصالح پر محمول کر لیا جانا کوئی ایسی بے سرو پا توجیہ نہیں کہ اسے خود ساختہ مفروضہ کہہ کر کلیتہً نظر انداز کر دیا جائے، اس وقت کے نازک حالات حضرت والا کا وارنٹ، روپوشی، سرکاری دوشوں کا پیچھے لگا رہنا، پھر حضرت والا کے جذبات ونظریات... جن کی رو سے یہ مدرسہ تعلیمی ہونے کے ساتھ ساتھ گویا اہل اللہ کی سیاست کا ایک مرکز بھی تھا، کچھ ایسی باتیں نہ تھیں جو کلیتہً پردۂ خفا میں ہوں...ایسی صورت میں حضرت والا کا بحیثیت بانی یا بحیثیت کسی ذمہ دار عہدیدار کے سامنے آنا بلاشبہ مدرسہ کو خطرات کا شکار بنا سکتا تھا...جس سے وہ حریت پرور مقاصد بروئے کار نہ آ سکتے تھے جن کے لئے یہ تاسیس عمل میں آئی تھی، ان حالات میں حضرت والا کا رسمی ذمہ دار کی صورت میں سامنے نہ آنا...ایک اچھی خاصی سیاسی مصلحت کی صورت ہو سکتی ہے، رہا ممبران یا ممتحنین کی فہرست میں حضرت والا کا نام شائع ہو جانا کسی رسمی ذمہ داری کو ظاہر نہیں کرتا اور اگر اس میں ذمہ داری نمایاں ہوتی ہے تو ایک جماعت کی پھر جس میں اکثریت ایسے حضرات کی تھی جو تارک الدنیا اور مسجد نشین بزرگ تھے یا ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال کے پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی، ایسے رلے ملے ناموں میں قدرتاً کسی خاص شخصیت پر نگاہ عادۃً نہیں پڑ سکتی، اس

پر بھی مخالفین مدرسہ نے حضرت کے تعلق کو بنیاد قرار دے کر مدرسہ کو حکومتِ وقت کی نگاہوں میں مشتبہ کر دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ (سوانح قاسمی حاشیہ ص ۱۴۶، ۱۴۷ مطبوعہ دارالعلوم دیوبند)

اس طویل حاشیہ سے موصوف نے انتہائی چابک دستی کے ساتھ ایک جملے کو اس کے سیاق وسباق سے الگ کر کے نقل کر دیا ہے تاکہ اسے من چاہے معنی پہنا سکیں، موصوف کے اس غیر ذمہ دارانہ بلکہ مجرمانہ رویہ پر اگر کسی کو یہ شکوہ ہو کہ یہ وہی تکنیک ہے جو اہل بدعت کا شعار ہے تو یہ الزام نہیں بلکہ برمحل گرفت ہے۔

پھر جس طرح کسی کا انگریزی ملازمت سے الگ رہنا اس کے انگریز مخالف ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے چنانچہ مجدد اہل حدیث نواب صدیق حسن خاں، استاذ الکل مولانا سید نذیر حسین ترجمان اہل حدیث مولانا محمد حسین بٹالوی وغیرہ علمائے غیر مقلدین حکومت برطانیہ کے ملازم نہ ہوتے ہوئے مدت العمر برطانوی سامراج کے وفادار وقصیدہ خواں رہے، جس کے چند نمونے گذشتہ سطور میں نظر سے گذر چکے ہیں، ٹھیک اسی طرح کسی کی انگریزی ملازمت سے وابستگی اس کی انگریز نوازی کی دلیل نہیں بن سکتی۔ جہاد حریت کے قائد اعظم جنرل بخت خاں (انگریزی فوج میں سب سے بڑے ہندوستانی افسر) علامہ فضل حق خیر آبادی (محکمہ ریزیڈنٹ کے سررشتہ دار، صدر الصدور، مہتمم کچہری) مفتی عنایت احمد کاکوروی (منصف صدر امین) نیز مولوی کریم اللہ خاں صدر الصدور، خان بہادر مفتی انعام اللہ وکیل صدر، مولوی آل حسن، منصف۔ مولوی شاہ احمد اللہ سب کے سب سرکاری ملازمت سے وابستہ تھے، تو کیا ان محبانِ حریت وکشتگان خنجر آزادی کے بارے میں کوئی ذی ہوش کہہ سکتا ہے کہ ایسے انگریزوں کے ملازم اور وفاداروں سے بھلا کون امید رکھے گا کہ وہ تحریک آزادی میں قائدانہ خدمات انجام دیں گے؟

ان ضروری امور کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ دارالعلوم دیوبند کے اولین اراکین میں یہ سات بزرگ ہیں حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا مہتاب علی دیوبندی، حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی،

حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی، جناب منشی فضل حق دیوبندی، جناب شیخ نہال احمد دیوبندی۔ چنانچہ قیام دارالعلوم دیوبند کے چوتھے دن یعنی ۱۹ر محرم ۱۲۸۳ھ کو جو اعلان شائع کیا گیا تھا اس پر انھیں مذکورہ سات بزرگوں کے دستخط ہیں ان میں مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمٰن عثمانی اور منشی فضل حق صرف تین حضرات کا رسمی تعلق برطانوی سرکار سے رہا، اور ان میں بھی پنشن یافتہ صرف مولانا ذوالفقار صاحبؒ تھے، بقیہ چار اصحاب یعنی حضرت حاجی عابد حسین صاحب، حضرت مولانا نانوتوی، حضرت مولانا مہتاب علی اور شیخ نہال احمد کبھی بھی سرکاری ملازمت سے وابستہ نہیں رہے، اس لئے خالد صدیقی صاحب کا یہ فرمان کہ "مدرسہ دیوبند کے اراکین میں سے اکثریت ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور پنشن یافتہ تھے۔" تاریخی اعتبار سے بالکل غلط اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کی تحریر میں کھلی تحریف ہے کیونکہ حضرت قاری صاحب نے اپنے حاشیہ میں اکثریت کا لفظ مسجد نشین اور تارک الدنیا بزرگوں کے ساتھ استعمال کیا ہے نہ کہ ان حضرات کے ساتھ جو گورنمنٹ کی ملازمت سے وابستہ رہ چکے تھے حضرت قاری صاحب کی عبارت ایک بار پھر ملاحظہ کر لیجئے "پھر جس میں اکثریت ایسے حضرات کی تھی جو تارک الدنیا اور مسجد نشین بزرگ تھے یا ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے۔" (حاشیہ سوانح قاسمی ص ۲۴۶ و ۲۴۷) اب ناظرین ہی بتائیں کہ موصوف کی اس علمی خیانت کو اہل بدعت کی تکنیک نہ کہا جائے تو پھر کیا نام دیا جائے۔

(۴) صدیقی صاحب کی یہ مثال بھی انھی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے، لکھتے ہیں۔

> "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے یہ مقولہ آپ حضرات نے سنا ہوگا، مولانا محمد میاں صاحب اپنی کتاب "علماء حق حصہ دوم ص ۳۳۶ پر فرماتے ہیں" علمائے دیوبند کے بھی وہ چند افراد جو ہمیشہ تحریک حریت کے مخالف رہے اور اس وقت سرکاری مدارس کے ملازم یا پنشنر تھے اس تحریک کے زمانہ میں مہتمم صاحبان نے حکومت کے ذمہ داران سے تعلق رکھا حتی کہ گورنر یوپی کو دارالعلوم میں مدعو کیا اور اس کو ایڈریس بھی پیش کیا اور اس تعلق کا نتیجہ یہ تھا

کہ حافظ احمد صاحب کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔ (تحریک شیخ الہند ص ۱۶۰، جریدہ ترجمان ۱۱/۹/۹۱÷)

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے! او پر تو ''علمائے حق'' جلد دوم ص ۳۳۶ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ مولانا محمد میاں فرماتے ہیں اور پھر اسی عبارت کے نیچے ''تحریک شیخ الہند صفحہ ۱۶۰ کا حوالہ دے رہے ہیں۔ ''دروغ گورا حافظہ نباشد'' آپ حضرات نے یہ مقولہ سنا ہوگا، موصوف کا دماغ عبارت سازی وافترا پردازی میں اس درجہ مصروف رہا کہ انھیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ اوپر علمائے حق کا حوالہ دیا جا چکا ہے، حافظہ کی اس کوتاہی کی بنا پر آخر میں ''تحریک شیخ الہند'' کی جانب اس عبارت کو محول کر دیا، پھر اس پر طرہ یہ کہ علمائے حق جلد دوم صفحہ ۳۳۶ کا حوالہ دیا ہے، جب کہ جلد دوم کے کل صفحات ۳۰۴ ہیں اس لئے یہ حوالہ ایک مغالطہ ہے جو علمی دیانت کے یکسر منافی ہے، اسی طرح ''تحریک شیخ الہند'' ص ۱۶۰ کا حوالہ بھی غلط ہے اس کتاب کے صفحہ ۱۶۰ پر تو ''وائسرائے فارن ڈپارٹمنٹ کے ٹیلیگرام کا ترجمہ ہے''، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل ماخذ کی جانب رجوع کئے بغیر چلتی ہوئی کتابوں کی جانب منسوب کر کے عبارت نقل کر دی گئی ہے اس لئے نہ تو صفحات میں مطابقت ہے اور نہ اصل عبارت میں خالد صدیقی صاحب کا یہ غیر ذمہ دارانہ رویہ انھیں خالد بن قاسم مداینی وخالد بن الیاس مدنی وغیرہ متروکین کی صف میں کھڑا کر دے گا اس لئے احتیاط لازم ہے، البتہ اس کتاب کے صفحہ ۱۰۹ پر یہ عبارت ضرور ہے ''اس تحریک کے زمانہ میں مہتمم صاحبان نے حکومت کے ذمہ داروں سے تعلق رکھا حتیٰ کہ گورنر یوپی کو دارالعلوم دیوبند میں مدعو کیا اس کو ایڈریس بھی پیش کیا اور اس تعلق کا نتیجہ تھا کہ حافظ صاحب کو شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔'' لیکن موصوف نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس پر یہ خود ساختہ اضافہ کر دیا ''علماء دیوبند کے وہ چند افراد جو ہمیشہ تحریک حریت کے مخالف رہے اور اس وقت سرکاری مدارس کے ملازم یا پنشنز تھے۔'' چنانچہ اصل اور خانہ ساز اضافے میں بے ربطی واضح ہے، تحریک شیخ الہند کی اس عبارت سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مہتمم صاحبان نے حکومت کے ذمہ داران سے تعلق رکھا، اس عبارت کے

یہ معنی کہ یہ دونوں حضرات تحریک آزادی کے مخالف اور برطانوی حکومت کے مؤید اور معاون تھے، الفاظ ومعانی میں عدم مطابقت کی بناء پر قابل التفات نہ ہوگا، پھر اگر یہ تعلق ملی مصلحت کے پیش نظر بطور حکمت عملی کے اختیار کیا جائے تو اس کی معقولیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ ان حضرات کے پیش نظر دارالعلوم دیوبند کے تحفظ وبقاء کا مسئلہ تھا اسی بناء پر خواہی نخواہی انگریزوں سے تعلق قائم رکھا، اور حکومت کو مطمئن کرنے کی غرض سے گورنر یوپی کو دعوت دی اور شمس العلماء کا خطاب قبول کیا، لیکن بعد میں جب حالات بدل گئے تو ان حضرات کا رویہ بھی بدل گیا، چنانچہ حضرت مولانا حافظ احمد صاحب نے انگریز کے دیئے ہوئے شمس العلماء کے خطاب کو واپس کردیا اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے اجلاس گیا ۱۹۲۲ء کے موقع پر اپنے خطبۂ صدارت میں کھل کر انگریزوں کی مخالفت کی، اس خطبہ کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

”صرف قوم نصاریٰ اوران میں سے بھی یورپ کے نصاریٰ کا مقابلہ اسلام سے دائمی رہا ہے، اس لئے یہ کہنا کہ اسلام کے اصلی اور حقیقی دشمن عیسائی ہیں بالکل صحیح ہے۔“ (خطبہ صدارت اجلاس گیا ص ۱۵)

اس لئے ملی مصالح کے پیش نظر اس وقتی تعلق کو بنیاد بنا کر یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ یہ حضرات انگریزوں کے وفادار اور وظیفہ خوار تھے حقائق سے چشم پوچی ہوگی۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

(۵) اسکے بعد ”حافظ محمد احمد صاحب کا دور“ عنوان قائم کر کے اسکے تحت لکھتے ہیں۔

”حافظ محمد احمد صاحب پسر مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند کے محتاط انتظام میں ماضی کے بہت سے برسوں میں سیاست سے بالکل پاک صاف رہا اوراس کے مدرسین ومتعلّمین نے جدید سیاست اور امور خارجہ میں مطلق دلچسپی نہ لی“۔ (تحریک شیخ الہند ص ۲۶۲)

یہ ”تحریک شیخ الہند“ و بالفاظ انگریزی سرکار ”ریشمی خطوط سازش کیس“ کے متعلق

سی، آئی، ڈی کی رپورٹ کا ایک پیرا ہے جو تحریک شیخ الہند مرتبہ مولانا محمد میاں صاحب مطبوعہ الجمعیۃ پریس دہلی کے صفحہ ۱۹۳ پر ہے، موصوف نے حسب مرضی اس میں بھی حذف وترمیم کے ذریعہ مقصد براری کی روش اپنائی ہے اور عنوان بھی بدل دیا ہے، اصل عبارت اور اس کا عنوان یہ ہے۔

''دیوبند کا مدرسہ اب تک سیاست سے الگ تھلگ رہا'' ۹۔ دیوبند کا مدرسہ شمس العلماء حافظ محمد احمد پسر مولانا محمد قاسم بانیٔ مدرسہ کے محتاط انتظام میں ماضی کے بہت سے برسوں میں سیاست سے بالکل پاک وصاف رہا تھا اور اس کے مدرسوں اور متعلموں نے جدید سیاست یا امور خارجہ میں نہایت خفیف دلچسپی لی تھی یا مطلق دلچسپی نہ لی تھی، عبید اللہ کی آمد سے اور اس کے اثر سے مدرسہ کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا۔''

خط کشیدہ جملے چونکہ موصوف کے مدعا ومقصود کے لئے مخل تھے اس لئے اسے ہضم کر گئے اور حوالہ میں صفحہ غلط دیدیا تا کہ اصل ونقل کے درمیان مطابقت میں دشواری ہو اور سہل پسند طبائع اس زحمت سے بچنے کے لئے ان کی نقل پر اعتماد کرلیں۔ پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہ ایک سی، آئی، ڈی کی رپورٹ ہے مستند تاریخ نہیں، لہٰذا جو چیز جس درجہ کی ہو اس کا استعمال اس کے معیار کے لائق ہونا چاہئے، اس لئے موصوف کا یہ حوالہ حذف وترمیم کے باوجود بھی بے سود ہے۔

(۶) اسی مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایک اور مثال ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

''مولانا مرحوم کی سب سے بڑی قابل قدر خدمت یہ ہے کہ انھوں نے ریشمی رومال تحریک کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کی چنانچہ رولٹ کمیٹی رپورٹ پیرا نمبر ۱۷۶ میں درج ہے کہ اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط کے واقعات کا انکشاف ہوا عبید اللہ سندھی نے اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ یہ تحریک چلائی مگر مہتمم اور ارباب شوریٰ نے اس کو (عبید اللہ سندھی) اور اس کے وابستگان کو نکال کر اس تجویز کو درمیان ہی میں ختم کردیا۔ (نذیر حسین ص ۲۶ پروفیسر مبارک)

پروفیسر مبارک کی یہ کتاب باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہوسکی اس لئے اس حوالہ کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، البتہ ایک بات ضرور کھٹکتی ہے کہ ریشمی خطوط تحریک کے سلسلے میں مستند ترین بسہولت دستیاب کتاب ''تحریک شیخ الہند'' انگریزی زبان میں ریشمی خطوط سازش کیس اور کون کیا تھا، مرتبہ مولانا سید محمد میاں جس کا حوالہ خود موصوف نے متعدد بار دیا ہے کو نظر انداز کر کے ایک غیر متعلق کتاب کا سہارا کیوں لیا گیا ہے ''کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے'' آیئے تحریک شیخ الہندؒ یعنی ریشمی خطوط سازش کیس'' کی روشنی میں موصوف کے پیش کردہ اس حوالہ کا جائزہ لیں تاکہ اس حوالہ کی حیثیت بھی معلوم ہو جائے اور ناظرین کرام کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ اس حوالہ میں کتنا جز اصل کے مطابق ہے اور کتنا حصہ موصوف کی دماغی کاوش کا نتیجہ ہے، اس سلسلے کی پہلی چیز جو ملتی ہے وہ سینٹرل انٹلی جنس کے ڈائرکٹر کی رپورٹ ۱۶، ۱۹۱۵ء کا یہ پیراگراف ہے جس میں وہ لکھتا ہے۔

''مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں سرکشی کا آغاز عبید اللہ سے ہوتا ہے یہ شخص نومسلم سکھ ہے اس نے ۸۹، ۱۸۸۱ء کے درمیان مدرسہ میں تعلیم پائی ۱۹۰۹ء میں استاذ بن کر مدرسہ میں غداری کے جذبات پیدا کرنے کے ارادہ سے شامل ہوا، ۱۹۱۳ء میں غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین پر اس کو برطرف کر دیا گیا لیکن اس دوران اس نے صدر مدرس محمود حسن کو اپنا ہم عقیدہ بنالیا تھا۔ (تحریک شیخ الہند ص ۱۴۸)

صفحہ ۱۶۹ پر یہ بیان ہے۔

''مولوی عبید اللہ نومسلم سکھ پنجابی ہیں انھوں نے دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور یوپی میں تعلیم پائی، فارغ التحصیل ہونے کے بعد انھوں نے بارہ برس سندھ میں گذارے جہاں وہ بہت بااثر ہو گئے تھے اور انھوں نے جنونی جذبات رکھنے والوں کے لئے مدرسہ قائم کیا تھا، پھر وہ دیوبند میں استاذ بن کر واپس آئے اور انھوں نے ''جمعیۃ الانصار'' قائم کی یہ دیوبند کے

پرانے طالب علموں کی انجمن تھی بظاہر بالکل بے ضرر تھی لیکن اس کے مقاصد جیسا کہ اب ظاہر ہوا ہے باغیانہ تھے۔''

دارالعلوم دیوبند میں ایک استاذ کی حیثیت سے مولوی عبیداللہ نے بڑی کامیابی کے ساتھ کئی اساتذہ کی وفاداری کو متاثر کیا جن میں خصوصیت سے مولانا محمودالحسن صدر مدرس شامل ہیں وہ بہت با اثر عالم ہیں اس معاملہ میں آگے پھر ان کا ذکر آئے گا، اساتذہ میں اختلاف کے باعث بالآخر مولوی عبیداللہ کو برطرف کر دیا گیا ۱۹۱۳ء میں وہ دلی میں متوطن ہو گئے اور ترکوں کے مشہور حامی رام پور کے مولانا محمد علی مدیر کامریڈ کے گہرے دوست بن گئے، عبیداللہ نے دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے عربی کا ایک مدرسہ قائم کیا حالیہ تحقیقات سے ظاہر ہوا ہے کہ اس کے قیام کا مقصد اسے اتحاد اسلامی کی سازش کا ہیڈ کوارٹر بنانا تھا۔''

استغاثہ ملک معظم شہنشاہ ہند بنام عبیداللہ وغیرہ کے زیر عنوان یہ تفصیل مذکور ہے۔

''مدرسہ میں عبیداللہ کا ضرر رساں اثر تیزی سے پھیلنے لگا اور اس نے مدرسہ کے اساتذہ اور طلباء میں بہت سے لوگوں میں اپنے باغیانہ افکار بھر دیئے، اس نے مولانا محمودالحسن کو اس سے پہلے ہی مکمل طور پر اپنا ہم خیال بنالیا تھا کہ مدرسہ کے منتظمین مدرسہ کو درپیش خطرات کا اندازہ کر سکیں اور عبیداللہ کو اسے چھوڑنے پر مجبور کریں۔'' (ص ۱۹۱)

اسی استغاثہ کے پیرا ۸ میں جمعیۃ الانصار کے سلسلے میں یہ معلومات فراہم کی گئی ہے۔

''عبیداللہ نے جمعیۃ الانصار کے اندر ایک خفیہ جماعت بنائی تھی یہ ایک قسم کا اندرونی حلقہ تھا جس کے اغراض و مقاصد ظاہر نہیں کئے گئے تھے لیکن رسوا کن حد تک قابلِ اعتراض تھے چنانچہ مدرسہ کے سربراہ نے موقع نکال کر مولوی عبیداللہ کو طلب کیا اور اس بارہ میں سخت سرزنش کی۔'' (ص ۱۹۲)

پیراگراف ۱۴ میں یہ لکھا گیا ہے۔

”مدرسہ کی نیک نامی کی بقاء کے لئے مجلس منتظمہ نے فیصلہ کیا کہ عبید اللہ کو اس کے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ مدرسہ سے خارج کردینا چاہئے۔“

(ص ۱۹۵)

ان سارے بیانات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) (مولانا) عبید اللہ سندھی دارالعلوم دیوبند میں غداری کے جذبات پیدا کرنے کی غرض سے بحیثیت استاذ کے یہاں مقیم ہوگئے۔

(۲) ۱۹۱۳ء میں غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین کی وجہ سے انھیں مدرسہ سے الگ کردیا گیا۔

(۳) انھوں نے صدر مدرس مولانا محمود حسن (قدس سرہٗ) کو اپنا ہم نوا بنالیا تھا۔

(۴) ۱۹۰۹ء میں عبید اللہ نے جمعیۃ الانصار قائم کی جس کے مقاصد باغیانہ تھے۔

(۵) اساتذہ سے اختلاف کے باعث (مولانا) عبید اللہ سندھی کو مدرسہ سے الگ کردیا گیا۔

(۶) (مولانا) عبید اللہ نے مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ میں نہایت تیزی کے ساتھ باغیانہ افکار بھردیئے۔

(۷) مدرسہ کے سربراہ نے (مولانا) عبید اللہ کی خفیہ سرگرمیوں کی بناء پر سخت سرزنش کی۔

(۸) مدرسہ کی نیک نامی کے لئے منتظمہ نے فیصلہ کیا کہ (مولانا) عبید اللہ اوران کے ساتھیوں کو مدرسہ سے الگ کردیا جائے۔

محکمۂ خفیہ کی اس رپورٹ کو پڑھئے اس میں مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی کے تین اسباب بتائے گئے ہیں (الف) غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرنے کی دعوت (ب) اساتذۂ دارالعلوم سے اختلاف (ج) دارالعلوم کی نیک نامی کی بقا۔ پھر مولانا سندھیؒ کو کس نے الگ کیا اس سلسلے میں سی آئی ڈی نے دوجگہ کسی کی تعیین نہیں کی ہے بلکہ برطرف کردیا گیا کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور ایک جگہ لکھا ہے کہ مجلس منتظمہ نے ان

کی علیحدگی کا فیصلہ کیا۔

جب کہ آں موصوف کے نقل کردہ حوالہ میں اس کی تمامتر ذمہ داری دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا محمد احمد صاحب پر ڈال دی گئی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں ''مولانا مرحوم کی سب سے بڑی قابل قدر خدمت یہ ہے کہ انھوں نے ریشمی تحریک کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کی۔'' موصوف اپنے اس نادرالوجود حوالہ کے ذریعہ یہ انوکھا انکشاف بھی فرمارہے ہیں کہ مولانا عبیداللہ سندھی اوران کے رفقائے کار کو دارالعلوم سے علیحدہ کرکے اس تحریک اوراس کی تجویز کو درمیان ہی سے ختم کردیا۔ موصوف کی یہ دریافت تاریخ میں ایک اضافہ ہے جس پر انھیں جتنی بھی داد دی جائے کم ہے، ورنہ سی آئی ڈی کی تحقیق یہ ہے کہ ''دیوبند سے عبیداللہ کے اخراج کے معنی یہ نہیں تھے کہ اس کا وہاں آنا جانا بند ہوگیا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا کی نشست گاہ (بیٹھک) ستمبر ۱۹۱۵÷ تک جبکہ مولانا ہندوستان سے حجاز روانہ ہوئے سازشوں کی جلسہ گاہ بنی رہی، عبیداللہ اور دوسرے لوگ مشوروں میں شریک ہونے کے لئے دیوبند آتے رہے۔'' (تحریک شیخ الہندؒ ص ۱۹۶-۱۹۵)

اگر یہ تحریک وتجویز درمیان ہی سے ختم ہوگئی تھی تو پھر بقول سی، آئی، ڈی یہ سازش کس لئے ہورہی تھی؟ آں موصوف ہی اس سوال کو حل کریں گے، اور خود مولانا سندھی اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں ''حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا، ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۴÷ میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔'' (آپ بیتی ملحقہ مولانا سندھی کی سرگزشت کابل ص ۱۱۱ از مولانا عبداللہ لغاری، مطبوعہ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت اسلام آباد، پاکستان) اسی نظارۃ المعارف کو سرکاری خفیہ پولس اتحاد اسلامی کی سازش کا ہیڈکوارٹر بتاتی ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵÷ میں شیخ الہند کے حکم سے کابل گیا مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا تھا اس لئے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن تعمیل حکم کے لئے جانا ضروری تھا، خدا نے اپنے فضل سے نکلنے کا راستہ صاف کردیا اور میں افغانستان پہنچ گیا... کابل جاکر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند جس جماعت کے

نمائندہ تھے اس کی پچاس سالہ محنتوں کے حاصل میرے سامنے غیر منظّم شکل میں تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں .... میں سات سال تک کابل حکومت کی شرکت میں اپنا ہندوستانی کام کرتا رہا الخ (ایضاص ۱۲)

تحریک درمیان ہی سے ختم ہوگئی تھی تو بقول سی آئی ڈی دہلی میں نظارۃ المعارف کے نام سے اتحاد اسلامی کی سازش کا ہیڈ کوارٹر کس لئے قائم کیا گیا اور حضرت شیخ الہندؒ نے کس کام کے لئے مولانا سندھی کو کابل بھیجا اور وہ کون سا ہندوستانی کام تھا جسے مولانا سندھی کابل حکومت کی شرکت میں انجام دیتے رہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ سی آئی ڈی کی یہ رپورٹ رجماً بالغیب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ وہ آخر تک تحریک کی حقیقت سے بے خبر رہا، اسی بے خبری کا نتیجہ ہے کہ وہ تحریک کا بانی مبانی مولانا سندھی کو قرار دیتا ہے جب کہ یہ بات سرے سے غلط ہے، اسی طرح وہ مولانا سندھی کے دارالعلوم سے علیحدگی کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرسکا اسی بنا پر وہ اس سلسلے میں متعدد وجوہ بیان کررہا ہے اور اس کے یہ سارے بیانات خود صاحب معاملہ مولانا سندھی مرحوم کے بیان سے مختلف ہیں، کیونکہ مولانا سندھی تو یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت شیخ الہند کے حکم سے انھوں نے اپنا محاذ بدل دیا، مولانا سندھی کے خود اپنے الفاظ یہ ہیں۔ ''حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا۔''، جس کا مطلب یہ ہوا کہ غیر ملکی مال کا مقاطعہ، اساتذہ سے اختلاف، اور دارالعلوم کی نیک نامی کی بقاء، یہ امور اس درجہ کے نہیں تھے کہ ان کی وجہ سے مولانا سندھی کو دارالعلوم چھوڑنا پڑ گیا، بلکہ اس کا سبب اصلی کمانڈر کا حکم تھا اس سلسلے میں مولانا سندھی کے تلمیذ رشید اور کاررہائے سیاسی میں ان کے رفیق خاص مولانا عبداللہ لغاری نے جو تفصیلات دی ہیں ان سے صحیح صورت حال بالکل سامنے آجاتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ

> ''ایک بار نجات غیر مسلم کے بارے میں مولانا سندھی، مولانا انور شاہ سے گفتگو کررہے تھے، مولانا سندھی نے فرمایا کہ اگر ایک غیر مسلم آدمی جو بااخلاق ہے، اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہے، اور لوگوں میں اصلاح کرتا ہے

اور اس کے اعمال بھی بھلے ہوں تو وہ قیامت میں نجات کا مستحق ہے، مولانا انور شاہ صاحبؒ نے کہا، کیا آپ کا یہ اعتقاد ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ ......کو اپنا نبی نہ مانے تو بھی وہ نجات کا مستحق ہوسکتا ہے؟ مولانا نے غصے سے کہا۔ بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کیونکہ تمہاری تبلیغ ان کے کانوں میں پہنچی نہیں، اس پر غصہ ہوکر انھوں نے مولانا پر کفر کا فتویٰ صادر کیا اور اراکین مدرسہ کو اطلاع کر دی...انھوں نے مولانا سندھی کو ایک مجلس میں بلایا اور ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ جو رسول اللہ......کو نہ مانے اور اس کے اخلاق اچھے ہوں وہ مسلمانوں کی طرح نجات کا مستحق ہے، مولانا سندھی نے فرمایا کہ بے شک میں نے یہ کلمہ کہا ہے، انھوں نے کہا کہ آپ نے کلمۂ کفر زبان سے نکالا ہے...اب آپ اس سے توبہ کریں تو یہاں رہیں ورنہ چلے جائیں، مولانا سندھی نے فرمایا میں توبہ کرنے کے لئے تیار ہوں پھر انھوں نے مولانا کو کلمہ اور آیت (آمنت باللہ) پڑھائی اور استغفار اور توبہ کرانے کے بعد کہا اب آپ مسلمان ہیں۔

اس مخالفت کے زمانے میں مولانا شیخ الہندؒ موجود نہ تھے وہ گنگوہ کی طرف گئے ہوئے تھے اور وہاں ہفتہ بھر کے لئے ٹھہر گئے تھے، مولانا سندھیؒ نے ''جمعیۃ الانصار'' کی نظامت کے عہدے سے استعفاء لکھ کر اراکین مدرسہ کے حوالے کیا اور اسٹیشن آکر سہارن پور کا ٹکٹ لیا، سہارن پور کے اسٹیشن پر مولانا شیخ الہندؒ سے ملاقات ہوگئی، ان سے سارا واقعہ بیان کیا اور اپنے استعفیٰ کا بھی ذکر کر دیا، وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا آپ نے بہت اچھا کیا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ دیوبند میں رہیں، آپ سیدھے دہلی چلے جائیں اور وہاں کوئی مدرسہ کھول لیں، مولانا سندھی نے دہلی پہنچ کر فتح پوری مسجد میں ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' قائم کی، حضرت شیخ الہندؒ کی غرض یہ تھی کہ مولانا دہلی میں رہ کر ہندو مسلم اتحاد کی تحریک شروع کریں۔'' (مولانا عبیداللہ کی سرگذشت

کابل از مولانا لغاری ص ۷۸-۷۷)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وہ اختلاف اساتذہ جس کو سی آئی ڈی مولانا سندھی کے دارالعلوم سے اخراج کا سبب بتا رہا ہے رفع دفع ہو گیا تھا، لیکن اس واقعہ کے بعد مولانا سندھی نے وہاں رہنا مناسب نہ سمجھا اور استعفا دے کر مدرسہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ مولانا کے اس فیصلے کو شیخ الہندؒ نے بھی پسند کیا اور انھیں دہلی میں رہ کر کام کرنے کی ہدایت دی، یہ ہے واقعہ کی اصل حقیقت۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

ان حقائق کے بعد آں موصوف کی اس دلیل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے اسے ناظرین کرام اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں؟

(۷-۸) اس کے بعد موصوف اپنے مدعا و مقصود کے اثبات میں ''مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کا دور'' اور ''مولانا محمود الحسن صاحب کا دور'' دو عنوان قائم کر کے جریدہ ترجمان ۱۱/۹/۱۹۹۱ء کے صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔

''مولانا محمد قاسم صاحب کا دور بالکل غیر سیاسی تھا اس کے بعد ان کے خطاب یافتہ وفادار سرکار بیٹے شمس العلماء حافظ محمد احمد صاحب کا دور بھی غیر سیاسی بلکہ انگریزوں سے وابستگی کا دور تھا۔'' (احسن نانوتوی ص ۲۱۷)

مولانا محمود الحسن صاحب کا دور جو تقریباً چالیس سال پر محیط ہے اس میں بھی دیوبند ہمیشہ مسلمانوں کی تحریکات میں غیر جانب دار رہا اور سرکاری سرپرستی میں ترقی کرتا رہا اس مدرسہ نے یوماً فیوماً ترقی کی لیفٹننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد نے اس مدرسہ کا معائنہ کیا تو بڑے اچھے خیالات کا اظہار کیا، یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ مدد و معاون سرکار ہے، یہاں کے تعلیم یافتہ لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ نہیں۔''

(احسن نانوتوی ص ۲۱۷)

یہ ہے مختصر ترین تعارف وجہ تاسیس دیوبند اور اس کے اراکین و منتظمین کا۔

آں موصوف کے پیش کردہ دونوں حوالے ایجاد بندہ کے قبیل سے ہیں ''احسن نانوتوی'' مولفہ جناب محمد ایوب قادری میں ان کی پیش کردہ عبارت قطعاً نہیں ہے، دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے میں موصوف کو کمال حاصل ہے، عبارت کا اختراع تو خود کررہے ہیں اور سر منڈھ رہے مرحوم ایوب قادری کے، اس جسارت بے جا کی بھی کوئی حد ہے! جماعت دیوبند سے اپنے نفسانی بغض وعناد کی وجہ سے انھیں یہ گوارہ نہیں ہے کہ کوئی خوبی اور قابل تعریف بات ان کی جانب منسوب ہوجائے اس لئے استخلاص وطن کے سلسلے میں اکابر دارالعلوم کی مجاہدانہ سرگرمیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ تاریخ کو مسخ کرنے کے درپے ہیں، اور اپنی ذہنی اپج اور دماغی اختراع کو لائق اعتناء بنانے کی ناکام ہوس میں اسے کسی معروف ومشہور مؤرخ ومحقق کی جانب غلط طور سے منسوب کردیتے ہیں، ان کے اس غیر ذمہ دارانہ رویے کی اس چھوٹے سے مضمون میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔

ہاں دوسرے حوالے میں ''اس مدرسہ نے ''یوماً فیوماً ترقی کی'' سے ''ایک کو دوسرے سے کوئی واسطہ نہیں'' تک کی عبارت احسن نانوتوی کی ہے، یہی عبارت اپنے مضمون کی ابتدا میں بھی نقل کرچکے ہیں، ناظرین کرام دونوں جگہوں کی عبارتوں کا مقابلہ کرکے خود اندازہ لگاسکتے ہیں کہ موصوف حوالوں کے پیش کرنے میں کتنے محتاط ہیں، اس حوالہ سے متعلق گفتگو گذرچکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

موصوف کو دیوبندیت وحنفیت سے اس درجہ کد ہے کہ دیوبندی مکتب فکر کے مدارس کی کثرت بھی ان کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہے، چنانچہ اسی مضمون میں انھوں نے اس پر بھی واویلا مچایا ہے حالانکہ موصوف کو معلوم ہونا چاہئے کہ انھیں مدارس اور اس کے علماء نے ظلمت کدۂ ہند میں اسلامی اقدار اور دینی علوم کی نہ صرف حفاظت وصیانت کی بلکہ جب پوری دنیائے اسلام میں دینی علوم باد زوال کے تیز وتند تھپیڑوں سے مرجھا گئے تھے تو ان مدارس کے علماء وفضلاء کی علمی سرگرمیوں کی بدولت ہندوستان کے چمنستان علم میں بہار انگڑائیاں لے رہی تھی، چنانچہ عالم اسلام کے منتخب عالم، نامور صاحب قلم اور یگانۂ روزگار

مصنف علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں۔

لولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث فى هذا العصر لقضى عليها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فى مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف فى اوائل القرن الرابع العشر (مقدمه مفتاح كنوز السنة "ص ق" مطبوعہ مصر ۱۳۵۳ھ)

اگر علمائے ہند کی توجہ اس زمانہ میں علم حدیث کی جانب نہ ہوتی تو بلاد مشرق سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا، کیونکہ مصر، شام، عراق اور حجاز میں علم حدیث کا زوال دسویں صدی ہجری سے شروع ہو کر چودہویں صدی کے اوائل میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

(۹) اپنے مدعا کے اثبات میں صدیقی صاحب ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں۔

''مولانا محمد میاں صاحب ''علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۳۸۷'' میں فرماتے ہیں۔'' دارالعلوم دیوبند جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد، مظاہر علوم سہارنپور کے حلقے قائم کئے گئے جنھوں نے سیاست سے علیحدگی کا اعلان کردیا۔''

اس جگہ بھی عبارت کے مطابق حوالہ نا تمام اور صفحات غلط دئے ہیں، یہ عبارت علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۴ ص ۲۸۷ کی ہے مگر مقصد براری کیلئے اس عبارت کے اوّل جملوں کو حذف کردیا ہے، آپ پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں اور آں موصوف بزعم خود اہل حدیث صاحب کی دیانت داری کی داد دیں۔

''حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد منیر صاحب اوران کے برادر محترم مولانا محمد مظہر صاحب کو ہندوستان چھوڑا گیا اور ابھی شہیدوں کا خون خشک ہونے نہیں پایا تھا کہ ان بزرگوں نے تحریک کی نشأۃ ثانیہ کے لئے دارالعلوم دیوبند، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد، مظاہر علوم سہارنپور وغیرہ کے حلقے قائم

کردیئے جنھوں نے سیاست سے علیحدگی کا اعلان کیا مگر دین و مذہب جس
کی تعلیم کو نصب العین بنایا تھا اس کی ہمہ گیر تفسیر میں ان بزرگوں کے
عقیدے کے مطابق وطنی سیاست اور جدو جہد آزادی ایک فرض کی حیثیت
تھی اسی احساس فرض کا نتیجہ تھا کہ جیسے ہی ۱۸۵۸÷ میں انڈین نیشنل
کانگریس قائم کی گئی اس جماعت کے سربراہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن
صاحب قدس سرہٗ العزیز اور آپ کے ساتھیوں نے مسلمانوں کے لئے
شرکت کانگریس کا فتویٰ صادر کیا... پھر بیسویں صدی کے شروع میں مؤتمر
الانصار و جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک نظام قائم کیا گیا اس نظام کا
اندرونی رخ یہ تھا بقول شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
''۱۹۰۷÷ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز
نے ریشمی خط کی تحریک شروع کی اور ۱۹۱۴÷ تک اسے اس حد تک پہنچا دیا
کہ اگر کچھ ملک کے خائن خیانت نہ کرتے تو اسی وقت ہندوستان آزاد
ہو چکا ہوتا۔'' (شاندار ماضی ج ۴ ص ۸۸-۲۸۷)

مولانا محمد میاں صاحب کیا لکھ رہے ہیں اور آں موصوف اپنے مسموم ذہن سے
اسے کیا سمجھ رہے ہیں، سچ ہے ''ہر چہ گیرد علتی علت شود''

(۱۰) صفحہ ۶ کالم ۱، پر آگے لکھتے ہیں انھیں اسباب کی بنا پر مولانا عبیداللہ سندھی
مدرسہ دیو بند سے مایوس ہوگئے کہ یہاں سے تحریک آزادی کا کام نہیں ہوسکتا۔

''دیو بند کا مدرسہ شمس العلماء حافظ محمد احمد کے محتاط انتظام میں سیاست سے
پاک صاف رہا، اس کے مدرسوں، معلّموں، متعلموں نے سیاست میں
مطلق دلچسپی نہ دکھائی چنانچہ دیو بند کو اپنے مشن کی تربیت گاہ بنانے میں
ناکام ہو کر عبیداللہ سندھی نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک مدرسہ دہلی میں اس مقصد
کیلئے قائم کریں۔ (تحریک شیخ الہند ص ۲۸۵)

یہی عبارت بحوالہ تحریک شیخ الہند ص ۲۶۲ جریدہ ترجمان ۱۱/۹/۹۱÷ کے صفحہ ۵ کالم ۳

میں نقل کر چکے ہیں جسے ہم نے بعینہٖ پانچویں نمبر پر درج کر دیا ہے۔ موصوف کی مغالطہ اندازی دیکھئے اس جگہ تو حوالہ میں ۲۶۲ تحریر کیا (جو غلط تھا) اور اس موقع پر حوالہ ۲۸۵ کا دے رہے ہیں اور یہ بھی بالکل غلط ہے، پھر دونوں تحریروں کا مقابلہ کر کے دیکھ لیں کہ اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لئے کس طرح دجل وفریب کیا جا رہا ہے ''تحریک شیخ الہند'' کی اصل عبارت میں اپنے مفتریات کو کس طرح داخل کر دیا گیا ہے، علاوہ ازیں گذشتہ صفحات میں موصوف نے خود حافظ احمد صاحب پر یہ الزام چسپاں کیا تھا کہ ریشمی تحریک کو ناکام کرنے کے لئے انھوں نے مولانا سندھی کو دارالعلوم سے الگ کر دیا، اور یہاں لکھ رہے ہیں کہ مولانا عبیداللہ سندھی مدرسہ دیوبند سے مایوس ہو گئے کہ یہاں سے تحریک آزادی کا کام نہیں ہوسکتا... چنانچہ دیوبند کو اپنے مشن کی تربیت گاہ بنانے میں ناکام ہو کر عبیداللہ سندھی نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک مدرسہ دہلی میں اس مقصد کیلئے قائم کریں۔ ''دروغ گورا حافظہ نباشد'' کی اس سے بہتر مثال اور کہاں ملے گی۔

(۱۱) دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کے خلاف اپنے بغض وحسد کی ظلمت سے صفحۂ قرطاس کو سیاہ کرنے کے بعد وہابی مدارس کی قصیدہ خوانی ومدح سرائی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> ''وہابی تحریک کے مدرسوں سے ایسے ایسے سرفروش پیدا کئے جاتے تھے جو وہاں سے نکل کر تحریک حریت میں شامل ہوں، یہ وہابی مدرسے تحریک حریت کے مرکز تھے اور ان مدارس کے معلّمین و متعلّمین مجاہدین کو روپیہ اور اسلحہ فراہم کرتے تھے، ۱۸۶۳ء میں امیر المجاہدین مولانا عبداللہ نے جنگ انبیلہ لڑی جس میں انگریزوں کو منہ کی کھانی پڑی، تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہابی کے ادارے اور علماء ہی اصل مجاہدین کو روپیہ اور اسلحہ سپلائی کرتے ہیں، پورے ملک میں پٹنہ سے صوبہ سرحد تک زیر زمین کا ایک جال بچھا ہوا ہے، اس وقت صرف بنگال میں اسّی ہزار مدرسہ اس قسم کے موجود تھے۔
>
> (جریدہ ترجمان ۹۱/۹/۱۱ء ص ۶)

اس سلسلے میں عرض ہے کہ وہابی مجاہدین کی جانبازی و جاں سپاری سر آنکھوں پر، ان سرفروشوں کے مجاہدانہ کردار کی ہر ذی فہم ملت کا دردمند مسلمان دل و جان سے قدر کرتا ہے، لیکن ان کے کارناموں سے اہل حدیث پارٹی کو کیا واسطہ، جس پر جناب فخر ومباہات کا گیت گا رہے ہیں، جماعت اہل حدیث کے نزدیک تو یہ محبان حریت بدخواہ، دشمن، فسادی، اور شریر تھے، اپنے امام السنۃ، خاتم المحدثین، مجدد فی الہند عالی جاہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی کی درج ذیل تحریر پڑھئے۔

''گورنمنٹ ہند کے دیگر فریق اسلام نے یہ دل نشین کر دیا ہے کہ فرقۂ موحدین (اہل حدیث) ہند مثل وہابیان ملک ہزارہ ایک بدخواہ فرقہ ہے اور نیز یہ لوگ ویسے ہی دشمن فسادی ملک گورنمنٹ کے ہیں جیسے کہ دیگر شریر اقوام سرحدی بمقابلہ حکومت ہند شرارت سوچا کرتے ہیں۔'' (ترجمان وہابیہ، ص ۶۱)

آپ کی جماعت اہل حدیث تو من حیث الجماعت وہابیوں اور ان کی تحریک سے نفرت اور اظہار بیزاری کر چکی ہے، حتیٰ کہ وہابی نام سے موسوم ہونا بھی اسے گوارا نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجئے آپ کی جماعت اہل حدیث کے مربی نواب صاحب ہی لکھتے ہیں۔

''چنانچہ لیفٹنٹ گورنر صاحب بہادر موصوف نے اس درخواست کو منظور کیا اور پھر ایک اشتہار اس مضمون کا دیا گیا کہ ''موحدین ہند (اہل حدیث) پر شبہ بدخواہی گورنمنٹ ہند عامۃً نہ ہو خصوصاً جو لوگ کہ وہابیان ملک ہزارہ سے نفرت رکھتے ہوں اور گورنمنٹ ہند کے خیر خواہ ہیں ایسے موحدین مخاطب بہ وہابی نہ ہوں۔'' (ترجمان وہابیہ ص ۶۲)

لہٰذا ان وہابی مجاہدین کی انگریز مخالف سرگرمیوں پر آپ کی یہ شیخی قطعاً بے محل ہے۔
''جو بات کی جناب نے وہ لاجواب کی'' آپ کی جماعت تو اپنے برطانوی آقا کی خوشنودی میں فریضۂ الٰہی جہاد کو منسوخ کر چکی ہے چنانچہ عزت مآب جناب نواب صاحب رسالہ ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' مؤلفہ ترجمان اہل حدیث مولانا محمد حسین بٹالوی جس کے ذریعہ جہاد کو متفقہ طور پر کالعدم کیا گیا تصویب و تصدیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

’’پھر مولوی محمد حسین نے اپنے اس دعویٰ اور جواب کی تصدیق میں کل علماء ملک پنجاب و اطراف ہند کے پاس اپنے فتویٰ جوابی کو بھیج دیا اور اچھی طرح سے مشتہر کیا اور کل علماء ہند و ملک پنجاب سے اس بات کی تصدیق میں اقرار مہری و دستخطی کرالیا کہ عموماً مسلمانان ہند کو ہتھیار اٹھانا اور جہاد بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند کرنا خلاف سنت و ایمان موحدین ہے، اور نیز کل علماء پنجاب و ہند نے تائید قول مولوی محمد حسین کو اس فتوی میں بہت سچا اور پکا کہا ہے اور سب نے اپنی اپنی رضائے اسلامی و ایمانی سے اس فتویٰ کو قبول کیا ہے اور جانا اور مانا ہے کہ بمقابلہ گورنمنٹ ہند فرقہ موحدین (اہلحدیث) کو ہتھیار اٹھانا خلافِ ایمان و اسلام ہے۔‘‘ (ترجمان وہابیہ ص ۱۲۱)

جس جماعت کا یہ عقیدہ ہو کہ برطانوی سامراج کے مقابلہ میں جہاد خلاف اسلام و ایمان ہے، کیا آج اس جماعت کے کسی فرد کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ وہابی تحریک اور وہابی مجاہدین کی مجاہدانہ خدمات کو اپنی جانب منسوب کر کے اس پر شیخی بگھارے؟ اس موقع پرستی اور بے غیرتی کی بھی کوئی حد ہے۔

علاوہ ازیں وہابی تحریک کو اہل حدیث کی تحریک سمجھ کر آں جناب کا اس پر فخر کرنا تاریخ سے عدم واقفیت کی کھلی دلیل ہے کیونکہ اس زمانہ میں لفظ وہابی حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء پر بولا جاتا تھا جو حنفی المسلک تھے نہ کہ غیر مقلد، چنانچہ تاریخ ہند کے نامور محقق جناب خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

’’جس نے ہنٹر کی کتاب ’’ہمارے ہندوستانی‘‘ پڑھی ہے اس سے انکار نہ کرے گا کہ وہابی کا لفظ اس زمانہ میں سیّد صاحبؒ اور ان کے ہم خیال علماء کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور بقول ہنٹر وہابی اور غدار ہم معنی الفاظ تھے۔‘‘

(مقدمہ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ص ۱۵ مرتبہ خلیق نظامی)

(۱۲) اس بیجا لاف زنی پر تقریباً ایک کالم سیاہ کرنے کے بعد دارالعلوم اور اس کے اکابر کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالتے ہیں۔

''کیا ملک کی آزادی کے مقابلے میں ایک مدرسہ کی قربانی بھاری تھی؟ ملک آزاد ہوجانے کے بعد ایسے کتنے دارالعلوم بن کر تیار ہوجاتے، لیکن اگر دارالعلوم کو سیاسی مرکز بناتے تو مدرسہ کو مالی تعاون نہ ملتا، وظیفہ خوروں کے وظیفے بند ہوجاتے، یاران حکومت پنشن سے محروم ہوجاتے، عیش وعشرت کدے سرد پڑجاتے اور جیل میں حسرت موہانی کی طرح چکیاں چلانی پڑتیں۔(جریدہ ترجمان ۱۱/۹/۹۱÷ص ۶ کالم ۲)

آں موصوف سے گذارش ہے کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے اور اپنے امام السنہ، مجدد فی الہند عالیجاہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کے کردار وعمل کو گوشۂ چشم سے ہی دیکھ لیجئے کہ موصوف محض دنیوی نفع ونمود کے لئے مجاہدین حریت کے خلاف انگریزوں کی نہ صرف مالی مدد فرمارہے ہیں بلکہ ان کی فوجیں چار سال تک برطانوی افواج کے دوش بدوش مجاہدین کے مقابلہ میں ڈٹی رہیں جس کے صلہ میں آنجناب کو پرگنہ بیرسیہ کی جاگیر اور ایک لاکھ نقد حاصل ہوا، جس کی تفصیل نظر نواز ہوچکی ہے، کیا وطن عزیز کی آزادی کے مقابلہ میں ایک پرگنہ کی جاگیر اور ایک لاکھ کی قربانی بھاری تھی؟

اپنے شیخ الکل فی الکل، مجدد اعظم اور آیت من آیات اللہ مولانا سید میاں نذیر حسین سورج گڑھی ثم دہلوی کے رویے پر بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈال لیجئے جو سرفروشان وطن کی ہمت شکنی اور اپنے آقا انگریزوں کی رضاجوئی میں جہاد حریت کو غدر، ہُلّڑ اور مجاہدین کو باغی کہتے رہے جس کے صلہ میں انھیں انگریزی سرکار سے شمس العلماء کا خطاب، وفاداری کی سند، امن کا پروانہ اور تیرہ سو روپے نقد وصول ہوئے، کیا آزادئ ملک کے مقابلہ میں شمس العلماء کے خطاب، سند وفاکیشی، پروانہ امن اور تیرہ سو روپے کی قربانی بھاری تھی؟

رہا معاملہ دارالعلوم دیوبند کی قربانی کا! تو دارالعلوم کا قیام ہی اس غرض سے ہوا تھا کہ یہاں سے ایسے رجال کار تیار کئے جائیں جن کے ذریعہ ۱۸۵۷÷ کی ناکامی کی تلافی کی جاسکے اگر اسے بھی بھینٹ چڑھادیا جاتا تو پھر یہ اسکیم کس طرح بروئے کار لائی جاتی۔

ادا شناس نئی دل برا خطا ایں جاست

چنانچہ منصوبہ کے مطابق اس تربیت گاہ حریت سے بانی تحریک ریشمی رومال، شیخ الہند مولانا محمود حسن مجاہد جلیل مولانا عبیداللہ سندھی، بطل حریت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتیٔ اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا عزیرگل، مولانا حکیم نصرت حسین، مولانا منصور انصاری، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ ایسے ایسے جانباز مجاہدین تیار ہوکر نکلے جن کے مجاہدانہ کارناموں نے سرفروشی وجانبازی کی تاریخ میں ایک جدید باب کا اضافہ کردیا، اپنی وفاداریوں کے مرکز، انگریزی سامراج کے محکمہ خفیہ کی رپورٹ کے یہ جملے ملاحظہ کیجئے اس سے کچھ اندازہ ہوجائے گا کہ دارالعلوم دیوبند کی آغوش تربیت میں سنور کر عزیمت واستقامت کے کیسے کیسے پیکر نکلے۔

> ''۱۹۱۵÷ میں مولانا محمود الحسن صدر مدرس تھے جو ریشمی خطوط کے مکتوب الیہ ہیں ستمبر ۱۹۱۵÷ میں وہ ہجرت کرکے حجاز چلے گئے تھے، ریشمی خطوط کی سازش میں جو مولوی شامل ہیں تقریباً وہ سب اس مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں۔'' (تحریک شیخ الہند، کون کیا تھا، ص ۵۳)

علمائے دیوبند کو قید وبند سے فرار کا طعنہ اپنے بغض وعناد کا اظہار یا جہالت کا اقرار ہے کون نہیں جانتا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، حضرت مولانا خلیل احمد، صاحبِ بذل المجہود، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا حکیم نصرت حسین، مولانا عزیرگل، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد علی لاہوری، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا سید محمد میاں دیوبندی وغیرہ سیکڑوں علمائے دیوبند نے استخلاص وطن کی جدوجہد میں مردانہ وار اس سنتِ یوسفی کو ادا کیا ہے، رہا مالی تعاون، وظیفہ خوری اور عشرت کدوں کے سر دپڑ جانے کا طنز، تو یہ ایک خالص طنز ہی ہے جس کا بزعم خود اہل حدیث صاحب اپنی حیات کی آخری شام تک ایک ثبوت بھی فراہم نہیں کرسکتے، دراصل وہ ان خودساختہ الزامات کے چھینٹوں سے اپنی جماعت اور اپنے علمائے نامدار کے دامن سے حریت دشمنی اور انگریز دوستی کے سیاہ حسّت آمیز داغوں کو ہلکا کرنا چاہتے ہیں، لیکن ان کی یہ سینہ کاوی خود ان کے لئے مہلک ہے کیونکہ یہ داغ تو جماعت اہل حدیث کی پیشانی کا جھومر

اور گلے کا ہار ہے جس کے زائل ہو جانے کے بعد اس کے پاس بچے گا ہی کیا۔

آں موصوف علمائے دیوبند کی انگریز نوازی کا ایک ثبوت بزعم خویش یہ پیش کر رہے ہیں۔

(۱۳) اور اسی پر بس نہیں! بلکہ ۱۹۲۷÷ میں جمعیۃ علمائے ہند کا ایک اجلاس پشاور میں ہوا جس کی صدارت شیخ الہند مولانا فخر الحسن (حسد و عناد کی شدت نے موصوف کو اس درجہ حواس باختہ کر دیا ہے کہ وہ حضرت شیخ الہند کا صحیح نام بھی تحریر کرنے سے عاجز ہیں) کے تلمیذ خاص مولانا انور شاہ کشمیری نے فرمائی اور خطبۂ صدارت بزبان فارسی پڑھا در ملک ما اگر دار امان است و ماسکونت اندراں داریم باید کہ احکام ایں دار از کتب مذہب تلاش کنیم.. البتہ جملۂ چند معاہدہ نبی کریم ؐ با یہود مدینہ در ابتداے ہجرت از سیرت ابن ہشام نقل می کنم الخ شاہ صاحب ۱۹۲۷÷ میں بھی ہندوستان کو دار العہد مانتے ہیں اس وجہ سے پشاور کے اجلاس میں حکومت سے محکمۂ قضا کے قیام کا مطالبہ کیا گیا اور جو تجویز منظور ہوئی تھی اس میں محکمۂ قضا سے متعلق یہ الفاظ بھی تھے ''جو بحسب معاہدہ حکومت ہمارا شرعی حق ہے۔''

(جریدہ ترجمان ۱۱/۹/۹۱÷ ص ۶ کالم ۳)

ہمیں اجلاس پشاور ۱۹۲۷÷ کے خطبۂ صدارت کا فارسی ایڈیشن نہیں مل سکا، البتہ اس وقت ہمارے پیش نظر اس خطبہ کا اردو ایڈیشن ہے جس میں مسئلہ زیر گفتگو کے بارے میں یہ تفصیل ہے۔

ہندوستان کی موجودہ حالت کو دیکھنا ہے کہ وہ دار الاسلام یا دار الامان ہے یا دار الحرب، جہاں تک غور و فکر اور اصول شرعیہ کا تعلق ہے زیادہ سے زیادہ اس کو دار الامان کا حکم دیا جا سکتا ہے، دار الاسلام کے احکام جاری ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہٗ محدث دہلوی نے تصریح فرما دی ہے کہ ہندوستان ہرگز ہرگز دار الاسلام نہیں ہے، حضرت شاہ صاحب کا یہ خیال اور یہ فتویٰ اس وقت کا ہے جب کہ موجودہ زمانہ کے لحاظ سے ہندوستان میں اسلامیت کا رنگ بہت زیادہ گہرا تھا اور شعائر اسلامیہ کا اہتمام اور وقعت بہت اچھی حالت میں تھی، تو آج اس کا

دارالاسلام نہ ہونا اس سے زیادہ واضح اور روشن ہونا چاہئے...

ہندوستان کے دارالاسلام نہ ہونے کی حالت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم دارالامان کے احکام کتب مذہب میں تلاش کریں اور ان احکام کی روشنی میں ہندوستانی مسلمانوں کی رہنمائی کا فرض انجام دیں الخ (خطبۂ صدارت مولانا انورشاہ کشمیری اجلاس پشاور دسمبر ۱۹۲۷ء ص ۲۳-۲۲)

ناظرین کرام! خطبۂ صدارت کے اس اقتباس کو بنظر عمیق پڑھ کر فیصلہ فرمائیں کہ اس میں وہ کون سا جملہ ہے جس سے انگریزوں کی وفاداری کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، حضرت شاہ صاحب بار بار لکھ رہے ہیں کہ بحالت موجودہ ہندوستان دارالاسلام نہیں ہے، البتہ وہ اپنی علمی تحقیق کی بنیاد پر یہ فرما رہے ہیں کہ ''زیادہ سے زیادہ اس کو دارالامان کا حکم دیا جاسکتا ہے'' ان کی اس علمی تحقیق سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، لیکن اس جملے سے انگریزوں کی وفاداری کا معنی کشید کرنا کھلی تحریف وتزویر ہے جو ہمارے اہل حدیث صاحب ہی کو زیب دیتی ہے، ارباب علم ودیانت تو اس طرح کی تحریفات سے اپنی علمی ثقاہت کو مجروح نہیں کرتے، موصوف نے حکومت سے محکمۂ قضا کے قیام کے مطالبہ کو انگریزنوازی کے ثبوت میں پیش کیا ہے، کیا کسی حکومت سے اپنے قومی ملّی وشرعی حقوق کا مطالبہ اس حکومت سے وفاداری کی دلیل ہے؟ نہ جانے یہ استدلال کی کون سی قسم ہے، آنجناب ہی بتاسکتے ہیں۔

(۱۴) اسی ضمن میں آگے لکھتے ہیں ''تحریک شیخ الہند'' کے مصنف مولانا محمد میاں صاحب سی آئی ڈی کی رپورٹ نقل کرتے ہیں۔

> ''سب سے گراں قدر فتویٰ وہ ہے جو ۱۸۹۸ء میں مرحوم رشید احمد گنگوہی نے جاری کیا تھا، کیونکہ اس پر دوسرے علماء کے علاوہ مولانا محمود الحسن کے بھی دستخط تھے، کہ مسلمان مذہبی طور پر پابند ہیں کہ حکومت برطانیہ کے وفادار رہیں خواہ آخرالذکر سلطان ترکی سے ہی برسرجنگ کیوں نہ ہوں۔
>
> (ص ۳۰۵) (ترجمان ۱۱/۹/۹۱ کالم ۳ ص ۶)

آں موصوف نے اپنی سابقہ عادت کے مطابق اس موقع پر بھی حوالہ میں صفحات

کے نمبر غلط لکھے ہیں، تحریک شیخ الہند کے صفحہ ۱۱۴/ ۲۲۶ پر یہ عبارت ہے۔ جو استغاثہ ملک معظم شہنشاہ ہند بنام عبید اللہ وغیرہ کے پیرا (۸۱) کے تحت درج کی گئی ہے۔ استغاثہ میں مدعا علیہم مولانا عبید اللہ وغیرہ ۵۹ حضرات کو ملکی قانون کے لحاظ سے مجرم و مستحق سزا ثابت کرنے کے بعد مذہبی پہلو سے بھی ان حضرات کو مورد الزام بنانے کے لئے پولیس نے ایک فرضی فتویٰ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی جانب منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے ''شاید اس سلسلہ میں سب سے گراں قدر فیصلہ وہ فتویٰ ہے جو ۱۸۹۸÷ میں مرحوم مولانا رشید احمد گنگوہی نے جاری کیا تھا... ترکی کے موجودہ جنگ میں شامل ہونے سے کچھ دن پہلے ہی یہ فتویٰ البشیر میں شائع ہوا ہے، اس فتویٰ پر یقین کرتے ہوئے... استغاثہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جہاد اور جہاد کے لئے اشتعال دلانا فرض ہونا تو کجا جائز بھی نہیں بلکہ فی الحقیقت حرام ہے۔ (تحریک شیخ الہند ص ۱۱۴/ ۲۲۶)

استغاثہ کی اس عبارت پر تحریک شیخ الہند کے مرتب مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ نے یہ حاشیہ تحریر کیا ہے۔

> ''تعجب ہے علماء دیوبند یعنی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ سے تعلق رکھنے والی جماعت کو اس فتویٰ کا علم نہیں، اور سی آئی ڈی کو یہ فتویٰ یاد رہ گیا، مزید تعجب یہ کہ خود مولانا محمود الحسن صاحب کو (جنھوں نے بقول سی آئی ڈی اس پر دستخط کئے تھے) یہ فتویٰ یاد نہیں رہا، اور البشیر جس میں یہ فتویٰ طبع ہوا تھا اس کے متعلق بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ اخبار کہاں سے شائع ہوتا تھا اور تاریخ اشاعت کیا تھی، مفصل تردید ہم مقدمہ میں کر چکے ہیں۔'' محمد میاں۔

حیرت ہے کہ صدیقی صاحب کو سی آئی ڈی کی یہ گری پڑی بات اور اس کا خود ساختہ مفروضہ فتویٰ تو تحریک شیخ الہند میں نظر آ گیا، مگر اسی صفحہ کے حاشیہ پر مرتب کتاب کا یہ نقد و تبصرہ نظر نہیں آیا، یا موصوف اسے ہضم کر گئے کیونکہ اس سے تو مدعا کی عمارت ہی زمیں بوس ہو جاتی ہے۔

مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ نے تحریک شیخ الہند کے اپنے طویل مقدمہ میں صفحہ

۱۰۵ پر ''چند مغالطے'' کے عنوان کے تحت بھی سی آئی ڈی کے اس خانہ ساز فتویٰ پر ان الفاظ میں نقد فرمایا ہے۔

اس فتوی کے مستفتی کون تھے؟ سوال کے الفاظ کیا تھے؟ کیا ۱۸۹۸ء میں انگریزوں کی ترکوں سے جنگ ہو رہی تھی؟ ان سوالات میں سے کسی پر روشنی نہیں ڈالی گئی، حوالہ یہ دیا گیا ہے ''ترکی کے موجودہ جنگ میں شامل ہونے سے پہلے یہ فتویٰ البشیر میں طبع ہوا ہے۔'' البشیر اخبار ہے یا رسالہ، کہاں سے شائع ہوتا ہے، ترکی کے موجودہ جنگ میں شامل ہونے سے کچھ دن پہلے، تاریخ ندارد، مہینہ کا نام بھی نہیں۔

ترکی اس جنگ میں نومبر ۱۹۱۴ء میں شامل ہوا، خلاصہ یہ کہ ۱۶؍سال تک یہ فتویٰ سربستہ راز رہا، حضرت گنگوہی کے سینکڑوں شاگرد اور ہزاروں مریدوں اور لاکھوں متوسلین میں سے کسی کو بھی اس کا علم نہیں ہوا... حتی کہ اگست ۱۹۰۵ء میں حضرت گنگوہیؒ کی وفات بھی ہوگئی، سولہ سال بعد جب کہ حضرت گنگوہیؒ کی وفات کو بھی نو سال ہو گئے تھے یکا یک طلسمی قوت سے البشیر کے نامعلوم ایڈیٹر صاحب کے پاس پہنچ گیا... سی آئی ڈی کی اس مسل میں بہت سی تحریروں کے فوٹو شامل ہیں، مگر یہ فتویٰ ایسا ہے کہ اس کا فوٹو تو کیا تاریخ اشاعت بھی درج نہیں، بہرحال یہ محض افترا اور اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کیلئے وہ جعل اور وہ چال ہے جس کے لئے ہندوستانی پولس بدنام ہے۔

جہاں تک حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو اس الزام کی حقیقت یہ ہے ''دروغ گویم بروئے تو'' باقی حضرت گنگوہیؒ کے متعلق اس فتویٰ کا امکان اس وقت ختم ہو گیا تھا جب آپ نے مولانا سعد الدین صاحب کشمیری اور مولانا امان اللہ صاحب کشمیری کے استفتاء کے جواب میں مبسوط اور مدلل فتویٰ صادر فرمایا تھا، جس میں سات صفحات کی مفصل اور مدلل تحریر کے بعد بطور نتیجہ فرماتے ہیں۔

> ''اکنوں حال ہند را خود غور فرمایند کہ اجراء احکام کفار نصاری دریں جا بچہ قوت وغلبہ است اگر ادنی کلکٹر حکم کرد کہ در مساجد جماعت ادا نکنید ہیچ کس از امیر وغریب قدرت نہ دارد کہ اداء آں کند۔''

اب ہندوستان کی حالت پر آپ خود غور فرمائیے کہ اس جگہ کفار و نصاری کے احکام کا اجراء اس قوت اور غلبہ کے ساتھ ہے کہ اگر ایک ادنیٰ کلکٹر حکم کردے کہ مسجدوں میں جماعت سے ادا نہ کریں تو کسی بھی امیر و غریب کی مجال نہیں کہ مسجدوں میں جماعت ادا کر سکے۔

چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

''بہر حال تسلّطِ کفار (نصاریٰ) بر ہند بداں درجہ است کہ در ہیچ وقت تسلط کفار بدارالحرب زیادہ ازیں نبود و اداء مراسم اسلام از مسلمانان محض باجازت ایشاں است از مسلماناں عاجز در رعایا کسے نیست ہنود را ہم رسوخ است مسلماناں را نیست۔''

بہر حال کفار نصاریٰ کا تسلط ہندوستان میں اس درجہ ہے کہ کسی وقت کسی کافر کا کسی دارالحرب پر اس سے زیادہ غلبہ نہیں ہوا اور جو اسلامی رسومات اور شعائر مسلمان یہاں ادا کرتے ہیں وہ صرف ان کی اجازت سے، کوئی رعایا مسلمانوں سے زیادہ عاجز نہیں ہنود کو بھی رسوخ حاصل ہے، مسلمانوں کو وہ بھی نہیں۔ (مقدمہ تحریک شیخ الہند از ص ۱۰۵ تا ۱۰۷)

اس تفصیل کے بعد آں موصوف کے ثبوت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں ''عیاں را چہ بیان'' البتہ علمائے دیوبند پر اس غلط الزام کو چسپاں کرنے کے بجائے آں موصوف اپنے مجدد اعظم عالیجاہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کی درج ذیل تحریروں کو ملاحظہ فرمالیں تو صحیح صورت حال ان پر منکشف ہو جائے گی۔

نواب صاحب اپنی مشہور تصنیف ترجمان وہابیہ کے صفحہ ۲۹ پر رقم طراز ہیں:

''اور حاکموں کی اطاعت اور رئیسوں کا انقیاد ان کی ملت میں سب واجبوں سے بڑا واجب ہے''

یعنی دین اسلام اور مسلمانوں کی عظیم ترین دشمن برطانوی حکومت کی اطاعت گویا امام السنۃ و مجدد اعظم کے نزدیک توحید و رسالت کے اقرار، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ

فرائض سے بھی بڑا فرض ہے۔

اسی کتاب مستطاب کے صفحہ ۴۸ پر بڑی صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں۔

اور کسی شخص کو حیثیت موجودہ پر ہندوستان کے دارالاسلام ہونے میں شک نہیں کرنا چاہئے''

اسی کے ساتھ اپنی جماعت کے محسن اعظم مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی لاہوری (جن کی سعی مشکور کی بدولت بارگاہِ افرنگ سے ''اہل حدیث'' کا نام آپ کی جماعت کو عنایت ہوا ہے) کا یہ فتویٰ بھی بغور پڑھ لیجئے، مرحوم اپنی مشہور زمانہ کتاب الاقتصاد فی مسائل الجہاد میں رقم طراز ہیں۔

جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا، پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو اقوام غیر نے اس پر تغلب سے تسلّط پالیا ہو جیسے کہ ملک ہندستان ہے تو جب تک اس میں ادائے شعائر اسلام کی آزادی رہے وہ بحکم حالتِ قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے، اور اگر قدیم سے اقوام غیر کے قبضہ وتسلّط میں ہو مسلمانوں کو ان ہی کی طرف سے ادائے شعائر مذہبی کی آزادی ملی ہو تو وہ بھی دارالاسلام اور کم سے کم دارالسلم والامان کے نام سے موسوم ہونے کا مستحق ہے، ان دونوں حالتوں اور ناموں کے وقت اس شہر یا ملک پر مسلمانوں کو چڑھائی کرنا اور اس کو جہاد مذہبی سمجھنا جائز نہیں۔ (ص ۱۹)

اسی کتاب میں آگے چل کر صفحہ ۲۵ پر مسئلہ سوم کے نتائج کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

''اس مسئلہ اور اس کے دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجودیکہ عیسائی سلطنت کے قبضہ میں ہے ''دارالاسلام'' ہے اس پر کسی بادشاہ کو عرب کا ہو خواہ عجم کا مہدی سودان ہو یا حضرت سلطان شاہ ایران ہو خواہ امیر خراسان مذہبی لڑائی و چڑھائی کرنا جائز نہیں ہے۔''

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

(۱۵)اوپر مذکوراپنے مفروضہ دلائل کے بعد بطور نتیجہ کے یوں خامہ فرسائی کی ہے۔

''ان حالات کے پیش نظر دارالعلوم دیوبند، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، مظاہرعلوم سہارنپور اور دیگر چالیس اداروں نے متعلّمین کاایسا ذہن بنایا اورارد گرد کے علاقوں میں روحانیت نے ایسا اثر دکھایا کہ ان علاقہ جات میں دور دور تک ایک بھی فرد واحدمجاہدکانام تاریخ میں نہیں ہے۔مولانا محمد میاں صاحب جن کی تاریخ پر گہری نظر ہےوہ خودحیران وپریشان اورانگشت بدنداں ہیں اور لکھنے پر مجبور ہیں۔

''اس موقع پر تاریخ کے ایک طالب علم کی حیرانی ناقابل بیان ہوجاتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ صفحات تاریخ پر مالاگڑھ اور فرخ نگر جیسے گمنام مقامات کے نام موجود ہیں لیکن اس علاقہ (تھانہ بھون، کیرانہ، کاندھلہ، شاملی، پھلت ، کھتولی، جانسٹھ، جھنجھانہ، بڈھانہ، دیوبند، نانوتہ، گنگوہ، منگلور، رڑکی،انبیٹھہ ،رائے پور،رام پورمنہاران،نکڑ، (علمائے ہندکا شاندار ماضی ص۲۲۷ خالد)اوراس کے مجاہدین کا کوئی تذکرہ نہیں، ذکاء اللہ صاحب نے اپنی مشہور کتاب ''تاریخ عروج عہدانگلشیہ'' کےتقریباً آٹھ سوصفحات ۱۸۵۷÷ کی نذرکردیئے ہیں، ان آٹھ سوصفحات میں سےکوئی ایک صفحہ تو درکنارایک سطر بھی اس علاقہ کےمجاہدین کے حصہ میں نہ آسکی (علماء ہندکا شاندار ماضی ص۲۵۰ ج۲) مولانا محمد میاں صاحب نے مذکورہ واقعہ کو بیان کرکے نیچے طویل حاشیہ دے کر بہت باتیں بنانے کی کوشش کی ہے جس پر یہ مصرعہ صادق آتاہے''کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے'' اب اگر تاریخ داں مذکورہ حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہے کہ برصغیر کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے دیوبند حکومت کے وظیفہ خوار تھےاور دارالعلوم دیوبند کوحکومت کی جانب سے امداد ملتی تھی، کیا یہ تجزیہ اور تبصرہ دارالعلوم دیوبند اورارباب دارالعلوم کے سلسلے میں حقائق کی عکاسی نہیں کرتا؟

(جریدہ ترجمان ۱۱/۹ کالم ۴-۳ ص۶)

آں موصوف اس طول طویل اقتباس کو پیش کر کے اپنے ناظرین کے ذہن میں یہ بات اتارنا چاہتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر قائم دینی تعلیم گاہوں نے برطانوی سامراج کی وفاداری کا درس اس قوت کے ساتھ دیا کہ ان اداروں کے زیر اثر مسلمانوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷÷ میں بالکل حصہ نہیں لیا۔

موصوف کو اپنے اس مفروضہ کو تاریخ کا جامہ پہنانے کیلئے دارالعلوم دیوبند ہی کے ایک سپوت یعنی مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ کی دریوزہ گری کرنی پڑی ہے، مگر بدقسمتی سے مانگے کا یہ لباس بھی ان کے اس خانہ ساز مفروضہ پر فٹ نہیں آرہا ہے۔

برصغیر کی علمی وثقافتی تاریخ کے ادنیٰ طالب علم کو بھی معلوم ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷÷ کے نو، دس سال بعد محرم ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۷÷) میں دارالعلوم دیوبند کی تاسیس عمل میں آئی، اس کے چھ ماہ بعد مظاہر علوم سہارنپور قائم ہوا اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد تو ان دونوں درسگاہوں کے گیارہ سال بعد ۱۸۷۵÷ میں منصۂ شہود پر آیا یعنی جنگ حریت ۵۷÷ کے بیس اکیس برس بعد اس کا اجراء ہوا، اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ ادارے اپنے وجود میں آنے سے قبل ہی بحالت نیستی انگریز نوازی کے لئے اپنے معدوم وموہوم متعلّمین کی ذہن سازی کرتے رہے، جس کی بنا پر ان مقامات میں جہاں یہ ادارے ہیں ''دور دور تک ایک بھی فرد واحد مجاہد کا نام تاریخ میں نہیں ہے''؟ آں جناب کی اس تحقیق کو آخر کیا عنوان دیا جائے۔

ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہئے
خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے

دارالعلوم دیوبند اور اس کے ہم فکر دینی اداروں کے متعلق ہمارے اہل حدیث صاحب کا یہ بے بنیاد وصریح غلط دعویٰ بعینہٖ یہود نصاریٰ کے اس دعوی کی طرح ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم ملت یہود (بزعم یہود) یا دینِ نصرانیت (بزعم نصاریٰ) کے پابند تھے جس کی تردید میں خدائے علیم وخبیر کا ارشاد ہے۔

يَاَهْلَ الْكِتَابَ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِیْ اِبْرَاهِيْمُ وَمَا اُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا

مِنۡ بَعۡدِہٖ اَفَلَا تَعۡقِلُونَ (آل عمران) اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیمؑ کی بابت توریت وانجیل تو اتریں ان کے بعد کیا تم کو عقل نہیں ہے۔

یہودی ونصاریٰ میں سے ہر ایک فرقہ دعویٰ کرتا تھا کہ ابراہیمؑ ہمارے دین پر تھے یعنی معاذ اللہ یہودی تھے یا نصرانی، اس کا جواب دیا کہ تورات وانجیل جن کے پیرو یہود ونصاریٰ کہلائے ابراہیمؑ سے سینکڑوں برس بعد اتریں پھر ابراہیمؑ کو یہودی یا نصرانی کیسے کہہ سکتے ہیں۔

اہل حدیث واہل کتاب کے دعووں کی یہ یکسانیت بڑی معنی خیز ہے، جس پر مقالہ نگار کو بطور خاص غور وفکر کرنا چاہئے۔

آں موصوف نے ایک نا کردہ گناہ کو خواہ مخواہ دارالعلوم دیوبند کے سر منڈھنے کے لئے علماء ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم کی ایک طویل عبارت سے چند جملوں کو ان کے سیاق وسباق سے الگ کر کے اور صاحبِ کلام کے مدعا اور کلام کے معنی مقصود کو یکسر نظر انداز کر کے مغالطہ انگیزی اور تلبیس وتزویر کا جو نمونہ پیش کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ اہل بدعت کے یہاں بھی اس طرح کے نمونے کمتر ہی ملیں گے۔

مولانا محمد میاں صاحب مرحوم نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف علماء ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم کے صفحہ ۲۴۳ پر عنوان قائم کیا ہے۔

مضافاتِ دہلی

''ضلع میرٹھ، مظفر نگر، سہارنپور، بلند شہر، علی گڈھ اور روہیل کھنڈ''

اس عنوان کے تحت مذکورہ اضلاع اور ان کے متعلقہ قصبات وقریات کے ان مجاہدین کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جنھوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں براہ راست حصہ لیا ہے اور سرفروشانہ خدمات انجام دی ہیں اور انھیں عاشقان پاک طینت کے ذکر جمیل اور حکایات لذیذ میں اس حصہ کے دوسو انہتر صفحے وقف کر دیئے ہیں چنانچہ صفحہ ۲۵۶ پر واقعات تھانہ بھون وشاملی کے عنوان کے ذیل میں جنگ شاملی اور اس کے شرکاء حضرت حاجی

صاحب، حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت حافظ ضامن شہید، حضرت مولانا مظہر نانوتوی، مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی وغیرہ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

رڑکی ضلع سہارنپور کے ذیلی عنوان کے تحت رڑکی، منگلور، رانی مجرا گاؤں، فتوا، اور محمود پور اور دیوبند کے درمیان انقلابی مجاہدین اور انگریزی افواج کی مقابلہ آرائی کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۳۱۳، ۳۱۵ ج ۴)

صفحہ ۳۱۵ پر علی گڈھ کا ذیلی عنوان ہے جس کے ضمن میں مولانا عبدالجلیل اور ان کے ستّر رفقاء کی جانبازیوں اور شہادت کا ذکر ہے۔

''بلندشہر کالے آم کا میدان جنگ عبداللطیف خاں کا ایثار'' اس عنوان کے تحت انگریزوں اور آزادی کے متوالوں کی خوں ریز جنگ کی داستان زیب قرطاس ہے (۳۱۷ و ۳۱۸)

صفحہ ۳۲۵ سے ۳۶۶ تک روہیل کھنڈ، بریلی، بدایوں، مرادآباد، بجنور، شاہجہاں پور کے مجاہدین کی سرگذشت بیان کی گئی ہے جس میں حافظ الملک حافظ رحمت خان والئ روہیل کھنڈ کے پوتے نواب خان بہادر خاں شہید، جنرل بخت خاں، جنرل نیاز محمد خاں، محسن علی خاں، ڈاکٹر وزیر خاں مولوی فیض احمد بدایونی، پہلوان منگل خاں، رستم خاں، سردار خاں، محمد خاں، مان خان، چھادم خاں، دلاور خاں، واصل خاں، فوجدار خاں ساکنان قصبہ ککرالہ ضلع بدایوں، شیخ فصاحت اللہ، شیخ سلیم اللہ، شیخ آیت اللہ، برادران شیخ فضل احمد، مولوی رضی اللہ، مولوی تفضّل حسین، مولوی اشرف علی، مولوی ماجد علی، بدرالاسلام عباسی، سید محمد شاہ، منشی ذوالفقار الدین، شیخ مسیح الدین وغیرہ اہل بدایوں کی خدمات اور کارناموں کا ذکر ہے۔

صفحہ ۳۶۷ سے ۳۸۵ تک مرادآباد، امروہہ وغیرہ کے کشتگان حریت کی جاں بازیوں کا تذکرہ ہے۔

صفحہ ۳۸۵ سے ۴۰۶ تک بجنور کے حالات کیلئے مخصوص ہیں، جس میں فدائے قوم نواب محمود خاں کے مجاہدانہ کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے بعد شاہجہانپور

کے معرکوں کا ذکر ہے جو مولانا سید احمد شاہ کی زیر سرکردگی وہاں کے مجاہدین آزادی نے سرانجام دیئے، غرضیکہ شاندار ماضی کا یہ آخری حصہ صفحہ ۲۴۳ سے صفحہ ۵۱۲ یعنی آخر کتاب تک مضافات دہلی اور روہیل کھنڈ کے ان مجاہدین کے ذکر خیر پر مشتمل ہے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، تاریخ کا ایک طالب علم جب ان اضلاع کے مجاہدین کی ان مجاہدانہ سرگرمیوں کو پڑھتا ہے تو اسے آں موصوف کے اس بیان پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ دیوبند، نانوتہ، گنگوہ، تھانہ بھون وغیرہ کے مجاہدین کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، اور وہ ان کے اس مغالطہ اور تجاہل پر تبصرہ علامہ اقبال کی زبان میں یوں کرتا ہے۔

جو آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن
پرکار وسخن ساز ہے نمناک نہیں ہے

☆ ☆ ☆

باب ﴿۲﴾

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی منفردانہ عظمت شان

صحابہ کرام قرآن وسنت کی نظر میں

الصحابۃ فی القرآن

صحابہ جس مقدس جماعت کا نام ہے وہ امت کے عام افراد کی طرح نہیں ہے بلکہ صحابہ رسول اللہ......اور امت کے درمیان ایک مقدس واسطہ ہونے کی حیثیت سے ایک خاص مقام ومرتبہ کے مالک ہیں اور عام امت سے امتیاز رکھتے ہیں انھیں یہ امتیاز اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے عطا ہوا ہے، ذیل میں اس امتیاز وخصوصیت کی تھوڑی سی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

(ا) والسَّابِقُونَ الاَوَّلُونَ مِن المُهَاجِرِينَ وَالاَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِاِحسَانٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنهُم وَرَضُوا عَنهُ وَاَعَدَّ لَهُم جَنّٰتٍ تَجرِى تَحتَهَا الاَنهٰر خَالِدِينَ فِيهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الفَوزُ العَظِيمُ.

جومہاجرین اورانصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں (اور بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان سب کیلئے ایسے باغ مہیا کررکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں صحابہ کرام کے دو طبقے بیان کئے گئے۔ ایک سابقین اوّلین کا اور دوسرا بعد میں آنے والوں کا اور دونوں طبقوں کے متعلق یہ اعلان کردیا گیا ہے کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور ان کے لئے جنت کا مقام ودوام ہے، سابقین

اوّلین کون لوگ ہیں اس پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”ذهب جمهور العلماء الى ان السابقين فى قوله تعالىٰ والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار هم هؤلاء الذين انفقوا من قبل الفتح وقاتلوا واهل بيعة الرضوان كلهم منهم وكانوا اكثر من الف واربعمائة وقد ذهب بعضهم الى ان السابقين الاولين هم من صلى الى القبلتين وهذا ضعيف“

جمہور علماء کے نزدیک سابقین اولین میں وہ صحابہ کرام داخل ہیں جنھوں نے قبل الفتح اپنی جان و مال کے ذریعہ جہاد کیا اور اس صفت سے تمام اہل بیعت رضوان متصف ہیں جن کی تعداد چودہ سو سے اوپر تھی، بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ سابقین اولین وہ لوگ ہیں جنھوں نے دونوں قبلہ کی جانب نماز ادا کی مگر یہ قول ضعیف ہے۔(۱)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت جہاد کرنے والے تمام صحابہ سابقین اولین میں داخل ہیں اور صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت...... نے فرمایا: ”لا يدخل النار احد ممن بايع تحت الشجرة“ جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں داخل ہوگا، اس آیت پاک سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ مہاجرین و انصار میں سے تمام سابقین اولین اور ان کے بعد صحابیت کا شرف حاصل کرنے والے تمام صحابہ کرام دوامی طور پر جنتی ہیں جن میں بلا ریب خلفائے اربعہ بھی داخل ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”جو شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے جب اس کے علم میں یہ بات آگئی کہ اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو دوامی طور پر جنتی فرمایا ہے تو اب ان کے حق میں جتنے بھی اعتراضات ہیں سب ساقط ہوگئے کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ خوب جانتا ہے فلاں بندہ سے فلاں وقت میں نیکی

(۱) منہاج السنۃ ج ۱ ص: ۱۵۴، مطبوعہ مکہ مکرمہ۔

اور فلاں وقت میں گناہ صادر ہوگا، اس کے باوجود جب باری تعالیٰ یہ اطلاع دیتا ہے کہ میں نے اسے جنتی بنادیا تو اسی کے ضمن میں اس بات کا اشارہ ہوگیا کہ اس کی تمام لغزشیں معاف کردی گئیں، لہٰذا اب کسی شخص کا ان مغفور بندوں کے حق میں لعن وطعن کرنا جناب باری تعالیٰ پر اعتراض کرنے کے مرادف ہوگا اس لئے کہ ان پر اعتراض کرنے والا گویا یہ کہہ رہا ہے کہ یہ بندہ گوگنہ گار ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے کیسے جنتی بنادیا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کفر ہے۔(۱)

(۲) وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُم الْکُفْرَ والْفُسُوْقَ وَالعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُم الرَّاشِدُوْنَ فَضلاً مِنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِمٌ.

لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنادیا اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کردیا اور کفر، فسق اور نافرمانی کو تمہارے لئے ناپسند کردیا ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل ونعمت سے ہدایت یافتہ ہیں اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ بلا استثناء تمام صحابۂ کرامؓ کے دلوں میں ایمان کی محبت اور کفر وفسق ونافرمانی سے نفرت وکراہیت منجانب اللہ راسخ کردی گئی تھی اور لفظ الی سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ ایمان کی محبت اور کفر وغیرہ سے کراہیت انتہا درجے کو پہنچی ہوئی تھی کیونکہ ’’الیٰ‘‘ عربی میں انتہا اور غایت کا معنی بیان کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے، نیز اسی آیت پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام سے جو لغزشیں صادر ہوئی ہیں وہ ضعف ایمان اور فسق وعصیان کو مستحسن سمجھتے ہوئے صادر نہیں ہوئی ہیں بلکہ ان کا صدور بتقاضائے بشریت ہوا ہے، اس لئے ان زلاّت اور لغزشوں کو بنیاد بناکر ان کی شان میں لعن طعن کرنا اور ان کے بارے میں تنقید وتنقیص کا رویہ اختیار کرنا جہالت وزندقہ ہے۔

(۳) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَھَاجَرُوا وَجَاھَدُوا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ آوَوا وَنَصَرُوا اُولٰٓئِکَ ھُمُ المُؤمِنُونَ حَقًا لَھُمُ مَغْفِرَۃٌ وَرِزْقٌ کَرِیْمٌ.

(۱) فضائل صحابہ واہل بیت، ص ۲۰۶۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے انھیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ہیں سچے مسلمان، ان کے لئے مغفرت ہے اور باعزت رزق ہے۔

اسی سورہ کے شروع میں ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ اولئك ھُمُ المُؤمِنُونَ حَقًّا لَھُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ وَمَغۡفِرَۃٌ وَرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ.

وہ لوگ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور ہم نے ان کو جو روزی دے رکھی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں وہی سچے مسلمان ہیں ان کے واسطے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی۔

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرات مہاجرین وانصار کے اعمال ظاہرہ نماز روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ قطعی طور پر نفاق ومکر کی بناء پر نہیں تھے ان کا ایمان اللہ کے نزدیک متحقق وثابت تھا اس لئے حضرات صحابہ بالخصوص خلفائے ثلثہ کی جانب نفاق کی نسبت کرنا خدائے بزرگ وبرتر کے ساتھ معارضہ کرنا ہے۔

(۴) مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّاءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیۡنَھُمۡ تَرٰھُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضۡوَانًا سِیۡمَاھُمۡ فِیۡ وُجُوۡھِھِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمۡ فِی التَّوۡرٰۃِ وَمَثَلُھُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِہٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِھِمُ الۡکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡھُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا.

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں (اے مخاطب) تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع میں ہیں اور کبھی سجدے میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کے فضل اور اس کی خوشی کو ان کی نشانی سجدوں کے اثر سے ان کے چہرے پر نمایاں ہے یہ مثال ہے ان کی توراۃ میں اور انجیل میں ان کی مثال ہے جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس

کی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی جڑ پر بھلا لگتا ہے کھیتی والوں کو
تا کہ جلائے اس سے جی کافروں کا وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو یقین
لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام معافی کا اور بڑے ثواب کا۔

امام قرطبی اور عامۂ مفسّرین کہتے ہیں کہ ''والذین معه'' عام ہے اس میں تمام صحابۂ کرام داخل ہیں، اس آیت کریمہ میں تمام صحابہ کی عدالت، ان کی پاک باطنی اور مدح وثنا خود مالک کائنات نے فرمائی، ابوعروہ زبیری کہتے ہیں کہ ایک دن امام مالک کی مجلس میں ایک شخص کے متعلق یہ ذکر آیا کہ وہ صحابۂ کرام کو برا کہتا ہے، امام مالک نے یہ آیت ''لیغیظ بھم الکفار'' تک تلاوت کی اور پھر فرمایا کہ جس شخص کے دل میں اصحاب رسول میں سے کسی کے متعلق غیظ ہو وہ اس آیت کی زد میں ہے یعنی اس کا ایمان خطرہ میں ہے کیونکہ آیت میں کسی صحابی سے غیظ کفار کی علامت قرار دی گئی ہے۔

(۵) لِلۡفُقَرَاءِ الۡمُهَاجِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِن دِيَارِهِمۡ وَاَمۡوَالِهِمۡ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلاً مِنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا وَيَنۡصُرُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ٥ وَالَّذِيۡنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَالۡاِيۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ يُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَيۡهِمۡ وَلَايَجِدُوۡنَ فِى صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّا اُوۡتُوۡا وَيُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰى اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ جَآؤُا مِنۡ بَعۡدِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِيۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِيۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِى قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُفٌ رَحِيۡمٌ.

(اور مال غنیمت حق) ان مفلس مہاجرین کا ہے جو جدا کر دئے گئے
ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے وہ اللہ کے فضل اور رضامندی
کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں
یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو
دارالاسلام میں اور ایمان میں ان مہاجرین سے پہلے قرار پکڑے ہیں جو ان
کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین

کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ انصار لوگ اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور (مہاجرین کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان پر فاقہ ہی ہو اور واقعی جو شخص طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (اوران لوگوں کا بھی اس مالِ فئی میں حق ہے) جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ آنے دیجئے، اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق ورحیم ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عہد رسالت کے تمام موجود اور آئندہ آنے والے مسلمانوں کو تین طبقوں میں تقسیم کرکے ہر طبقہ کا الگ الگ ذکر کیا ہے، پہلا مہاجرین کا طبقہ ہے جنھوں نے محض اللہ اوراس کے رسول کے لئے ہجرت کی کسی دنیوی غرض کے لئے ان کی ہجرت نہیں تھی، جیسا کہ خود باری تعالیٰ ان کی شان میں فرمارہے ہیں اولئك هم الصادقون. یعنی یہ حضرات اپنے قول ایمان اور فعل ہجرت میں سچے ہیں۔ دوسرا طبقہ حضرات انصار کا ہے جن کے صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں اوران پر حسد نہیں کرتے ہیں، ان صفات کے ذکر کے بعد فرمایا "فاولئك هم المفلحون" یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، تیسرا طبقہ ان مؤمنین کا ہے جو مہاجرین وانصار کے بعد قیامت تک آنے والا ہے۔ اس طبقے کے بارے میں فرمایا کہ یہ مہاجرین وانصار کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں اوراس بات کی بھی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے دلوں میں ان کی طرف سے کینہ وعداوت نہ ڈالئے، یقیناً آپ مہربان اور رحمت کرنے والے ہیں، لہٰذا اپنے فضل و رحمت سے ہماری دعا قبول کرلیجئے، ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ فلاح پانے والے وہی لوگ ہیں جو حضرات مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں اوران کی شان میں طعن وتشنیع نہیں کرتے کیونکہ طعن وتشنیع تقاضائے محبت کے خلاف ہے، جس سے معلوم ہوا کہ خلفائے اربعہ جو مہاجرین اولین

میں یقینی طور پر شامل ہیں کی محبت فلاح کی ضامن اور ان سے بغض وعناد خسران کا سبب ہے، اسی طرح تیسری آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ حضرات صحابہ کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور ان سے بغض وعناد کو برا سمجھتے ہوئے اس سے محفوظ رہنے کی بارگاہ خداوندی میں دعا کرتے ہیں، وہی زمرۂ مؤمنین میں داخل ہیں اس کے برعکس جو گروہ اس مقدّس جماعت سے محبت کے بجائے عداوت رکھتا ہے، اور ان کے حق میں دعائے خیر کے بجائے لعن وطعن کی زبان دراز کرتا ہے وہ اہل اسلام کے زمرے سے خارج ہے کیونکہ ان آیات میں مستحقین غنیمت کے جن تین طبقوں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا یہ لعن وطعن کرنے والے، ان سے خارج ہیں۔

اس موقع پر بغرض اختصار ان پانچ آیات پر اکتفا کیا جارہا ہے ورنہ قرآن مجید میں حضرات صحابہ کے فضائل ومزایا سے متعلق سینکڑوں آیات ہیں۔

الصحابۃ فی الحدیث

آنحضرت ...... نے صحابۂ کرام بالخصوص حضرات خلفائے ثلثہ ابوبکر، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب اور مزایا وخصوصیات اس کثرت وشدّت اور تواتر وتسلسل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں کہ ان سب کو جمع کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور نہ اس موقع پر اس کی ضرورت ہے، لہٰذا ان بے شمار احادیث میں سے چند کو یہاں نقل کیا جارہا ہے، اس سلسلہ میں پہلے ان احادیث کو پیش کیا جائے گا جن سے پوری جماعت صحابہ کی منقبت وفضیلت ثابت ہوتی ہے پھر خلفائے ثلثہ کے فضائل میں وارد احادیث ذکر کی جائیں گی۔

(۱) عن جابرؓ قال رسول اللہ ﷺ انّ اللّٰہ اختار اصحابی علی الثقلین سوی النبیین والمرسلین (رواہ البزار بسند رجالہ موثقون)

نبی کریم ...... نے فرمایا کہ حضرات انبیاء ومرسلین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے میرے اصحاب کو تمام انسانوں وجناتوں پر فضیلت دی ہے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جمیع حضرات صحابہ اللہ تعالیٰ کے منتخب و برگزیدہ ہیں نبیوں اور رسولوں کے بعد انسانوں اور جناتوں میں سے کوئی بھی ان کے مقام و مرتبہ کو نہیں پا سکتا۔

(۲) عن انسؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم اصحابی فی امتی کالملح فی الطعام لایصلح الطعام الا بالملح. (مشکوٰۃ شریف)

رسول اللہ...... نے فرمایا کہ میری امت میں میرے صحابہ کا مقام ایسا ہے جیسے کھانے میں نمک، کہ کھانا بغیر نمک کے بہتر نہیں ہوتا۔

اس ارشاد عالیہ کے ذریعہ آنحضرت ...... نے امّتِ مسلمہ کے سامنے صحابۂ کرام کی اہمیت ایک مثال کے ذریعہ سے واضح فرمائی ہے، کہ جس طرح لذیذ سے لذیذ تر کھانا بے نمک کے پھیکا اور بے مزہ ہوتا ہے، بعینہٖ یہی حال امت کا ہے کہ اس کی صلاح وفلاح اور اس کا تمام شرف و مجد انھیں صحابہ کی مقدس جماعت کا مرہون منت ہے، اگر اس جماعت کو درمیان سے الگ کر دیا جائے تو امت کے سارے محاسن وفضائل بے حیثیت ہوجائیں گے۔

(۳) قال النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم فلا ادری ذکر قرنین او ثلاثۃ. (بخاری ومسلم وغیرہ)

انسانوں میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان کا جو اس سے متصل ہیں، پھر ان کا جو اس سے متصل ہیں، راوی حدیث کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ متصل لوگوں کا ذکر دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔

اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ”ثم الذین یلونھم“ کو صرف دو مرتبہ ذکر کیا ہے تو دوسرا قرن (زمانہ) صحابہ کا اور تیسرا تابعین کا ہے اور اگر اس جملہ کو تین بار فرمایا ہے تو چوتھا دور تبع تابعین کا بھی اس میں شامل ہوگا، بہرحال اس ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے متعین طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی ...... کے بعد سب سے بہتر زمانہ صحابۂ کرام کا ہے، اصابہ کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ”وتواتر عنہ صلی اللّٰہ علیہ

وسلم خير الناس قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم الخ“ جس سے معلوم ہوگیا کہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث متواتر ہے جس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

ان تین حدیثوں کے بعد وہ احادیث نقل کی جارہی ہیں جو خاص طور پر خلفاء ثلثہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔

(۱) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت...... نے فرمایا:

ابوبكر وعمر سيدا كهول اهل الجنة من الاولين والآخرين الا النبيين والمرسلين (رواه احمد والترمذی)

حضرت صدیق وفاروق نبیوں اور رسولوں کے علاوہ درمیانی عمر کے تمام اگلے و پچھلے جنتیوں کے سردار ہیں۔

اس حدیث پاک سے صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صدیق اکبر و فاروق اعظم تمام لوگوں سے افضل ہیں، یہی بات قرآن مجید اور دیگر احادیث نبویہ، آثار صحابہ و تابعین سے بھی ثابت ہے اور اسی پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے، اسی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے ”من فضّلنی علٰی ابی بكر وعمر جلدته حدی المفتری“ جو مجھے ابوبکر وعمر پر ترجیح اور فضیلت دے گا میں اس پر افترا پرداز کی حد (سزا) جاری کروں گا۔ اسی معنی کی ایک اور روایت کتاب الآثار لامام ابی یوسف میں بھی ہے۔

(۲) ایک حدیث میں نبی کریم...... نے فرمایا:

اقتدوا من بعدی ابی بكر وعمر فانهما حبل اللّٰه ممدود و من تمسك بهما فقد تمسّك بالعروة الوثقٰی لا انفصام لها (رواه الطبرانی)

میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتدا کرو کیونکہ یہ دونوں اللہ کی دراز شدہ رسی ہیں جس نے ان دونوں کو پکڑ لیا اس نے مضبوط حلقہ تھام لیا۔

حبل اللہ سے مراد دین الٰہی ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ”واعتصموا بحبل اللّٰه جميعا“ میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے، یعنی سب لوگ مل کر اللہ کے دین کو قوت اور

مضبوطی کے ساتھ پکڑلو، اور ''عروۃ الوثقیٰ'' سے بھی دین خداوندی ہی مراد ہے چنانچہ قرآن کا ارشاد ربانی ہے ''فقد استمسك بالعروة الوثقى'' اس نے مضبوط حلقہ یعنی دین اسلام کو تھام لیا، اس تفصیل وتحقیق سے معلوم ہوگیا کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا طریقہ معیار دین ہے اور ان کے طریقے پر چلنا درحقیقت دین اسلام پر چلنا ہے۔

(۳) ایک موقع پر آنحضرت...... نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ جعل الحق علیٰ لسان عمر وقلبه (رواہ الترمذی واحمد)

لاریب کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کے زبان اور دل پر رکھ دیا ہے۔

بعض روایتوں میں ''جعل'' کے بجائے ''وضع'' کا لفظ ہے، امام ترمذیؒ نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی ہے اور امام داؤد اور امام حاکمؒ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''کنا لا نبعد ان السکینة علی لسان عمر'' ہم صحابہ اس بات کو بعید نہیں سمجھتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی زبان لسان الغیب کی ترجمان ہے، چنانچہ ۲۶ / احکام شریعہ کا آپ کے قول کے مطابق نازل ہونا اس حدیث کی صداقت پر خدائی شہادت ہے۔

(۴) لکلِّ نبی رفیق ورفیقی فیھا عثمان (رواہ الترمذی)

ہر نبی کیلئے جنت میں ایک ساتھی ہے اور میرے جنت کے رفیق عثمان ہیں۔

اس حدیث سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نہ صرف جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ ان کی بلندی درجات پر بھی یہ حدیث دلالت کررہی ہے۔

(۵) امام احمد اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب آنحضرت...... نے لشکر کی تیاری اور سامان جنگ کی فراہمی کا کام شروع فرمایا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک ہزار اشرفی لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ کی گود میں ڈال دیا، راویٔ حدیث بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ آنحضرت...... (فرطِ مسرت سے ان اشرفیوں کو الٹ پلٹ رہے تھے، اور زبان وحی ترجمان پر یہ الفاظ جاری تھے ''مَا ضر عثمان ما عمل بعد الیوم مرتین'' عثمان آج کے بعد جو کام بھی

کریں گے وہ ان کے لئے مضرت رساں نہیں ہوگا، آپ...... نے اس جملہ کو بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا۔

اس حدیث پاک میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صدقہ کی قبولیت کی بشارت کے ساتھ ان مخالفین اور ناقدین کے خیالات کی تردید بھی فرمادی گئی ہے جو مفسدین کی افترا پردازیوں سے متاثر ہوکر یا اپنی کجروی کے زیر اثر حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شان میں طعن و تشنیع کرتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ ان تمام اتہامات سے پاک اور بری ہیں جو معاندین ان پر ناحق تھوپ رہے ہیں لیکن بالفرض یہ باتیں اگر کسی حد تک ثابت بھی ہو جائیں تو آپ کی عظمت شان اور کثرتِ طاعات کی بنا پر کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔

اللہ اور رسول کے ان فرمودات میں صحابۂ کرام کے ایمان و اخلاص اور فضائل و مناقب کی جو تصویر پیش کی گئی ہے اسے سامنے رکھتے ہوئے ان قدسی صفات جماعت کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگایئے، ذلك فضل اللّٰه يوتيه من يشاء.

صحابہ کی تنقیص علمائے امت کی نظر میں

آیت کریمہ "محمد رسول اللّٰه والذين معه" الخ کی تفسیر کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے کہ امام مالکؒ نے "ليغيظ بهم الكفار" کے پیش نظر فرمایا کہ حضرات صحابہ سے بغض رکھنے والے اس آیت کی زد میں ہیں، یعنی کافر ہیں۔ اب ذیل میں چند اور علمائے محققین کے اقوال ملاحظہ کیجئے۔

(۱) امام ابوزُرعہ رازی متوفی ۲۶۴ھ کا فیصلہ:

اذا رأيت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فاعلم انّه زنديق، لان الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم عندنا حق، والقرآن حق، وانّما ادّىٰ الينا هذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللّٰه وانما يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم اولىٰ وهم زنادقة.

(جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ صحابۂ کرام میں سے کسی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ زندیق ہے، اس لئے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ...... برحق ہیں، قرآن برحق ہے اور قرآن وسنت کو ہم تک پہنچانے والے یہی صحابہ ہیں، تو یہ لوگ ہمارے شاہدوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تا کہ قرآن وسنت کو باطل ٹھہرادیں۔ لہٰذا خود انھیں مجروح قرار دینا اولیٰ ہے۔(ایسا کرنے والے) زندیق ہیں)۔

(۲) اصطخری بیان کرتے ہیں کہ مجھے مخاطب کرتے ہوئے امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:

یا ابا الحسن اذا رأیت احدا یذکر اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بسوء فاتھمہ علی الاسلام.(۱)

(اے ابوالحسن جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ صحابہ کا ذکر برائی سے کرتا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو)۔

(۳) عمدۃ المفسرین محقق ابن کثیر لکھتے ہیں:

یاویل من ابغضھم او سبّھم او سبّ بعضھم ... فاین ھؤلاء من الایمان بالقرآن اذا سبّوا من رضی اللّٰہ عنھم.(۲)

(عذاب الیم ہے ان لوگوں کیلئے جو حضرات صحابہ سے یا ان میں بعض سے بغض رکھے یا انھیں برا بھلا کہے ایسے لوگوں کا ایمان بالقرآن سے کیا واسطہ جو ان حضرات کو برا کہتے ہیں جن سے اللہ نے راضی ہونے کا اعلان کردیا)۔

(۴) علامہ ابن تیمیہ اپنی مشہور تصنیف الصارم المسلول میں لکھتے ہیں:

وقال القاضی ابویعلی الذی علیہ الفقھاء فی سبّ الصحابۃ ان کان مستحلا لذٰلك کفر وان لم یکن مستحلا فسق.(۳)

(قاضی ابویعلی نے کہا ہے کہ اس پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ جو شخص صحابہ کی برائی کو حلال وجائز سمجھتے ہوئے ان کی برائی کرے وہ کافر ہے اور جو حلال نہ سمجھتے ہوئے انھیں برا بھلا کہے وہ فاسق ہے)۔

(۱) مقام صحابہ، ص (۲) مقام صحابہ، ص۴۳۔ (۳) الصارم المسلول، ص۵۷۵۔

(۵) علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

ان من فضل علیا علی الثلاثة فمبتدع وان انکر خلافة الصدیق او عمر رضی اللّٰہ عنھما فھو کافر.(۱)

(جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفائے ثلثہ (صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ) پر فضیلت دے وہ بدعتی ہے اور جو شخص حضرت ابوبکر یا حضرت عمر کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہے)۔

(۶) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الرافضی اذا کان یسبّ الشیخین ویلعنھما العیاذ باللہ فھو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللّٰہ وجھه علی ابی بکر رضی اللّٰہ عنه لایکون کافرا الا انه مبتدع.

(رافضی جب شیخین کو برا بھلا اور لعن طعن کرتا ہو تو کافر ہے اور اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر پر فضیلت دیتا ہے تو کافر نہیں ہوگا ہاں اس صورت میں وہ بدعتی قرار پائے گا)۔

ایک اہم ترین نکتہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے تنقیص صحابہ کے متعلق ایک نہایت قیمتی اور قابل قدر نکتہ تحریر فرمایا جو قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اسی نکتہ پر یہ بحث ختم کی جاتی ہے، لکھتے ہیں۔

> دریں جا دقیقہ باید دانست کہ سبّ وطعن انبیا ازیں جہت کفر وحرام ست کہ وجہ سبّ یعنی معاصی وکفر دریں بزرگاں یافتہ نمی شود، وموجبات تعظیم وتوقیر وثناءِ حسن بوفور موجود دارند وچوں جماعہ باشند از مؤمنین کہ اسباب تعظیم داشتہ باشند وگناہان ایشاں را مغفرت وتکفیر بنص قرآن ثابت شدہ باشد

(۱) فتح القدیر، ج۱ص۳۰۴۔

بالیقین ایں ہم درحکم انبیاء خواہند بود درحرمت سبّ وتحقیر واہانت وبدگفتن۔
نہایت کارآنکہ انبیاء را اسباب تحقیر موجود نیست وایںہا را بعدازوجود معدوم
شد ومعدوم بعدالوجود چوں معدوم (اصلی است دریں باب ولہٰذا تائب را
بگناہ او تعبیر کردن حرام ست وعوام امّت غیراز صحابہ ایں مرتبہ ندارند کہ تکفیر
سیأت ومغفرت گناہاں ایشاں مارا بالقطع ازوحی وتنزیل معلوم شدہ باشد و
قبول طاعات وتعلق رضائے الٰہی باعمال ایشاں بالتخصیص متیقن شدہ باشد
پس فرقہ صحابہ برزخ اندرمیان انبیاء وامتیاں ولہٰذا مذہب منصور
ہمیں است کہ غیراز صحابہ ہرچند مطیع ومتقی باشد بدرجہ ایشاں نمی رشد ایں نکتہ
رابالمیت آں درخاطر باید داشت کہ بسیار نفیس ست۔(۱)

(اس موقع پر یہ نکتہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرات انبیاء کی برائی اور ان کی شان میں لعن طعن اس وجہ سے حرام وکفر ہے کہ طعن کا سبب یعنی گناہ اور کفران بزرگوں میں نہیں پایا جاتا اور تعظیم وتوقیر اور تعریف وتوصیف کے اسباب ان حضرات میں پورے طور پر موجود ہوں اور اس کے گناہوں کی مغفرت نص قرآنی سے ثابت ہوگئی ہو تو یقینی طور پر اس جماعت کی برائی، اہانت اور تحقیر انبیاء کی اہانت وتحقیر کے حکم میں ہوگی بس صرف فرق یہ ہوگا کہ حضرات انبیاء میں اسباب تحقیر سرے سے موجود نہیں ہیں اور اس جماعت میں یہ اسباب پائے جانے کے بعد ختم ہوگئے، گناہوں کے وجود کے بعد انکا (مغفرت وغیرہ کے ذریعہ) معدوم اور ختم ہوجانا معدوم اصلی کے حکم میں ہے (یعنی مغفرت کے بعد مغفور ایسا ہوجاتا ہے گویا کہ سرے سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوا ہے) اسی بنا پر گناہ سے توبہ کرلینے والے کو اس کے سابقہ گناہ پر عار دلانا حرام ہے۔اور پوری امت میں صرف صحابہ کو یہ مرتبہ حاصل ہے کہ ان کے گناہوں کی مغفرت اور بخشش کا قطعی اور یقینی علم ہمیں وحی ربانی اور کلام الٰہی سے معلوم ہوگیا ہے اور ان کی طاعات (وعبادات) کی قبولیت اور ان کے اعمال کے ساتھ اللہ کی رضا کا تعلق بھی متیقن ہوچکا ہے (لہٰذا حضرات انبیاء کی طرح صحابۂ کرام کی تنقیص،

(۱) تحفۂ اثناعشریہ، ص۳۳۹۔

اہانت اوران کی برائی حرام وکفر ہوگی) جماعت صحابہ انبیاء اور امتیوں کے درمیان برزخ (بیچ کی کڑی) ہیں اسی بناء پر مذہب منصور یہی ہے کہ غیر صحابی خواہ کتنا ہی مطیع ومتقی کیوں نہ ہو صحابہ کے مقام ومرتبہ کونہیں پہنچ سکتا، اس نکتہ کواس کی لم وعلت کے ساتھ دل نشیں کر لینا چاہئے کہ بہت ہی خوب ہے)۔

اللّٰهم ارنا الحق حقًا و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلًا و ارزقنا اجتنابه.

تقدس صحابہ

بسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

معیار صلاح

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ نبیٔ کریم ...... کے بعد اب کوئی معصوم نہیں ہے اگر کوئی فرد یا جماعت کسی غیر رسول کی عصمت کا مدعی ہے تو وہ اپنے دعوی میں کاذب اور جھوٹا ہے۔ اس لئے جماعتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہر انسان سے صواب وخطا اور خیر وشر کا صدور ہوسکتا ہے، البتہ بعض خدا کے ایسے سعید بندے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی پر خیر وصلاح کا غلبہ ہوتا ہے، اسی غلبۂ خیر کی بنا پر انھیں نیک، صالح، ولی وغیرہ محترم ناموں سے یاد کیا جاتا ہے جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ زلاّت وسیئات سے بالکلیہ پاک ہیں۔

اس کے بالمقابل کچھ نابکار ایسے بھی ہیں جو مجموعۂ شرور ومعاصی اور خزینۂ فسق وفساد ہوتے ہیں، ان کے فسق و فساد کی یہ کثرت انھیں ظالمین ومفسدین کے زمرے میں پہنچا دیتی ہے، بایں ہمہ ان کا بھی دامنِ حیات خیر وصلاح سے یکسر خالی نہیں ہوتا۔

صحابۂ کرام کی سیرت، رسول خدا...... کی سیرت کا جزء ہے

صلحائے امت کی حیات وسوانح پر بحث وتحقیق کے وقت ان کی بعض لغزشوں اور بشری کمزوریوں کے پیش نظر ان کے جملہ محاسن ومزایا پر خط تنسیخ کھینچ دینا، اور ان کے سارے حسنات وخیرات کا انکار کرکے انھیں ظالمین ومفسدین کی صف میں کھڑا کر دینا علم و

دیانت کے سراسر منافی ہے۔ ٹھیک اسی طرح ظالمین ومفسدین کے چند گنے چنے اچھے کاموں کو سامنے رکھ کران کی زندگی کے سارے سیاہ کارناموں سے آنکھیں بند کر کے انھیں صلحاء واولیاء کی جماعت میں شامل کر دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہوگا، بلکہ ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال خیر وشر کی قلت و کثرت کے اعتبار سے معاملہ کیا جائے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ننزل الناس منازلھم آنخضرت...... کا ہمیں حکم تھا کہ ہم لوگوں کوان کے درجات ومراتب میں رکھیں۔

گر فرق مراتب نہ کنی ....

بحث ونظر اور تحقیق وتبصرہ کا یہ ایسا لازمی اصول ہے جس سے غفلت اور بے اعتنائی ایک محقق ومبصر کو دائرہ بحث وتحقیق سے نکال کر افراط وتفریط اور تنقیص وتضلیل کی سرحد میں پہنچا دیتی ہے، جس سے خود اس کی ذات مجروح اور علمی کاوشیں بے سود ہو کر رہ جاتی ہیں۔

پھر ایک محقق کی علمی دیانت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ کسی شخصیت پر بحث کرنے کے لئے اس سے متعلق جو درست، صالح، معتبر اور مستند مواد ہیں انھی کو کام میں لائے، خود تراشیدہ، بے سند، غیر مقبول، اور گری پڑی باتوں کو بنیاد بنا کر اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا نہ صرف اس شخصیت پر ظلم ہے بلکہ خود علم وتحقیق کے ساتھ مذاق کرنا ہے، محقق کا یہ رویہ بھی اسے پایۂ اعتبار سے ساقط اور علمی خیانت سے متہم کر دیتا ہے، باری تعالیٰ عز اسمہ کا ارشاد ہے یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا جب غلط کار، دروغ گو کوئی خبر دے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو۔ ایک دوسری آیت میں ہے اذا ضربتم فی الارض فتبینوا، اسلئے صحیح، سقیم، قوی، ضعیف کی اچھی طرح چھان بین کے بعد ہی کوئی فیصلہ درست سمجھا جائے گا۔

عام اسلامی شخصیات سے ہٹ کر اصحاب رسول...... کے حالات اوران کے مقام و مرتبہ پر بحث وکلام کے لئے محض تاریخی روایات پر انحصار واعتماد بھی ایک محقق کو جادہ اعتدال اور راہ صواب سے دور کر دیتا ہے، کیونکہ تاریخ کو ہرگز یہ حیثیت حاصل نہیں ہے کہ اس کی شہادت سے کتاب وسنت کے مسلّمات کے خلاف استدلال فراہم کیا جائے رسولِ

خدا اور عام امت کے درمیان دین خالص کے صحیح تصوّر کے لئے اگر کوئی قابل اعتماد واسطہ ہے تو وہ صحابۂ کرام کی برگزیدہ اور مقدس جماعت ہے۔ پیغمبر خدا...... کی زندگی کے یہ ساتھی ہی آپ کے پیغام اور آپ کی تعلیمات کو پورے عالم میں پہنچانے والے ہیں، صحابہ کرام کی اس داعیانہ حیثیت کا اعلان خود خدائے علیم وخبیر نے اپنے رسول ...... کی زبانی یوں فرمایا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِیْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ الآیة آپ ...... اعلان کردیں کہ یہ میرا راستہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور میرے ساتھی۔ مطلب یہ ہے کہ کسی اندھی تقلید کی بنیاد پر نہیں بلکہ حجت و برہان اور بصیرت و وجدان کی روشنی میں، میں اور میرے اصحاب دین توحید کی دعوت دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ...... کو جو نورِ بصیرت عطا فرمایا تھا آپ کے فیض صحبت سے ہر صحابی کا دل و دماغ اس نور سے روشن ہوگیا تھا اور دعوت الی اللہ علی وجہ البصیرۃ میں وہ رسول اللہ ...... کے دست و بازو اور رفیق کار بن گئے تھے، حدیث پاک "ما انا علیه واصحابی" میں آنحضرت ...... نے بھی صحابۂ کرام کے اسی رتبۂ بلند کو بیان فرمایا ہے، اس لئے صحابہ کی سیرت درحقیقت رسول پاک ...... کی سیرت کا جز ہے، عام شخصیات و رجال کی طرح انھیں صرف کتب تاریخ کی روشنی میں نہیں بلکہ قرآن وحدیث اور سیرت رسول ...... کے آئینہ میں دیکھا جائیگا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ومن توقيره ﷺ توقير اصحابه وبرهم ومعرفة حقهم والاقتداء بهم وحسن الثناء عليهم والاستغفار لهم والامساك عما شجر بينهم ومعاداة من عاداهم والاضراب عن اخبار المؤرخين وجهلة الرواة (الاساليب البديعة ص۸)

آنحضرت ...... کی تعظیم وتوقیر میں سے ہے صحابہ کی تعظیم کرنا، ان سے حسن سلوک کرنا، ان کے حق کو پہچاننا، انکی پیروی کرنا، ان کی مدح وستائش کرنا، ان کے واسطے استغفار کرنا، ان کے باہمی اختلاف کے ذکر سے (زبان وقلم کو) روکے رکھنا، ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا مورخین اور جاہل راویوں

کی (ان کی خلاف شان) روایتوں کے نقل و بیان سے باز رہنا۔
حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں۔
صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں، اس لئے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہوگا۔ (مکتوبات شیخ الاسلام، ج ا ص ۲۴۲ مکتوب ۸۸)

صحابہ قرآن مجید کی نظر میں

حضرات صحابہ کا یہ تقدس و امتیاز کسی انسانی شخصیت و جماعت کا عطا کردہ نہیں ہے بلکہ انھیں یہ رتبہ بلند خود مالک کائنات و خالق دو جہاں کے دربار سے مرحمت ہوا ہے، ذیل میں مذکور چند آیات ملاحظہ فرمائیں آپ پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جائے گی۔
(۱) کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله (آل عمران آیت ۱۱۰)
تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کیلئے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم کرتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہو، اللہ پر ایمان لاتے ہو۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا ''اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو انتم فرماتے اس وقت خطاب کی وسعت میں پوری امت مرحومہ براہ راست داخل ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ نے کنتم فرمایا اور صحابہ کی تخصیص فرما دی، اب رہے امت کے باقی لوگ تو جو صحابہ جیسے اعمال کریں گے وہ بھی ان کے تابع ہو کر اس خیرت و افضلیت کے مصداق ہو جائیں گے (اخرجہ ابن جریر و ابو حاتم عن السدّی)
حضرت فاروق اعظمؓ نے آیت پاک کا مصداقِ اولین صحابۂ کرام کو قرار دیا ہے اور

امت کے دیگر وہ افراد جو آیت پاک میں مذکور صفات کے حامل ہوں گے انھیں ثانوی درجہ میں شامل کیا ہے اور عربی زبان کے قواعد کی رو سے یہ بات اس طرح سمجھائی ہے کہ انتم خیر امۃ جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت نسبت کو بتاتا ہے، تو انتم سے خطاب عام ہوگا جس کے عموم و وسعت میں موجود و غیر موجود سب داخل ہو جائیں گے، لیکن جب ضمیر ''انتم'' پر ''کان''، فعل ماضی داخل کر دیا جائے تو وقوع وحدوث کا معنی پیدا ہو جائے گا، اس صورت میں کنتم کے مخاطب صرف موجودین ہوں گے۔ یعنی نزول آیت کے وقت جو امت موجود ہے وہی اس کی مصداق اولین ہوگی، یہ آیت صاف طور پر بتا رہی ہے کہ اصحاب رسول ...... بلاتخصیص جماعتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل ہیں، علامہ سفارینی نے شرح عقیدۃ الدرۃ المصیئہ میں جمہور امت کا مسلک قرار دیا ہے کہ انبیاء کے بعد صحابۂ کرام افضل الخلائق ہیں، ابراہیم بن سعید جوہری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہؓ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز میں کون افضل ہے تو انھوں نے فرمایا لانعدل باصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم احدًا (الروضۃ الندیۃ شرح العقیدۃ الواسطیۃ ابن تیمیہ ص ۴۰۵) ہم اصحاب محمد...... کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔

امام ابن حزم اپنی مشہور کتاب الفصل میں لکھتے ہیں ولا سبیل الیٰ ان یلحق اقلہ درجۃ احد من اھل الارض کوئی شکل نہیں ہے کہ صحابۂ کرام میں سے کم رتبہ کے درجہ کو بھی کوئی (غیر صحابی) فرد بشر پہنچ سکے۔

اب اگر کسی تاریخی روایت سے صحابۂ کرام کی تنقیص لازم آتی ہو تو وہ اس نص قطعی کے معارض ہونے کی بنا پر لازمی طور پر مردود ہوگی۔

(۲) لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئك اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا و کلا وعد اللہ الحسنٰی. (الحدید آیت ۱۰)

برابر نہیں تم میں جس نے خرچ کیا فتح مکہ (یا صلح حدیبیہ) سے پہلے اور جنگ کی ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان لوگوں سے جنھوں نے خرچ کیا اس کے بعد اور جنگ کی اور سب سے وعدہ کیا اللہ نے خوبی کا۔

سورۂ انبیاء میں الحسنٰی کے متعلق ارشاد ہے ان الذین سبقت لھم منا الحسنٰی اولئك عنها مبعدون جن لوگوں کے واسطے ہماری طرف سے حسنٰی کا وعدہ ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ فرق مراتب کے باوجود سارے صحابہ جنتی ہیں یہی بات سورۂ توبہ میں ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

(۳) السابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنّٰت تجرى من تحتها الانهار خالدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم. (آیت۱۰۰)

اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو لوگ ان کے پیرو ہیں نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انھیں میں ہمیشہ یہی ہے بڑی کامیابی۔

اس آیت میں صحابۂ کرام کو دو طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک اولین سابقین کا اور دوسرا ان کے بعد والوں کا، اور دونوں طبقوں کے متعلق یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ ان سب سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور ان کے لئے جنت کا مقام دوام ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ لکھتے ہیں جو شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے جب اس کے علم میں یہ بات آ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو دوامی طور پر جنتی فرمایا ہے تو اب ان کے حق میں جتنے بھی اعتراضات ہیں سب ساقط ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ فلاں بندہ سے فلاں وقت میں نیکی اور فلاں وقت میں گناہ صادر ہوگا اس کے باوجود جب وہ اطلاع دے رہے ہیں کہ میں نے اسے جنتی بنا دیا تو اسی کے ضمن میں اس بات کا اشارہ ہو گیا کہ اس کی تمام لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں، لہٰذا اب کسی کا ان مغفور بندوں کے حق میں لعن وطعن اور برا بھلا کہنا حق تعالیٰ پر اعتراض کے مرادف ہوگا، اس لئے کہ ان پر اعتراض اور زبان طعن دراز کرنے والا گویا یہ کہہ رہا ہے کہ پھر اللہ نے اسے جنتی کیسے بنا دیا الخ (فضائل صحابہ واہل بیت مجموعہ رسائل ص ۲۰۶، مطبوعہ

انجمن حمایت الاسلام لاہور ۱۹۶۷ء)

اور علامہ ابن تیمیہ نے الصارم المسلول میں قاضی ابو یعلیٰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رضا اللہ تعالیٰ کی ایک صفتِ قدیمہ ہے وہ اپنی رضا کا اعلان صرف انھیں کے لئے فرماتا ہے جن کے متعلق وہ جانتا ہے کہ ان کی وفات موجبات رضا پر ہوگی۔ (معارف القرآن ص ۱۰۶ ج ۸) لہٰذا اگر کوئی تاریخی روایت اس نص قطعی کے خلاف ہوگی تو وہ لائق اعتبار نہ ہوگی۔

(٤) هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّآ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیۡنَهُمۡ اِنَّهٗ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ (الانفال آیت ۶۳)

اللہ ہی نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا اور الفت ڈال دی ان کے دلوں کے درمیان اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ الفت ڈال سکتا ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے الفت پیدا کر دی ان کے درمیان بیشک وہ زور آور حکمت والا ہے۔

اسلام سے پہلے عرب میں جدال وقتال کا جو بازار گرم تھا اس سے کون ناواقف ہے، ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قبائل عرب باہم ٹکراتے رہتے تھے، اور بسا اوقات ان کی قبائلی جنگوں کا سلسلہ صدیوں تک جاری رہتا، باہمی عداوت اور شقاق وعناد کے اس دور میں رحمۃ للعالمین توحید ومعرفت اور اتحاد واخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے کیا دنیا کی کوئی طاقت تھی جو ان درندہ صفت، جہالت پسند لوگوں میں معرفت الٰہی اور حب نبوی کی روح پھونک کر سب کو ایک دم باہمی اخوت والفت کی زنجیر میں جکڑ دیتی، بلا شبہ روئے زمین کے سارے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا، یہ خدائی طاقت و حکمت کا کرشمہ ہے کہ کل تک جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور عزت وآبرو کے بھوکے تھے ان کے درمیان اس طرح سے برادرانہ اتحاد واتفاق پیدا کر دیا کہ حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک دوسرے سے محبت والفت کرنے لگے، صحابۂ کرام کی اس باہمی الفت ومحبت کا ذکر سورۂ آل عمران میں اس طرح کیا گیا ہے۔

وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا.

یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر اللہ نے الفت پیدا کردی تمہارے دلوں میں۔

آیت پاک محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم (الفتح) (محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم و مہربان ہیں) بھی حضرات صحابہ کی باہمی رحمت والفت کی خبر دے رہی ہے۔

امام قرطبی اور عامۂ مفسرین لکھتے ہیں ”والذین معہ“ میں بلاتخصیص تمام صحابۂ کرام داخل ہیں، اس آیت پاک میں تمام صحابہ کو آپس میں رحیم اور مہربان اور فضل خداوندی کا طالب بتایا گیا ہے۔

ان نصوص قطعیہ کے برخلاف اگر تاریخی روایتیں یہ شہادت دیں کہ صحابہ آپس میں ذاتی پرخاش اور بغض وعناد رکھتے تھے تو یہ شہادتِ زور ہوگی جو کسی عدالت میں بھی قابل قبول نہیں ہے، رہا معاملہ صحابہ کے باہمی مشاجرات اور آپسی لڑائیوں کا تو اس کا منشاء بغض وعداوت اور شقاق وعناد قطعی نہیں تھا بلکہ اس میں ہر فریق اپنے نقطۂ نظر اور اجتہاد کے مطابق مسلمانوں کی مصالح اور راہ حق ورضائے الٰہی کے حصول میں کوشاں تھا، یہ الگ بات ہے کہ ایک فریق اپنے اجتہاد میں چوک گیا جس پر وہ قابلِ گرفت نہیں بلکہ مستحق اجر ہے، چنانچہ علامہ سفارینی لکھتے ہیں۔

التخاصم والنزاع والتقاتل والدفاع الذی جری بینھم کان عن اجتھاد قد صدر من کل واحد من رؤس الفریقین مقصد سائغ لکل فرقۃ من الطّآئفتین وان کان المصیب فی ذلک للصواب واحدھما ... غیر ان للمخطی فی الاجتھاد اجرًا وثواباً. (مقام صحابہ ص ۱۰۴)

جو نزاع وجدال اور دفاع وقتال صحابہ کے درمیان پیش آیا وہ اس اجتہاد کی بنا پر تھا جو فریقین کے سرداروں نے کیا تھا اور فریقین میں سے ہر ایک کا مقصد

اچھا تھا اگر چہ اس اجتہاد میں ایک ہی فریق صواب پر ہے...مگر اپنے اجتہاد میں خطا کر جانے والے کیلئے بھی اجر وثواب ہے۔

(۵) لَاتَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَائَهُمْ اَوْ اَبْنَائَهُمْ اَوْاِخْوَانَهُمْ اَوْعَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلہ، آیت۲۲)

تو نہیں پائے گا کسی قوم کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوستی رکھتے ہیں ان سے جو اللہ تعالیٰ کے اور رسول اللہ کے مخالف ہیں خواہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا اپنے گھرانے ہی کے کیوں نہ ہوں ان لوگوں کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض غیبی سے مدد کی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر مفسر دہلویؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں، یعنی جو دوستی نہیں رکھتے اللہ کے مخالف سے اگر چہ باپ بیٹے (وغیرہ) ہوں وہ ہی سچے ایمان والے ہیں، ان کو یہ درجے (جنت ورضوان الٰہی) ملتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہی تھی کہ اللہ ورسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پروانہیں کی۔ الحاصل حضرات صحابہ اس آیت پاک کے مصداق اولین ہیں چنانچہ امام قرطبی، زمخشری، حافظ ابن کثیر وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس آیت کے تحت حضرت ابوعبیدہ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عمر فاروق وغیرہ رضوان اللہ علیہم کے بےلوث مخلصانہ واقعات بیان کئے ہیں۔

اب اس قرآنی اطلاع کے برعکس تاریخ کی روایتیں یہ خبر دیں کہ صحابہ خدا اور رسولِ خدا کے مقابلے میں اپنے بیٹے عزیز واقارب اور قبیلے وگھرانے کو اولیت دیتے تھے تو یہ روایتیں ساقط الاعتبار ہوں گی انھیں کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

(٦) وَلٰكِنَّ اللّٰه حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ (الحجرات، آیت ۷-۸)

لیکن اللہ نے محبوب بنادیا تمہارے لئے ایمان کواور اس کومزین کردیا
تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دلوں میں کفر، گناہ
اورنافرمانی کی ایسے ہی لوگ نیک راہ پر ہیں اللہ کے فضل واحسان سے اور
اللہ جاننے والا،حکمت والا ہے۔

یعنی اللہ سب کی استعداد وصلاحیت کو جانتا ہے اور اپنی حکمت سے ہر ایک کو وہ مقام ومرتبہ مرحمت فرماتا ہے جواس کی استعداد کے مناسب ہو۔

یہ آیت ناطق ہے کہ بلا استثناء تمام صحابہ کے دلوں میں ایمان کی محبت اور کفر، گناہ،اورنافرمانی سے نفرت وکراہیت منجانب اللہ راسخ کردی گئی تھی،اور "الیکم" میں حرف "الیٰ" سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ ایمان کی محبت اور کفروفسق سے نفرت انتہا درجے کو پہنچی ہوئی تھی کیونکہ "الیٰ" عربی میں انتہا وغایت کے معنی بیان کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے، نیز آیت پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام سے جولغزشیں صادر ہوتی ہیں اس کی بنیاد ضعفِ ایمان اور فسق وعصیان کا (نعوذ باللہ) استحسان نہیں ہے بلکہ بتقاضائے بشریت ان کا صدور ہوگیا ہے، جس سے ان کے رشد پر کوئی حرف نہیں آسکتا،اس لئے ان کی معدودے چند لغزشوں کی بناپر انھیں تنقید وتنقیص کا نشانہ بنانا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ماذکر عن الصحابة من السيئات كثير منه كذب و كثير منه كانوا مجتهدين فيه لكن لايعرف كثير من الناس وجه اجتهادهم وما قدِّر انه كان فيه ذنب من الذنوب لهم فهو مغفور لهم، اما بتوبة واما بحسنات ماحية، واما بمصائب مكفرة واما بغير ذلك، فانه قد قام الدليل الذى يجب القول بموجبه انهم من اهل الجنة، فامتنع ان يفعلوا ما يوجب النار لا محالة واذا لم يمت احدهم على موجب النار لم يقدح ذالك فى استحقاقهم للجنة (المنتقى ص۲۱۹-۲۲۰)

صحابہ کی طرف جوبعض برائیاں منسوب کی گئی ہیں ان میں بیشتر خودساختہ
ہیں،اوران میں بہت سی ایسی ہیں جن کو انھوں نے اپنے اجتہاد (سے حکم

شرعی سمجھ کر) کیا مگر لوگوں کو ان کے اجتہاد کی وجہ معلوم نہ ہوسکی، اور جن کو گناہ ہی مان لیا جائے تو ان کا وہ گناہ معاف ہوگیا، یہ عفو ومغفرت یا توبہ کی بناء پر ہے یا ان کی (کثرت) حسنات نے ان گناہوں کو مٹا دیا، یا دنیاوی مصائب اِن کے لئے کفارہ بن گئیں، علاوہ ازیں دیگر اسباب مغفرت بھی ہوسکتے ہیں، کیونکہ قرآن وسنت سے ان کا جنتی ہونا ثبت ہو چکا ہے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا عمل ان کے نامۂ اعمال میں باقی رہے جو جہنم کی سزا کا سبب بنے، تو جب حضرات صحابہ میں سے کوئی ایسی حالت میں وفات نہیں پائے گا جو دخول جہنم کا ذریعہ ہے تو اب کوئی چیز ان کے استحقاق جنت میں مانع نہیں ہوسکتی۔

صحابہ کے ایمان واخلاص، دیانت وعدالت پر اس قرآنی شہادت کے بعد کسی تاریخی مفروضہ کی بنیاد پر صحابۂ کرام کے اسلام کو استسلام سے تعبیر کرنا ایمان بالقرآن سے کیا میل کھاتا ہے؟ پرستارانِ تاریخ ودلدادگان سید قطب وطٰہٰ حسین کو سوچنا چاہئے کہ وہ کس سے رشتہ توڑ رہے ہیں اور کس سے ناطہ جوڑ رہے ہیں۔

بقول دشمن پیمانِ دوست بشکستی
ببیں ازکہ بریدی وباکہ پیوستی

قرآن مقدس کی مندرجہ بالا آیات بصراحت ناطق ہیں کہ

(۱) بغیر کسی استثناء کے تمام صحابہ جنتی ہیں۔
(۲) سارے صحابہ کو اللہ تعالیٰ کی دائمی رضا وخوشنودی حاصل ہے۔
(۳) جملہ اصحاب رسول آپس میں برادرانہ الفت واخوت رکھتے تھے۔
(۴) سبھی حضرات صحابہ اللہ ورسول کے معاملے میں نسبی وقبائلی عصبیت سے بالکل پاک تھے۔
(۵) ہر ایک صحابی کا دل ایمان واخلاص کی محبت سے مزین اور کفر، فسق اور نافرمانیوں سے متنفر تھا۔

صحابہ کا مقام حدیث کی نظر میں

کتاب الٰہی کی ان واضح تصریحات کے ساتھ رسولِ خدا...... کے ارشادات بھی پیشِ نظر رکھیں تاکہ بات بالکل منقح ہوجائے اور کسی تاویل باطل سے آپ شکوک وشبہات میں گرفتار نہ ہوں۔

آنحضرت...... کا پاک ارشاد ہے۔

(۱) خیرالناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم، فلاادری ذکر قرنین او ثلاثۃ الخ (رواہ اہل السنۃ الا مالکا جمع الفوائد ص ۲۰۱ ج ۲ طبع الہند)

سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان کا جو اس سے متصل ہیں، پھر ان کا جو اس سے متصل ہیں، راویٔ حدیث کہتے ہیں مجھے یاد نہیں رہا کہ "ثم الذین یلونھم" آنحضرت...... نے دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔

اس حدیث پاک سے متعین طور پر معلوم ہوگیا کہ عہد نبوی کے بعد سب سے بہتر زمانہ صحابۂ کرام کا ہے "اصابہ" کے مقدمہ میں مشہور شارح حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ وتواتر عنہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیرالناس قرنی ثم الذین یلونھم الخ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک متواتر ہے جس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔

(۲) عن جابر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ اختار اصحابی علی الثقلین سوی النبیین والمرسلین، رواہ البزار بسند رجالہ موثقون.

آنحضرت...... فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے میرے اصحاب کو انبیاء ومرسلین کے علاوہ تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے۔

یہ حدیث پاک اس بات پر نص ہے کہ تمام حضرات صحابہ اللہ تعالیٰ کے منتخب و برگزیدہ ہیں، جماعت انبیاء کے بعد گروہ جن وانس میں سے کوئی بھی ان کے مقام ومرتبہ کو نہیں پا سکتا، شرف صحابیت ایک ایسا شرف ہے جس کے مقابلے میں ساری فضیلتیں ہیچ

دریچ ہیں، اسی لئے حضرت سعد بن زید (یکے از عشرۂ مبشرہ) قسم کھا کر فرماتے ہیں۔

واللّٰہ لشھد رجل منھم مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یغبر فیہ وجھہ خیر من عمل احدکم ولو عمّر عمر نوح (جمع الفوائد ص۲۰۲ ج۲)

خدا کی قسم صحابہ میں سے کسی کی رسول اللہ...... کے ہمراہ کسی جہاد میں شرکت جس سے اس کا (صرف) چہرہ غبار آلود ہو جائے غیر صحابی میں سے ہر فرد کی عمر بھر کی عبادت و عمل صالح سے بہتر ہے اگر چہ اس کو عمرِ نوحؑ مل جائے۔

صحابی رسول آنحضرت......کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

(۳) اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لاتتخذوھم غرضاً من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللّٰہ فیوشك ان یاخذہ (للترمذی جمع الفوائد ج۲ ص۲۰۱)

اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں میرے بعد ان کو (طعن و تشنیع کا) نشانہ نہ بنانا کیونکہ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی (اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانا چاہے) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں پکڑ لے۔

آیت کریمہ فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡکَرَ فِیۡھَا اسۡمُہٗ الخ کی تفسیر میں امام قرطبی نے آنحضرت...... کی درج ذیل حدیث ذکر کی ہے جس سے حدیث بالا کی تائید ہوتی ہے۔

(٤) من احب اللّٰہ عز وجل فلیحبنی ومن احبنی فلیحب اصحَابی ومن احب اصحابی فلیحب القرآن ومن احب القرآن فلیحب المساجد الخ (الجامع لاحکام القرآن ج۱۲ ص۲۶۶)

جو اللہ سے محبت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مجھ سے محبت رکھے اور جو مجھ سے محبت رکھے اسے چاہئے کہ میرے اصحاب سے محبت رکھے اور جو صحابہ سے محبت رکھے اسے چاہئے کہ قرآن سے محبت رکھے اور جو قرآن سے محبت رکھے اسے چاہئے کہ مساجد سے محبت رکھے۔

کوئی انتہا ہے حضرات صحابہ کی رفعت مقام کی کہ سیّد المرسلین، محبوب رب العالمین، خلاصۂ کائنات، فخر موجودات محمد رسول اللہ...... صحابۂ کرام کی محبت کو اپنی محبت بتا رہے ہیں اور ان سے بغض وعناد کو اپنے ساتھ بغض وعناد قرار دیتے ہیں، جس کے دل میں نبیٔ کریم ...... کی ادنیٰ درجہ کی محبت بھی ہوگی وہ اصحابِ رسول ...... کی شان میں لب کشائی کی جرأت کرسکتا ہے؟ اور جب کہ آپ ...... نے صاف فرما دیا ہو کہ دیکھو میرے بعد میرے صحابہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا اور انھیں اپنے اعتراضات کا ہدف نہ بنانا۔

ایک حدیث میں آپ ...... کا ارشاد ہے لاتسبوا اصحابی فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين لاتقبل الله منه صرفا ولا عدلا (شرح الشفاء للملاعلی قاری ص۵۵۷ ج۲)

ان احادیث پاک پر بطور خاص ان لوگوں کو غور کرنا چاہئے جو مؤرخین کی گری پڑی روایتوں اور متنورین کے طبع زاد مفروضوں کو بنیاد بنا کر صحابۂ کرام کے اخلاق واعمال کی ایسی تصویر پیش کرتے ہیں جسے وہ خود اپنے یا اپنے بڑے بوڑھوں کے بارے میں قطعاً گوارہ نہیں کر سکتے تو کیا (نعوذ باللہ) صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان متنورین ومتجددین سے بھی انسانی واسلامی اخلاق وشرافت میں فروتر اور پست تھے؟ (العیاذ باللہ)

(۵) عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل اصحابى فى امتى كالملح فى الطعام لايصلح الطعام الا بالملح (مشکوٰۃ شریف بحوالہ شرح السنۃ ص۵۵۴)

حضور ...... نے ارشاد فرمایا: میری امت میں میرے اصحاب کی وہی حیثیت ہے جو نمک کی کھانے میں ہے کہ بغیر نمک کا کھانا پسندیدہ نہیں ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ جسطرح عمدہ سے عمدہ تر کھانا بے نمک کے پھیکا اور بے مزہ ہوتا

ہے بعینہ یہی حال امت کا ہے کہ اس کی ساری صلاح وفلاح اوراس کا تمام تر شرف ومجد صحابہ کی مقدس جماعت کا مرہون احسان ہے اگراس جماعت کو درمیان سے الگ کر دیا جائے تو امت کے سارے محاسن وفضائل بے حیثیت اور غیر معتبر ہو جائیں گے۔

الحاصل اس حدیث میں واضح اشارہ ہے کہ امت مسلمہ کے دین کی صحت ودرستگی کیلئے حضرات صحابہؓ کے اقوال واعمال حجت وسنداور معیار کا درجہ رکھتے ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ

(۱) عہد نبوی کے بعد صحابہ کا دور سارے زمانہ سے بہتر ہے۔

(۲) حضرات صحابہؓ اللہ کے منتخب وبرگزیدہ ہیں، جماعت انبیاء کے علاوہ جن وبشر کا کوئی بھی فرد ان کے مقام ومرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۳) صحابہؓ کی محبت رسول خدا سے محبت کی علامت اور ان سے بغض وعناد رسول اللہ...... سے بغض وعناد کی نشانی ہے، صحابہؓ کو ایذا پہنچانا خود نبیٔ پاک ......کو اذیت پہنچانے کے مرادف ہے۔

(۴) حضرات صحابہؓ کو تنقید وتنقیص کا ہدف بنانا ناجائز وحرام ہے۔

(۵) امت کا سارا شرف ومجد صحابہؓ کے ساتھ وابستگی پر موقوف ہے اوران کا قول وعمل امت کے لئے حجت ہے۔

صحابۂ کرام کی عیب جوئی اکبر کبائر میں سے ہے

آیات قرآنی اوراحادیث نبوی کے نصوص سے ثابت شدہ صحابہؓ کے اسی امتیازی مقام ومرتبہ کوایک دو گمراہ فرقوں کے علاوہ ساری امت ہمیشہ سے مانتی چلی آرہی ہے،ان کے حق میں طعن وتشنیع،سب وشتم اوران کی عیب جوئی اوراہانت کو اکبر کبائر میں شمار کیا جاتا رہا ہے۔

چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں۔

(۱) واعلم ان سب الصحابة حرام من فواحش المحرمات سواء لابس

الفتنة منهم او غيره. (شرح مسلم ص۳۱۰ ج۲)

اچھی طرح سمجھ لو کہ صحابہ کا نازیبا الفاظ سے ذکر کرنا حرام ہے اور بڑے حراموں میں ہے خواہ وہ صحابی باہمی جنگ کے فتنہ میں مبتلا ہوئے ہوں یا اس سے بری ہوں۔

حضرت امام مالکؒ کا قول مشہور شارح حدیث ملا علی قاریؒ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

(۲) من شتم احدا من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ابابکر او عمر او عثمان او علیا او معاویة او عمرو بن العاص فان قال شاتمهم کانوا علٰی ضلال او کفر قتل وان شتم بغیر هذا نکل نکالا شدیدا (شرح الشفاء ص۵۵۷ ج۲)

جس نے اصحاب رسول میں سے کسی کو (مثلاً) ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاویہؓ، عمرو بن عاصؓ، کو گالی دی اگر انہیں گالی دینے والا یہ کہتا ہے کہ وہ کفر وضلالت پر تھے تو اسے قتل کیا جائے گا اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور کہتا ہے تو اسے سخت عبرتناک سزا دی جائے گی۔

عظیم المرتبت محدث امام ابوزرعۃ الرازیؒ فرماتے ہیں۔

(۳) اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاعلم انه زندیق وذٰلك ان الرسول حق، والقرآن حق وما جاء به حق وانما روی الینا ذٰلك کله الصحابة وهؤلاء یریدون ان یجرحوا شهودنا لیبطلوا الکتاب والسنة والجروح بهم اولٰی وهم زنادقة (الاصابۃ ص۱۱ ج۱)

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ میں سے کسی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ زندیق ہے اور یہ اس لئے ہے کہ رسول حق ہیں، قرآن حق ہے، قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے حق ہے اور ان سب کو ہم تک پہنچانے والے صحابہؓ ہیں تو یہ عیب جو یان صحابہؓ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں اور واسطہ کو مجروح کر دیں۔ تاکہ وہ کتاب وسنت کو باطل اور بے اصل ٹھہرا دیں لہٰذا یہی بدگو مجروح ہونے کے زیادہ مستحق ہیں یہ لوگ تو زندیق ہیں۔

(۴) امام ذہبیؒ اپنی مشہور کتاب ''الکبائر'' میں لکھتے ہیں۔

من ذم اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بشیء وتتبع عشراتهم وذکر عیبا واضافه الیهم کان منافقا الخ (ص۲۳۹)

جس نے آنحضرت...... کے صحابہؓ کی کسی نوع کی مذمت کی اوران کی عیب جوئی اورلغزشوں کی تلاش کے پیچھے لگا رہا یا کسی عیب کا ذکر کرکے اس کی نسبت صحابہ کی جانب کردی تو وہ منافق ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ان کے تلمیذ المیمونی ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

(۵) سمعت احمد یقول مالهم ولمعاویة نسأل اللّٰہ العافیة وقال لی یا ابا الحسن اذا رأیت احدا یذکر اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بسوء فاتهمه علی الاسلام (مقام صحابہ ص۷۷)

میں نے امام احمد سے فرماتے ہوئے سنا لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی برائی کرتے ہیں ہم اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہؓ کا ذکر برائی سے کررہا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

حضرات ائمہ ومحدثین کے ان اقوال کا حاصل یہی ہے کہ حضرات صحابہؓ کی اہانت، برائی اوران کے اوپر طعن تشنیع عظیم تر گناہ کبیرہ ہے، کسی مخلص سچے مومن کی یہ شان نہیں ہے کہ رسولِ خدا کے مخلص وجاں نثار ساتھیوں کو ہدف ملامت اورنشانۂ مذمت بنائے ایسی شنیع جسارت کوئی زندیق، منافق اورمشکوک الاسلام ہی کرسکتا ہے (نعوذ باللہ منہ)

محقق ابن ہمامؒ اسلامی عقائد پر اپنی جامع کتاب مسامرہ میں لکھتے ہیں۔

واعتقاد اهل السنة والجماعة تزکیة جمیع الصحابة وجوبا باثبات العدالة لکل منهم والکف عن الطعن منهم والثناء علیهم (ص۱۳۲)

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تمام صحابہ کی لازمی طور پر پاکی بیان کرنا ہے، ان میں سے ہر ایک کی عدالت ثابت کرنے ان پر کسی قسم کا طعن نہ کرنے

اوران کی مدح وتعریف کے ساتھ۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے شرح عقیدۂ واسطیہ میں اس عقیدہ کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے۔

وعن اصول اهل السنة سلامة قلوبهم والسنتهم لاصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم (ص۴۰۳)

اہل سنت کے اصول عقائد میں سے ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہؓ کے معاملے میں صاف رکھے۔

عقائد کی معروف کتاب شرح مواقف میں سید شریف جرجانی رقم طراز ہیں۔

المقصد السابع انه يجب تعظيم الصحابة كلهم والكف عن القدح فيهم لان اللّٰه عظيم و اثنٰى عليهم فى غير موضع فى كتابهم (عقیدہ سے متعلق یہ تینوں حوالے ''مقام صحابہ'' از مفتی شفیعؒ سے ماخوذ ہیں)

ساتواں مقصد اس بیان میں ہے کہ تمام صحابہ کی تعظیم اوران پر طعنہ زنی سے رکنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عظیم ہے اوراس نے اپنی کتاب میں ان حضرات کی بہت سے مقامات میں تعریف بیان کی ہے۔

ایک محقق کا غیر تحقیقی رویہ

کس قدر حیرت انگیز ہے یہ واقعہ کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی جو صرف مشہور صاحب قلم عالم ہی نہیں بلکہ ہماری معروف دینی درسگاہ ندوہ کے معتمد تعلیمات بھی ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے پیش نظر اصحاب رسول ...... سے متعلق کتاب وسنت کے نصوص اور علمائے امت کی تصریحات ضرور ہوں گی، بایں ہمہ موصوف نے ایک جدید کتاب ''واقعہ کربلا اوراس کا پس منظر'' پر تبصرہ کرتے ہوئے صحابہؓ کے ایک طبقہ کو اپنے قلم کے تیرونشتر کا اس بیبا کی سے ہدف بنایا ہے کہ اسے پڑھ کر یقین نہیں آتا کہ حضرات صحابہؓ کے بارے میں یہ خیالات جماعت اہل سنت سے وابستہ کسی صاحب علم ودانش کے ہیں۔

آں موصوف کی تحریر کا وہ حصہ جس میں انھوں نے حضرت سفیان اور دیگر اموی

صحابہ رضوان اللہ علیہم کو اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ ٹھہرایا خود انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے لکھتے ہیں۔

''کربلا کا واقعہ بنوامیہ اور بنوہاشم کی دیرینہ عداوتوں کا ایک منطقی نتیجہ (Cdsequence) تھا وہ عداوتیں جوظہور اسلام کے بعد بہت طاقتور شکل میں ابھر کر سامنے آئیں اور رسول اللہ...... کے ۲۳ سالہ عرصہ نبوت میں ۲۱ سال تک بلکہ ساڑھے اکیس سال تک شدومد سے قائم رہیں، غزوۂ بدر میں مسلمان فوج کی کامرانی نے جس طبقہ کو سب سے زیادہ برافروختہ کیا اس کے سربراہ ابوسفیان تھے، اسی طرح غزوۂ احد میں ان کا اور ان کی اہلیہ، جگر خور حمزہ ہند کا کردار یہ سب وہ باتیں ہیں جن میں مؤرخین کا کوئی اختلاف نہیں ہے، فتح مکہ کے بعد یہ گروہ اسلام لایا (یا بقول سید قطب شہید کے استسلام کیا) مگر اس استسلام کے بعد اچانک ایک پل میں ایسی تبدیلی ہوگئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے، اپنی انانیت کو بھول گئے عقلاً محال بات ہے اور صحاح ستہ کی مستند روایات سے ثابت ہے کہ ہند نے بیعت کے الفاظ دہراتے ہوئے بھی اپنے اندرونی کرب وغم اور غیظ وغضب کا اظہار کیا تھا، حضرت سفیان نے احتجاج کیا تھا کہ اب وہ دن آگیا ہے کہ یہ پسماندہ ہم اشراف پر فوقیت دیئے جاتے ہیں، رسول اللہ ...... کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر کے خلاف حضرت علی کو اٹھانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے۔

اسلام کے پورے طور پر فاتح ہوجانے کے بعد جب مقاومت کی تمام راہیں مسدود ہوگئیں تھیں اس عرصۂ مختصر میں اس گروہ کی طرف سے کسی واضح دشمنی کا ثبوت تاریخ میں نہیں ملتا ہے مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں میں شکست کا غم وغصہ آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ سینہ کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح

جوش مارتا رہا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت نے البتہ اسلام کی طرف سے ان کے عناد کو ختم کیا مگر رسول اللہ...... کی ذات سے ان کا دل صاف نہیں ہوا، احمد امین نے فجر الاسلام اور اس کے مقدمہ میں طٰہٰ حسین نے اس کی نشاندہی کی ہے۔'' (تعمیر حیات، اشاعت ۱۰/مارچ ۱۹۹۲ء)

ڈاکٹر صاحب کی اس طویل عبارت کا حاصل یہ ہے کہ

(۱) حضرت ابوسفیانؓ اور خاندان بنی امیہ کے دیگر صحابۂ کرام حقیقتاً مسلمان نہیں تھے بلکہ ظاہری طور پر اطاعت قبول کر لی تھی بالفاظ دگر یہ حضرات آیت پاک ''قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّاط قُل لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا کے مصداق تھے۔

(۲) اس استسلام (ظاہری تسلیم و اطاعت) کے بعد اچانک زمانۂ کفر وشرک کی عداوتوں کو وہ بھول گئے یہ عقلاً محال ہے۔

(۳) ہند زوجہ حضرت ابوسفیانؓ (جنھیں موصوف نے جگر خور حمزہ کا طعنہ دیا ہے) نے بیعتِ اسلام کے وقت اپنے کرب وغم کا اظہار کیا تھا (غالباً ڈاکٹر صاحب امت کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عین اسلام قبول کرتے وقت بھی اللہ کے دین اور اللہ کے رسول سے ان کا دل صاف نہیں تھا بدرجۂ مجبوری استسلام کر رہی تھیں)

(۴) حضرت ابوسفیانؓ نے رسول اللہ...... کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلاف (خلافت کے لئے) حضرت علیؓ کو اکسایا تھا۔

(۵) غلبۂ اسلام کے بعد یہ گروہ مقابلہ کی طاقت نہ پا کر ایک محدود عرصہ کیلئے خاموش ہو گیا تھا، مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں کا غم آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ کے سینہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مار رہا تھا۔

(۶) حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت نے اسلام سے ان کے عناد کو ختم کر دیا مگر رسول اللہ ...... سے ان کا دل صاف نہیں ہوا۔

یہ ہے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی صحابہؓ کی اس جماعت کے بارہ میں رائے جن

میں حضرت ابوسفیانؓ (عامل نجران) اوران کی زوجہ ہندؓ کے علاوہ خال المومنین کاتب وحی حضرت معاویہؓ، عتابؓ ابن اسیدؓ (گورنر مکہ معظّمہ) یزید بن سفیانؓ (عامل تیما) عبداللہ بن سعید (عامل فدک وکاتب وحی) عمرو بن سعیدؓ (عامل خیبر وکاتب وحی) عثمان بن سعیدؓ (عامل عرینہ) خالد بن سعیدؓ (کاتب وحی وعامل یمن) ابان بن سعیدؓ (عامل بحرین) سعید بن سعیدؓ (بازارمکہ کے نگران اعلیٰ) رضی اللہ عنہم اجمعین جیسی اسلام کی پاکباز شخصیتیں شامل ہیں۔ جن پر خود صاحب وحی، رسالت مآب محمد رسول اللہ...... نے اعتماد کر کے اپنے عہد رسالت میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پر مامور فرمایا تھا اور اپنے اس انتخاب کے ذریعہ اس جماعت کے ایمان و اخلاص پر ہمیشہ کیلئے مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں اسلامی لشکر کی قیادت اور صوبوں کی سربراہی جیسے اہم ونازک ترین عہدوں سے انھیں سرفراز کر کے ہمیشہ کے واسطے اسلامی تاریخ میں ان کے ناموں اور کارناموں کو روشن وتابناک بنادیا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مستسلمین جن کے سینوں میں غزوۂ بدر کے انتقام کا جذبہ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش ماررہا تھا اور قلوب اسلام اور داعیٔ اسلام سے صاف نہیں تھے (جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق ہے) کیا اس اعتماد واعزاز کے مستحق تھے کہ کتابت وحی جیسی نازک ترین خدمت اور اسلامی ریاست کے اہم مناصب ان کے سپرد کر دیئے جائیں؟ کیا ندوی صاحب کی اس تحقیق کو تسلیم کر لینے کے بعد سید المرسلین ...... کی ردائے عصمت کو (نعوذ باللہ) جرح وقدح کے دھبوں سے پاک وصاف رکھا جاسکتا ہے؟

بات پہنچی ہے کہاں تک یہ تجھے کیا معلوم

اس لئے یہ ہمارے ایمان بالرسول کا تقاضا ہے کہ بغیر کسی بحث وتحقیق اور ریب وشک کے کہہ دیں کہ "واللہ ھذا بھتان عظیم"۔

ڈاکٹر صاحب ماشاء اللہ ندوہ جیسی مشہور علمی درسگاہ کے ہونہار فاضل ہیں ان کی نظر قدیم وجدید دونوں ماخذوں پر ہے، وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ حضرات صحابہ کے متعلق فیصلہ محض تاریخی روایتوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ کتاب وسنت کی روشنی میں کیا جاتا ہے، حتی کہ

امام ابن جریر طبری، حافظ ابن کثیر، ابن اثیر اور ابن عساکر جیسے مستند علماء جو فن تاریخ کے علاوہ حدیث، تفسیر وغیرہ اسلامی علوم میں بھی عبقریت کی شان رکھتے ہیں کی بیان کردہ وہ روایتیں جو کتاب وسنت کی تصریحات سے میل نہ کھائیں قابل قبول نہیں ہیں۔

اس کے باوجود ڈاکٹر صاحب نے سید قطب، احمد امین اور ڈاکٹر طٰہٰ حسین جیسے مستشرقین کے کارندوں اور اسلامی روایات واقدار سے بیزار عصر جدید کے متجددوں کے خودساختہ مفروضوں کو سامنے رکھ کر صحابہ کی ایک بڑی جماعت پر ایسی سخت ترین جرح کرڈالی جس کے نتیجہ میں آنحضرت ...... کے ساتھ ان کی وفاداری ہی نہیں بلکہ اسلام بھی مشکوک ہوجاتا ہے۔ کیا صحابہ کے اخلاق وکردار کی یہ صحیح منظرکشی ہے؟ کیا صحابہ کی یہ تصویر دیکھ کرامت کا وہ اجماعی اعتقاد جو ان کے بارے میں ہے باقی رہ سکتا ہے؟ ڈاکٹر صاحب کو خالی الذہن ہوکر غور کرنا چاہیئے۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریر پر ایک نظر

اس اجمالی نظر کے بعد ڈاکٹر صاحب کی تحریر کے اجزاء پر تفصیلی گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔

(الف) کیا یہ مستسلمین جو حقیقی اسلام کی دولت سے محروم تھے جن کے سینوں میں اسلام سے انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، جن کے قلوب نبی کریم ......کی طرف سے صاف نہیں تھے کسی درجہ میں مستحق جنت ہیں؟ حالانکہ خدائے علیم وخبیر کا اعلان ہے لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجة من اللّٰه و کلا وعد اللّٰه الحسنیٰ (آیت پاک کا ترجمہ وتفسیر آگے گذر چکی ہے) فرق مراتب کے باوجود تمام صحابہ کو بارگاہ الٰہی سے جنتی ہونے کی سند مل چکی ہے، اس لئے ڈاکٹر صاحب کی یہ تحقیق کسی اور حلقہ میں قابل قبول ہو تو ہو گروہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک قطعاً مردود و نامقبول ہے۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں ''مگر اس استسلام کے بعد اچانک ایک پل میں ایسی تبدیلی ہوگئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے، اپنی انانیت کو بھول گئے عقلاً محال ہے۔''

(ب) ڈاکٹر صاحب کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ جس بات کو یہ محالِ عقلی ٹھہرا رہے ہیں اسی کے بارے میں کتاب الٰہی کی شہادت یہ ہے کہ چشم گیتی اس حیات بخش منظر کو عہد رسالت میں دیکھ چکی ہے اذ کروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبھم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا، یعنی اللہ کے فضل وعنایت سے قدیم دشمنی بغیر کسی تاخیر کے دوستی میں بدل گئی اور کل کے دشمن آج کے بھائی بن گئے، اس آیت پاک میں اذ کنتم اعداءً پر الّف بین قلوبکم کا عطف کیا گیا ہے اور اس کے لئے حروف عاطفہ میں سے ''فاء'' کا انتخاب ہوا ہے جو تعقیب بلاتراخی کے معنی کے واسطے استعمال ہوتا ہے، جس کا حاصل یہی ہے کہ دشمنی وعداوت کے بعد اچانک ایک پل میں الفت پیدا ہوگئی اور پرانی ساری رنجشیں یک بیک کافور ہوگئیں۔

(ج) ڈاکٹر صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''ہند (زوجۂ ابوسفیان) نے بیعت کے الفاظ دہراتے ہوئے بھی اپنے اندرونی کرب وغم اور غیظ وغضب کا اظہار کیا تھا۔''

اس بیان میں ڈاکٹر صاحب صحیح علم وتحقیق کے حق کو فراموش کر گئے ہیں کیونکہ اس واقعہ میں جو بات انھیں اپنے مقصد کے مطابق نظر آئی اسے اٹھالیا اور جو خلافِ مقصد تھی اسے قلم انداز کر دیا آج کل کے تاریخی تجزیے اور ریسرچ وتحقیق کی یہی تکنیک ہے، بیعت اسلام کے اس واقعہ میں ہند رضی اللہ عنہا کی آخری گفتگو جو انھوں نے نبی کریم ...... سے کی یہ ہے۔

> ''یارسول اللہ! اسلام سے پہلے آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھ کو مبغوض نہ تھا اور آپ سے زیادہ کسی کو دشمن نہ رکھتی تھی، اور اب آپ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے محبوب نہیں، آپ نے فرمایا ابھی محبت میں اور زیادتی ہوگی۔'' (سیرت المصطفیٰ ج۳ ص۳۶)

کیا اس کے بعد بھی کہا جائے گا کہ وہ نبی کریم سے بغض وعدات رکھتی تھیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے دل کی صفائی اور انتہائی اخلاص کی بات ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی اپنی قلبی کیفیات کو بلاتکلف بیان کر دیا۔ چونکہ ہمارے محقق ومبصر طٰہٰ حسین اور احمد

امین جیسے استشراق پسند مصنّفین کی عینک لگا کر اس واقعہ کو دیکھ رہے ہیں اس لئے جو چیز قابل تعریف تھی وہی انھیں لائق مذمت نظر آ رہی ہے۔

اس موقع پر موصوف نے حضرت ہندؓ کو ''جگر خوریٔ حمزہؓ'' کا طعنہ بھی دیا ہے جو کسی طرح بھی ان کی علمی شان کے مناسب نہیں ہے کیونکہ حدیث پاک الاسلام یھدم ما کان قبلہ (اسلام نے اپنے سے پہلے سارے گناہوں کو ختم کر دیا) اور ''التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ'' (گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کے مثل ہو جاتا ہے) اس لئے اسلام لانے کے بعد زمانۂ شرک کے معاصی پر طعن و تشنیع کسی طرح بھی روا نہیں، اور اگر بالفرض اس دروازے کو کھول دیا جائے تو مہاجرین وانصار میں سے کون بچے گا جو اس قسم کے طعنہ کا مورد نہ ہو سکے، جانتے بوجھتے ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ رویہ خواہ مخواہ اس شبہ کو دعوت دیتا ہے کہ ان کا قلب خاندان بنی امیّہ سے متعلق صحابۂ کرام سے صاف نہیں ہے، اللّٰھم احفظنا منہ۔

(د) موصوف حضرت ابوسفیان کے جرموں کو شمار کراتے ہوئے لکھتے ہیں ''رسول اللہ......کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کے خلاف حضرت علی کو اکسانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے۔''

ڈاکٹر صاحب جس بات کو ایک ثابت شدہ حقیقت کے انداز میں پیش کر رہے ہیں اس کی حیثیت بس اتنی ہے کہ ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ ابوسفیان، حضرت علی اور حضرت عباس کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اے علیؓ وعباسؓ! کیا بات ہے کہ خلافت قریش کے اس قبیلہ میں گئی (مراد حضرت ابو بکر صدیقؓ کا قبیلہ ہے) جو مرتبہ کے اعتبار سے پست اور تعداد کے لحاظ سے قلیل ہے، بخدا اگر تم دونوں آمادہ ہو جاؤ تو ہم مدینہ کو اپنے حامیوں اور طرفداروں کے لشکر سے بھر دیں، حضرت علیؓ نے جواب دیا، بخدا میں ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا الخ

اس روایت کو مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے اپنی مشہور کتاب ''المرتضیٰ''، صفحہ ۱۵۱ پر بحوالہ کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۱ نقل کیا ہے، اسی روایت کی بنیاد پر کہا جا رہا ہے کہ اسلام

قبول کر لینے کے بعد بھی ابوسفیانؓ کے دل سے جاہلی عصبیت کا جرثومہ ختم نہیں ہوا تھا اسی لئے تو وہ خلافت صدیقی کے خلاف حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو اکسا رہے تھے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ اوّلاً تو خود اس روایت کی صحت ہی مشکوک ہے اس لئے ایسی روایت کی بنیاد پر کسی صحابیٔ رسول کے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ دینا کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ — جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

علاوہ ازیں اگر کسی درجہ میں اس روایت کو مان لیا جائے تو حضرت ابوسفیان کی اس رائے کو حضرت ابوبکرؓ کے خلاف اکسانے کا معنی پہنانا کسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر حضرت ابوسفیانؓ کی اس رائے کا یہی معنی درست مانا جائے تو پھر اس اعتراض سے عم رسول عباس رضی اللہ عنہ بھی بری نہ ہوسکیں گے کیونکہ حضرت ابوسفیانؓ سے پہلے خود حضرت عباسؓ کی رائے بھی یہی تھی کہ رسول اللہ...... کے مرض وفات میں ایک دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا "انی اری الموت فی وجوہ بنی عبدالمطلب فتعال حتی نسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان کان ھذا الامر فینا علمناہ" جس کے جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا تھا انا واللہ لئن سألناھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمنعناھا لایعطیناھا الناس بعدہ وانی واللہ لا اسألھا رسول اللہ" (رواہ البخاری فی کتاب المغازی) پھر یہی اعتراض حضرت سعد بن عبادہ اور ان کے حامی حضرات انصار پر بھی عائد ہوگا جو سقیفۂ بنی ساعدہ میں انتخاب خلیفہ کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔

درحقیقت اس موقع پر نہ کسی کے اندر خاندانی عصبیت کارفرما ہے اور نہ کوئی کسی کو کسی کے خلاف اکسا رہا ہے بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ حضرات صحابہ کے سامنے نبیٔ کریم...... کی وفات کے بعد ایک ایسا مسئلہ کھڑا ہوگیا جس پر انھوں نے پہلے سے پورے طور پر غور وفکر نہیں کیا تھا اس لئے اول وہلہ میں استحقاق خلافت کے سلسلہ میں ان کی رائیں مختلف ہوگئیں، قریش کی وہ شاخ جو عبدمناف سے تعلق رکھتی تھی اس کے دونوں بزرگ یعنی حضرت عباسؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کی رائے یہ تھی کہ چونکہ آنحضرت کا نسبی تعلق بنوہاشم

سے ہے اور اس وقت بنو ہاشم میں اپنے فضائل ومحاسن کے لحاظ سے حضرت علیؓ سب پر فوقیت رکھتے ہیں اس لئے وہی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں جس کا اظہار ان دونوں حضرات نے حسب موقع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کردیا، اس کے برخلاف حضرات انصار کا ایک طبقہ اپنی نصرت وتائید کے پیش نظر یہ سمجھ رہا تھا کہ مہاجرین کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ حقدار یہی ہیں اپنی اسی رائے کے تحت وہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں اکٹھا ہوئے تھے لیکن بعد میں حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے بیانات سے دلائل منقح ہو کر سب کے سامنے آ گئے تو بغیر کسی تردد کے سب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ رسول تسلیم کر لیا اور مکمل بشاشت قلبی کے ساتھ خلیفۂ وقت کی سمع وطاعت قبول کر لی۔

(ھ) موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں میں شکست کا غم وغصہ آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ سینہ کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مارتا رہا۔''

ڈاکٹر صاحب نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے اور اپنے کمال ادب وبلاغت کے اظہار کے لیے حضرات صحابہ کی مقدس جماعت کے ساتھ جس بے ادبی کا مظاہرہ کیا ہے وہ صاف طور پر غماز ہے کہ ''فی قلبه شیء'' حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ، حضرت یزید بن ابوسفیان، حضرت عتاب بن اسید، حضرت خالد بن سعید وغیرہ آنحضرت...... کے معتمد صحابہ کرام کو انگریزوں کی صف میں کھڑا کر دینا حد درجہ کی جسارت ہے جو اہل سنت والجماعت کے صحابہ سے متعلق اجماعی عقیدہ کے یکسر منافی ہے۔

الحاصل ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب کی مندرجہ بالا تحریر کا ایک ایک جز کتاب وسنت سے معارض، عقیدۂ اہل سنت کے خلاف ہے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بیان کے مطابق (شائع تعمیر حیات، ۲۵/اپریل ۹۲ء) خود ندوہ کے مسلک سے بھی ہم آہنگ نہیں ہے جسکے معتمد تعلیمات کی مسند پر بیٹھ کر اسے لکھا گیا ہے اور ندوہ کے ترجمان ''تعمیر حیات'' کے ذریعہ جس کی اشاعت ہوئی ہے، مگر حیرت ہے کہ ترجمان ندوہ تعمیر حیات نے آج تک

اس کی واضح طور پر تردید اور اس سے برأت کے سلسلہ میں کچھ نہیں لکھا۔

فالی اللّٰہ المشتکیٰ.

اللّٰھم ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعه، وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه، وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم وعلی آله واصحابه اجمعین.

معیار افضلیت

حضرات خلفاء اربعہ میں سب سے افضل کون ہے

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی معرکۃ الآراء اور لاجواب تصنیف ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کی تالیف کے بعد اپنے بعض اصحاب کی درخواست پر ''السرالجلیل فی مسئلۃ التفضیل'' کے نام سے ایک رسالہ مرتب فرمایا تھا جس میں حضرات خلفاء اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان فرق مراتب اور ترتیب مراتب کو ایسے عمدہ طریقے پر ثابت کیا ہے کہ متلاشی حق کے لئے اب اس مسئلہ میں کسی قسم کے ریب وشک کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ یہ رسالہ اُس وقت کی علمی زبان فارسی میں لکھا گیا تھا اور اب چونکہ فارسی تقریباً متروک ہو چکی ہے اس لئے اس رسالہ سے استفادہ عام طور پر ممکن نہیں رہا بالخصوص اردو خواں طبقہ تو اس سے مستفید ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طبقہ کی رعایت میں اس رسالہ کو اردو کے قالب میں پیش کیا جارہا ہے اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ تحت اللفظ ترجمہ کے بجائے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے مفہوم کو عصری اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس لئے بہت سی جگہوں پر توضیحی عبارت کا اضافہ ناگزیر ہو گیا ہے اگرچہ یہ چیز ٹھیٹھ ترجمہ کے لئے عیب شمار ہوتی ہے؛ لیکن مفہوم کی وضاحت کے مقابلہ میں یہ عیب انگیز کیا جانا چاہیے۔ (حبیب الرحمٰن اعظمی)

اس مسئلہ پر گفتگو سے پہلے فضیلت کی قسموں کو جان لینا ضروری ہے کیونکہ اسی پر افضلیت کا مدار ہے کتاب وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) فضیلت اختصاصی (۲) فضیلت اکتسابی۔ اس دوسری قسم کو حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے فضیلت جزائی سے تعبیر کیا ہے۔

فضیلت اختصاصی

یہ محض عطیۂ الٰہی اور موہبت ربّانی ہے جس میں اطاعت وعبادت کا کوئی دخل نہیں ہے بس اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ بے پایاں سے ایک شئے کو دوسری شئے پر فضیلت وفوقیت عطا کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ مالک مطلق ہے اپنی مملوکات میں سے جسے چاہے اپنی عنایت خاص سے سرفراز کر دے۔

جسے چاہے مالکِ دوجہاں اسے رفعتوں سے نواز دے

یہ فضیلت اپنے اندر بڑی وسعت اور عمومیت رکھتی ہے۔ انسان، حیوانات، جمادات بلکہ جواہر واعراض تک کو اس سے کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہے۔ درج ذیل مثالوں سے اس کی ہمہ گیری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

فضیلت اختصاصی کی چند مثالیں

مثلاً فرشتوں کو وجود اور پیدائش میں تمام مخلوق پر اوّلیت اور تقدم کی فضیلت حاصل ہے کیونکہ خلعت وجود سب سے پہلے انھیں کو عطا کیا گیا' اسی طرح حضرات انبیاء کو منصب نبوت سے سرفراز فرما کر تمام انسانوں پر انھیں فوقیت وفضیلت دی گئی' دنیا کے تمام کمسن بچوں کے مقابلہ میں آں حضرت ؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کو شرف فضیلت سے نوازا گیا' عالم کی تمام اونٹنیوں پر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو بزرگی عطا کی گئی حرمین شریفین (مکہ ومدینہ) کو تمام شہروں پر فضیلت اور برتری مرحمت ہوئی' یوم جمعہ اور یوم عاشورۂ (دسویں محرم) کو دیگر ایام کے مقابلہ میں امتیاز واختصاص بخشا گیا۔ اور عشرۂ ذی الحجہ کو باقی تمام دنوں سے محترم بنایا گیا' فرض کو نفل پر برتری دی گئی' عصر وفجر کو دوسرے فرائض کے مقابلہ میں افضلیت حاصل ہوئی اور سجدہ کو باقی ارکانِ صلوٰۃ کے مقابلہ میں

قرب ومنزلت سے نوازا گیا۔

ان مثالوں سے جہاں فضیلت اختصاصی کی وسعت اور ہمہ گیری کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس فضیلت کا حصول کسی عمل پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس کا تمام تر مدار قسمت اور تقدیر الٰہیہ پر ہے (ذالك تقدير العزيز العليم)

فضیلت اختصاصی کی قسمیں:

اس کی کل چار قسمیں ہیں: (۱) فضیلت معلوم الوجہ (۲) فضیلت مجہول الوجہ (۳) فضیلت اصلی (۴) فضیلت تبعی۔ سطور ذیل میں ہر قسم کی کچھ تفصیل ذکر کی جا رہی ہے تا کہ بات واضح ہو کر سامنے آجائے

(۱) معلوم الوجہ۔ جس میں سبب فضیلت تک عقل انسانی کی رسائی ہو جائے اور آدمی سمجھ لے کہ اس فضیلت کی وجہ کیا ہے مثلاً یہ بات سب کو معلوم ہے کہ دوسری جگہوں کے مقابلہ میں مساجد کی بزرگی اور فضیلت اس کے محل عبادت اور مقام ذکر ہونے کی وجہ سے ہے البتہ خود اس جگہ کا عبادت گاہ اور مسجد کے لئے منتخب کیا جانا محض عنایت خداوندی کی بنا پر ہے اس اختصاص کا سمجھنا فہم انسانی کے دائرہ قدرت سے بالاتر ہے۔

(۲) مجہول الوجہ: وہ فضیلتیں کہلاتی ہیں جن کے اسباب ووجوہ کی دریافت سے انسانی عقل قاصر ہے۔ جیسے حجر اسود کی دوسرے پتھروں پر اور مکان کعبہ کی دوسرے مکانات پر فضیلت کے اسباب ووجوہ کیا ہیں؛ عقل انسانی ان کے ادراک سے عاجز ودرماندہ ہے۔

(۳) فضیلت اصلی: صاحب فضیلت کو یہ شرف وفضل بلا کسی واسطہ کے اصالۃً حاصل ہوا ہو جیسے حجر اسود کہ اسکی فضیلت اصلی ہے۔ کیونکہ اس میں کسی واسطہ کا دخل نہیں ہے۔

(۴) فضیلت تبعی: جو صاحب فضیلت کو کسی واسطہ اور وسیلہ سے حاصل ہوئی جیسے

صاحبزادہ رسول حضرت ابراہیم کی بزرگی آنحضرتؐ کے واسطہ اور طفیل سے ہے۔
فضیلت اختصاصی کی اس تفصیل سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ فضیلت کی اس قسم میں مدار فضیلت حق جلّ مجدہ کی تخصیص پر ہے عمل یا کوشش کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

(۲) فضیلت اکتسابی

یہ فضیلت اطاعت وعبادت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اور فضیلت کی پہلی قسم یعنی اختصاصی کے بالمقابل اس کا دائرہ محدود اور تنگ ہے کیونکہ اس کا مدار اعمال پر ہے لہٰذا یہ انھیں لوگوں کے حصہ میں آئے گی جو عمل کی استعداد اور صلاحیت رکھتے ہوں ان کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوگی اور اہل عمل کی صرف تین جماعتیں ہیں، ملائکہ، جنات اور انسان۔ یہ فضیلت بظاہر عمل کے معاوضہ کے طور پر عطا کی جاتی ہے لیکن اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو اس کا منتہا بھی وہی فضیلت اختصاصی ہی ہے جیسا کہ آئندہ کی تفصیلات سے معلوم ہوگا۔
اختلاف اور نزع کا محل یہی فضیلت اکتسابی ہے۔ فضیلت اختصاصی میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کے ثبوت کے لئے کتاب وسنت کا بیان کافی ہوتا ہے۔ اس موقع پر یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ تمام حضرات صحابہ کو پوری امت پر فضیلت اختصاصی حاصل ہے جس کا ثبوت ذیل کی حدیث سے ہورہا ہے ”اختار اللّٰہ لی اصحابا واصحارا وانصارا“ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اصحاب، رشتہ دار اور مددگار کا انتخاب فرمایا ہے اور یہ اختصاصی بزرگی آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کو بھی حاصل ہے۔ لیکن یہاں گفتگو امت کے مقابلے میں حضرات صحابہ کی فضیلت کے اثبات میں نہیں ہے وہ تو حضرت شارع علیہ السلام کے فرمودات سے ثابت ہے بلکہ اس وقت تو خود حضرات صحابہ کے درمیان فرق مراتب کی وضاحت مقصود ہے۔ کیونکہ محل اختلاف یہی امر ہے۔
بعض احادیث سے بظاہر ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ ان حضرات میں سے ایک کو دوسرے پر جو فضیلت اور بزرگی دی گئی ہے۔ اس کا تعلق فضیلت اختصاصی سے ہے۔ لیکن

آیات قرآنیہ میں غور کرنے اور احادیث پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضیلت اکتسابی ہی ہے۔ہاں ترتیب خلافت میں اگر بعض خلفاء کی بعض پر تقدیم کو فضیلت اختصاصی میں شمار کیا جائے تو مناسب ہے۔جس پر حدیث عائشہ صدیقہؓ "فابی علیّ الّا تقدیم اَبی بَکر" (آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے بجائے کسی کی تقدیم کو پسند نہیں کیا) کے علاوہ دیگر احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔

فضیلت اکتسابی کی قسمیں

فضیلت اکتسابی کی بھی چند قسمیں ہیں۔اب ان اقسام پر بغور نظر ڈال کر محل اختلاف میں جو قسم قابل اعتبار ہو اس کو جاری کرنا چاہئے تا کہ فضیلت اکتسابی کے مصداق کی تعیین ہو جائے اور اختلاف ختم ہو اس سلسلہ میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ ایک عمل کو دوسرے عمل پر سات وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے ان سات وجوہ کے علاوہ کوئی اور وجہ اور صورت مدار فضیلت نہیں ہوسکتی۔

وجوہ مدار فضیلت یہ ہیں(۱)ماہیت عمل (۲)لمیّت عمل(۳) کیفیت عمل (۴) کمیت عمل (۵) زمان عمل (۶) مکان عمل (۷) امور خارجہ۔سطور ذیل میں ان ساتوں وجوہ کی قدرے وضاحت پیش کی جارہی ہے تا کہ بات منقح ہو کر سامنے آجائے۔

ماہیت عمل: یعنی خود عمل اپنی ذات وصفت کے اعتبار سے دوسرے عمل پر فوقیت رکھتا ہو جیسے فرائض کی فوقیت نوافل پر۔لہٰذا دو آدمیوں میں ایک جملہ فرائض کو ادا کرتا ہے اور دوسرا بعض کو بجالاتا ہے اور بعض کو چھوڑ دیتا ہے مگر ساتھ ہی نوافل کا بھی پابند ہے، یا دونوں تمام فرائض کو پابندی سے ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی کثرت سے نوافل بھی پڑھتے ہیں لیکن ایک کی نوافل دوسرے سے بڑھی ہوئی ہیں، یا ان میں سے ایک نماز کے اندر تلاوت، تسبیح اور حمد وثنا کثرت سے کرتا ہے اور دوسرا خارج صلوٰۃ ذکر واذکار کی کثرت رکھتا ہے، یا دو شخصوں میں سے ایک جہاد میں جان کی پرواہ کئے بغیر دشمنوں کی صفوں میں گھس کر داد شجاعت دیتا ہے، اور دوسرا مجاہدین کی مدد رسانی اور ان کے آس پاس سے دشمنوں کو دور

رکھنے میں کوشش کرتا ہے، یا ایک جہاد میں مصروف رہتا ہے اور دوسرا جہاد کے بجائے نماز وروزہ اور دیگر عبادات میں لگا رہتا ہے۔غرض ان تمام صورتوں میں اول دوسرے کے مقابلے میں افضل مانا جائے گا کیونکہ پہلے کا عمل ذاتی طور پر دوسرے کے عمل سے افضل اوراعلیٰ ہے۔

(۲) لمیّت عمل: عمل کی غایت وغرض جسے عرف شرع میں نیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔مثلاً ایک شخص صرف رضائے الٰہی اور خوشنودی مولیٰ کی نیت سے عمل کرتا ہے اس کے سوا اس کی کوئی اور غرض نہیں ہے۔اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص بھی وہی عمل کرتا ہے مگر اس کے اخلاص نیت میں کمی ہے کہ رضائے الٰہی کے ساتھ اس کی نظر دنیوی منافع ومصالح پر بھی ہے۔ظاہر ہے کہ پہلا عمل حسن نیت اور کمال اخلاص کی بناء پر دوسرے سے افضل ہوگا۔

(۳) کیفیت عمل: یعنی عمل کو اس کے تمام آداب وحقوق کی رعایت کے ساتھ انجام دینا۔ مثلاً ایک شخص ہر عمل کو اس کے جملہ واجبات وسنن اور آداب وحقوق کو پورا کرتے ہوئے ادا کرتا ہے۔اور دوسرا ان کی پوری رعایت نہیں کرتا ہے۔یا ایک شخص کا عمل ہر قسم کے گناہوں کی مصاحبت اور تلویث سے پاک وصاف ہے اور دوسرا عبادت وریاضت کے ساتھ گناہوں میں بھی مبتلا رہتا ہے، یا ایک شخص حضور قلب اور پورے خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کرتا ہے اور دوسرا بے توجہی اور بے التفاتی کے ساتھ، یا ایک شخص وضو کے ساتھ ذکر وتلاوت کرتا ہے اور دوسرا بے وضو ہوکر۔ ان تمام صورتوں میں پہلا عمل اپنی کیفیت کی بناء پر دوسرے عمل سے بڑھ جائے گا۔

(۴) کمیت عمل: عمل کی مقدار وتعداد کے لحاظ سے افضلیت کا ثبوت۔مثلاً دو شخص فرائض کی ادائے گی میں برابر ہوں لیکن ان میں سے ایک کی نفلیں دوسرے سے زائد ہوں تو اس زیادتی مقدار کی بناء پر اسے افضلیت ہوگی۔جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ دو اصحاب بیک وقت مشرف بہ اسلام ہوئے اور ساتھ ہی ہجرت بھی کی پھر ان میں سے ایک صاحب کسی جہاد میں شہید ہوگئے اور دوسرے حیات سے رہے۔ان دونوں حضرات کے

متعلق ایک سلسلۂ گفتگو میں بعض حضرات صحابہ نے کہا کہ شہید کا مقام ومرتبہ اپنے ساتھی کے اعتبار سے بلند ہے آں حضرتؐ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا ''فاین صلوٰته بعدصلوٰته وصیامه بعد صیامه'' (شہید کے بعد زندہ رہنے والے کی نماز اور روزے کہاں جائیں گے، مطلب یہ تھا کہ اگر ایک کو شہادت کا شرف حاصل ہے تو دوسرے کے لئے زیادتی صلوۃ وصوم کی فضیلت متحقق ہے۔ اس لئے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

(۵) زمان عمل۔ یعنی کبھی وقت کے لحاظ سے عمل کی اہمیت اور فضیلت بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً ابتداء اسلام میں یا مسلمانوں کی زبوں حالی کے وقت جہاد اور صدقہ وخیرات کرنا یقینی طور پر اس جہاد اور صدقہ وخیرات سے افضل ہوگا جو اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کے استغناء کے زمانہ میں کیا جائے۔ چنانچہ ایک موقع پر آں حضرت ...... نے صحابہ سابقین رضی اللہ عنہم کی دیگر حضرات پر افضلیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''لو انفق احدکم مثل اُحد ذهبا ما بلغ مد احدهم ولا نصیفه'' (یعنی بالفرض اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کردے جب بھی وہ ثواب میں ان حضرات کے ایک مد (تقریباً آدھ سیر) بلکہ نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا) اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں زمان عمل کی اہمیت کو ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے۔ ''لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا'' (فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں کے اعتبار سے اعلیٰ وارفع ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد انفاق وجہاد کیا)

اسی طرح تنگ دستی اور احتیاج کی حالت میں یا صحت وتندرستی کے وقت اللہ کے راستہ میں ایک روپیہ خرچ کرنا ثروت وتمول کی حالت میں کثیر رقم صدقہ کرنے اور بیماری اور حیات سے ناامیدی کی حالت میں ہزاروں کی وصیت سے بہتر ہوگا۔ یوں ہی جو فرائض اور عبادات، خوف، مرض، سفر، مشقت، قلت فرصت اور کثرت موانع کے وقت ادا کی جائیں وہ اطمینان وراحت اور صحت وفراغت کے وقت کی عبادتوں سے افضل قرار پائیں

گی چنانچہ ارشاد ہے عمرة فی رمضان یعدل بحجة ومن تقرّب فیه بخصلة من الخیر کان کمن ادّی فریضة مما سواه ومن ادّی فریضة فیه کان کمن ادّی سبعین فریضة فیما سواه۔ (ماہ رمضان میں عمرہ ادا کرنا حج کے برابر ثواب رکھتا ہے۔ اور جو شخص اس مبارک مہینہ میں نفلی عبادت بجالائے تو اس کا ثواب غیر رمضان کے فرض کی طرح ہوگا اور اس ماہ کے ایک فرض کا ثواب دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کے برابر ہوتا ہے) اسی طرح فرمایا گیا کہ "افضل الصیام بعد شهر رمضان شهر اللّٰه المحرم" رمضان کے روزوں کے بعد افضل ترین ماہ محرم (عاشورۂ محرم) کے روزے ہیں۔ اسی طرح اشہر حرام (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینے) میں دیگر مہینوں کے اعتبار سے اعمال کے ثواب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(٦) مکان عمل۔ یعنی عبادت کے مکان ومحل کے اعتبار سے بھی فضائل میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ جو نماز مسجد حرام یا مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں پڑھی جائے وہ دیگر مقامات میں ادا کی ہوئی ہزاروں نمازوں سے افضل ہے۔ اسی طرح دار الحرب میں جہاد کے موقع پر روزہ رکھنا دوسرے مقام کے روزہ سے افضل ہوتا ہے حدیث پاک میں ہے "من صام یوماً فی سبیل اللّٰه حرم اللّٰه علی النار" (جس شخص نے جہاد کے موقع پر روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کردیں گے)

(۷) امور خارجی۔ عمل کے ساتھ خارج سے کوئی ایسی چیز آ کر مل جائے جس سے عمل کے ثواب میں اضافہ ہو جائے۔ یہ سبب خارجی کبھی تو خود عمل کرنے والے کی اپنی ذات ہوتی ہے۔ اور کبھی عمل کرنے والے کے ساتھ کسی دوسرے کی شرکت ومقارنت اضافہ فضیلت کا سبب ہو جاتی ہے۔ جیسے نبی (......) کی ایک رکعت غیر نبی کی ہزاروں رکعتوں سے افضل ہوتی ہے۔ نبی ورسول کے ساتھ ادا کی ہوئی نماز دیگر نمازوں کے مقابلہ میں بدرجہا اعلیٰ ہوگی۔ اسی بناء پر وہ صدقہ وخیرات اور روزہ وجہاد جو خود نبی کریم...... سے عمل میں آئے یا آپ ...... کی معیت وصحبت میں حضرات صحابہؓ سے وقوع پذیر ہوئے۔ دیگر صدقات، صیام اور جہاد سے ہزاروں درجہ بڑھے ہوئے ہیں۔ اسی اصول کے پیش

نظر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اپنے ان اعمال وعبادات کو جو آں حضرت ...... کے بعد انجام دیئے تھے وہ درجہ نہیں دیتے تھے جو درجہ اور مقام آپ کی معیت وصحبت میں کئے ہوئے اعمال کو دیتے تھے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر اس کے اشارات موجود ہیں چنانچہ ایک جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (لیکن رسول خدا اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے اور اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کیا انھیں کے لئے تمام بھلائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہیں)

اسی سے ابوہاشم جبائی (معتزلی) کا یہ نظریہ کہ "اگر کسی شخص کو طویل عمر مل جائے تو اس کے اعمال نبی کے اعمال کے برابر ہو سکتے ہیں" پادر ہوا ہو جاتا ہے علاوہ ازیں اس تفصیل سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح آشکارا ہوگئی کہ — جماعت صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک، ابوامامہ باہلی، عبداللہ بن بشیر، عبداللہ بن الحارث، سہل بن اسعد ساعدی اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم جنھوں نے طویل عمریں پائیں اور کثرت سے اعمال خیر کئے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، ابوعبیدہ بن الجراح، زید بن حارثہ، جعفر بن ابوطالب، مصعب بن عمیر، عبداللہ بن جحش، سعد بن معاذ اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم کے مقام ومرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے حالانکہ اول الذکر حضرات میں سے بعض ثانی الذکر حضرات کے بعد لگ بھگ اسّی نوّے سال تک حیات رہے اور طاعات وعبادات میں لگے رہے۔ لہٰذا یہ بات پورے یقین و وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ جو شخص آں حضرت ...... کی وفات کے وقت دوسروں سے افضل تھا، آں حضرت ...... کی وفات کے بعد دوسرے لوگ اعمال کے ذریعہ اس کے مقام ومرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

ثمرۂ فضیلت

فضیلت خواہ اختصاصی ہو یا اکتسابی اس سے دو فوائد حاصل ہوتے ہیں: اول یہ کہ

اللہ تعالیٰ دنیا میں مفضول یعنی کم درجہ رکھنے والے پر افضل کی تعظیم وتکریم واجب کر دیتے ہیں۔ اس عزت افزائی میں تمام افاضل اور بلند درجہ کے حاملین شریک ہیں چاہے وہ جمادات، حیوانات اور اعراض سے تعلق رکھتے ہوں جیسے خانہ کعبہ، حجر اسود، مساجد، یوم جمعہ، ماہ رمضان اور ناقۂ حضرت صالح علیہ السلام وغیرہ۔ یا انسان اور ملائکہ کی جماعت سے متعلق ہوں جیسے حضرات انبیاء، صحابہ کرام، ازواج مطہرات وغیرہ کہ حکم تعظیم ان سب کو عام ہے اور ان میں سے سب ہی کی تعظیم وتکریم واجب ہوگی۔

اور فضیلت کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ آخرت میں انھیں قرب ومنزلت کے اس اعلیٰ و ارفع مقام سے سرفراز کیا جائے گا کہ ان سے کم مرتبہ کو یہ مقام ومرتبہ حاصل نہ ہو سکے گا فضیلت کے یہ دونوں ثمرات چونکہ جنات اور انسان کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائے جاتے اسی وجہ سے ان دونوں (جن وانس) کے سوا فضیلت اکتسابی کا ثبوت کسی چیز میں نہیں پایا جاتا۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دخول جنت بھی کبھی محض اختصاصی طور پر بغیر کسی عمل کے ہوتا ہے جیسے عام مؤمنین اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے کمسن بچے کہ انھیں بغیر کسی عمل کے جنت عطا کی جائے گی۔

اور فضیلت کے اس نتیجہ سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شریعت نے جن چیزوں کی تعظیم وتکریم کا حکم ہمیں دیا ہے وہ سب کی سب صاحب فضیلت ہیں۔ اس موقع پر یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ ''کافر والدین کی تعظیم کا شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے۔ حالانکہ ان کے اندر قطعاً کوئی فضیلت نہیں ہے'' کیونکہ شریعت کی جانب سے ہمیں کافر والدین کی جس تعظیم کا حکم ہوا ہے وہ حقیقت میں تعظیم نہیں ہے؛ بلکہ حسنِ سلوک اور مروت کا معاملہ ہے اور کسی کے ساتھ مروت اور حسن سلوک سے پیش آنے کے لئے اس کا صاحب فضل ہونا ضروری نہیں ہے۔

مدار فضیلت اور اس کے ثمرات ونتائج کی وضاحت کے بعد اب حضرات صحابہ اور ازواج مطہرات واولاد اطہار کے مابین فرق مراتب اور ان کی ایک دوسرے پر فضیلت و بزرگی محقق طور پر معلوم کرنے کے لئے درج ذیل مقدمات اور اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری

ہوگا کیونکہ ان مقدمات کوذہن نشین کئے بغیر اس مقدس جماعت کے باہمی فرق مراتب اور ان کی ایک دوسرے پر فضیلت و برتری کا صحیح طور پر معلوم کرنا نہایت دشوار ہے۔

مقدمہ ۱ ازواج مطہرات کی عظمت۔ یہ امر قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ خدا کی عظمت و کبریائی کے بعد رسول خدا کی تعظیم وتکریم واجب ہے، اور صرف تعظیم ہی نہیں بلکہ تعظیم کا وہ درجہ مطلوب ہے جس میں حضرات انبیاء کے سوا کوئی اس تعظیم وتکریم میں ان کا شریک وسہیم نہیں ہوسکتا ہے۔ پھر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد آں حضرت ...... کی ازواج مطہرات کا استحقاق تعظیم نص قرآن سے اس طور پر ثابت ہے کہ دوسرے لوگوں کے لئے اس طرح کا استحقاق ثابت نہیں۔ ارشاد حق جل مجدہ ہے "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالمؤمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ" نبی (......) مؤمنین کے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں اوران کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں۔ اس آیت پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کے حق میں نبی کریم ...... کی صحبت کی فضیلت اکثر حضرات صحابہ کے اعتبار سے قوی تر ہے کیونکہ ان کی صحبت بلحاظ عام صحابہ کی صحبت کے ایک بلند مقام کی حامل ہے اس کے علاوہ امت کی دینی ماں ہونے کی ... خصوصیت نے ان کے استحقاق تعظیم کومزید دوبالا کردیا ہے۔

مقدمہ ۲ جس وقت کسی ایک کی دوسرے پر فضیلت کے بارے میں گفتگو ہوتو اس وقت جہت فضیلت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا کیونکہ دو چیزوں کے درمیان ایک کی دوسرے پر فضیلت اسی وقت متحقق ہوسکتی ہے جبکہ دونوں میں جہت فضیلت ایک ہو اور پھر اس جہت میں ان کے اندر کمی وبیشی ہو اور اگر دونوں کے فضائل مختلف جہت سے ہوں تو ان میں باہم تفاضل اور ایک کی دوسرے پر بڑائی متحقق نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اگر مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے بارہ میں سوال کیا جائے کہ ان دونوں میں افضل کون ہے تو اس کے جواب میں یہ کہنا کہ رمضان المبارک افضل ہے یا ناقۂ حضرت صالح بہتر ہے درست نہ ہوگا۔ کیونکہ مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کی وجہ فضیلت اور ہے اور رمضان المبارک اور ناقۂ حضرت صالح علیہ السلام کی وجہ فضیلت اور۔ البتہ اگر یہ پوچھا جائے کہ ناقۂ حضرت صالحؑ افضل

ہے یا آں حضرت...... کی اونٹنی عضباء تو اس کے جواب میں ناقۂ صالح یا ناقۂ عضباء کہنا صحیح ہوگا کیونکہ دونوں میں جہت فضیلت متحد ہے اب جس کے اندر یہ جہت قوی ہوگی اسے اپنے مقابل پر فضیلت ہوگی۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ آں حضرت...... کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی فضیلت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ثابت نہ ہوگی کیونکہ دونوں حضرات کے درمیان وجہ فضیلت مختلف ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؓ کی فضیلت کسی عمل کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ محض اختصاصی ہے۔

مقدمہ ۳ جنت میں درجات کی بلندی کبھی کسی کی تبعیت اور طفیل میں ہوتی ہے جیسے آنحضرت...... کی کمسن اولاد کے مدارج کی بلندی آں حضرت...... کی تبعیت اور طفیل میں ہے اس طرح کی بلندئ درجات فضیلت اکتسابی پر افضلیت کو ثابت نہیں کرتی یعنی جو فضیلت عمل اور طاعت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اس سے یہ بلندی درجات کی فضیلت جو کسی کے طفیل میں حاصل ہوتی ہے اعلیٰ اور افضل نہیں ہوگی۔

اور کبھی یہ بلندی درجات اصالتہً اپنے عمل کے مقابلہ میں حاصل ہوتی ہے یہ بلندی درجات فضیلت اکتسابی پر افضلیت کو ثابت کرے گی مثلاً دو آدمیوں کو ان کے عمل کے عوض میں بلند درجہ ملا ہے لیکن ان میں سے ایک کا درجہ دوسرے سے بلند ہے تو یہ بلندئ درجات اس فضیلت اکتسابی کے مقابلہ میں افضلیت پر دلالت کرے گا جس کے عوض میں کم تر درجہ حاصل ہوا ہے۔

اسی طرح جنت میں داخل ہونا، حوض کوثر پر پہلے پہنچنا یا حساب وکتاب میں سابق ہونا بھی انھیں دو قسموں پر ہے یعنی کسی کو یہ امور تبعاً حاصل ہوں گے اور کسی کو اصالتہً اپنے عمل کے بدلہ میں پہلی قسم فضیلت اکتسابی پر افضلیت کو ثابت نہیں کرے گی دوسری قسم اس افضلیت پر دلالت کرے گی۔ چنانچہ انھیں امور مذکورہ (یعنی شفاعت وحساب وکتاب اور حوض کوثر پر پہنچنے وغیرہ) میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حضرات انبیاء پر تقدم آں حضرت...... کی تبعیت اور طفیلی ہونے کے طور پر ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے "ھُمُ

وَاَزْوَاجُھُمْ فِیْ ظِلَالٍ عَلَی الْاَرَائِکِ مُتَّکِئُوْنَ" وہ لوگ اور ان کی بیویاں جنت کے سایہ میں آراستہ تختوں پر مسند نشیں ہوں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے "وَ اَلْحَقْنَابِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ" ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو لاحق کر دیا۔ لہٰذا یہ تقدم وسبقت حضرات انبیاء کے مقابلہ میں امت محمدیہ کی فضیلت پر دلالت نہیں کرے گا۔

مقدمہ ۴؎ سیادت (سرداری) اور فضیلت دو الگ الگ حقیقتیں ہیں کیونکہ سیادت تو صاحب سیادت کی ذاتی شرافت کو بتاتی ہے۔ لہٰذا آں حضرت...... کی اولاد اطہار اس ذاتی بزرگی کی بناء پر جو انھیں حاصل ہے سادات اور سردار ہیں اور فضیلت کا مدار عمل کی جزا پر ہے یعنی صاحب عمل کو فضیلت بطور عمل کی جزاء کے عطا ہوتی ہے۔

اسی طرح امارت کے لئے فضیلت لازم نہیں ہے بلکہ بسا اوقات اعلیٰ کے مقابلہ میں ادنیٰ کو امارت مل جاتی ہے چنانچہ حضرت عمرو بن عاص کی امارت کے وقت حضرت عمر فاروق کو ان کی اطاعت کے لئے مامور کیا جانا اس کی واضح دلیل ہے۔ اسی طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی امارت کے موقع پر اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم کو ان کی اطاعت پر مامور کیا گیا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ کسی شخص کی اطاعت کا کسی پر واجب ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جس کی اطاعت واجب کی گئی ہے وہ اطاعت گذاروں سے افضل اور بزرگ تر ہے۔

مقدمہ ۵؎ جس وقت فضیلت کی مذکورہ سات وجوہ میں باہم تعارض واقع ہو جائے تو کتاب وسنت کی روشنی میں طے کر لینا چاہئے کہ ان متعارض وجوہ میں سب سے زیادہ قابل اہمیت اور لائق اعتبار کون سی وجہ ہے چنانچہ شریعت سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ کیفیت عمل کے مقابلہ میں کمیت (مقدار) عمل کا چنداں لحاظ نہیں ہے۔ اسی طرح خود کمیت و کیفیت کا زمان عمل کے مقابلے میں کم درجہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "لَا یَسْتَوِی مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ" تم میں سے جس نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ دوسروں کے برابر نہیں ہوں گے۔ اور احادیث صحیحہ سے یہ امر واضح ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو اعمال آں حضرت......

کی معیت اور صحبت میں کیئے ان کے مقام و مرتبہ کو ان کے بعد کے اعمال نہیں پہنچ سکتے۔ اور یہ بات بھی قطعی طور پر معلوم ہے کہ آں حضرت ...... کے عمل کے برابر کسی کا عمل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اصحابہ کرام جس عمل میں آں حضرت...... کے ساتھ شریک رہے ہوں اس کے مقام و مرتبہ تک کسی دوسرے عمل کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ شرکت جماعت کی بناء پر ایک نور وحدانیت پیدا ہوجاتا ہے جس سے صحابہ کا عمل آں حضرت ...... کے ہم رنگ ہوجاتا ہے۔ جیسے مرکب دواؤں میں مزاج کی ایک کیفیت وحدانیت پیدا ہوجاتی ہے کہ مرکب کے ہر ہر جز میں باہمی تشابہ رونما ہوجاتا ہے۔ (نماز جماعت کی مشروعیت کی ایک اہم ترین وجہ یہی ہے) اس اعتبار سے تمام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو پوری امت پر عظیم بزرگی اور فضیلت حاصل ہے پھر اس مقدس اور پاکباز جماعت کے درمیان حسب تصریح آیت کریمہ ”لَا يَسْتَوِىْ مِنكُمْ“ الخ سبقت تقدم کا اعتبار ہوگا کہ جو حضرات پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے وہ بعد والوں سے افضل ہوں گے کیونکہ جس قدر زمانی تقدم اور سبقت ہوگی اسی قدر...اسلام کی نصرت، تائید اور تقویت کی احتیاج بھی زیادہ ہوگی چنانچہ ایک موقع پر آں حضرت...... نے دیگر حضرات صحابہ کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ”فقال صدقت وقلتم کذبت“ انھوں نے (ابوبکر صدیق) ابتداء میں میری تصدیق کی اور تم لوگوں نے اس وقت میری تکذیب کی۔ اس اعتبار سے وہ حضرات صحابہ جو ہجرت سے پہلے مکی زندگی ہی میں اعمال اسلامی پر عمل پیرا تھے ان حضرات سے افضل ہوں گے جو اس کے بعد ان اعمال پر کاربند ہوئے مثلاً ابوبکر صدیق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، عثمان بن مظعون، طلحہ، زبیر، مصعب بن عمیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، سعید بن زید، زید بن حارثہ، ابوعبیدہ، بلال، سعد، عمار بن یاسر، ابوسلمہ بن الاسد، عبداللہ بن جحش وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین جو بالکل ابتداء ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تھے۔ دوسروں سے زیادہ افضل ہوں گے۔ ان کے بعد ان حضرات کا درجہ ہوگا جنھوں نے ہجرت سے پہلے عقبۂ اولیٰ میں شرف بیعت حاصل کیا، پھر عقبہ ثانیہ میں بیعت کرنے والے حضرات ہوں گے، پھر غزوۂ بدر میں

شریک ہونے والے حضرات کا مقام ومرتبہ ہوگا۔ پھر غزوہ بدر کے بعد دیگر غزوات میں شرکت کرنے والے تاریخ وسن کی ترتیب کے موافق ایک دوسرے سے افضل ہوں گے۔ یہ سلسلہ غزوۂ حدیبیہ تک جاری وساری رہے گا۔ کیونکہ ان تمام غزوات میں شریک ہونے والوں پر سکینہ کا نزول اوران کے قلوب کا پاک وصاف ہونا حسب تصریح قرآن مجید ثابت ہے۔ لیکن غزوۂ حدیبیہ کے بعد کوئی غزوہ ایسا نہیں ہے جس میں شرکت کو معیار فضیلت قرار دیا جائے کیونکہ اس کے بعد تمام غزوات میں منافقین بھی شریک ہوئے ہیں۔

افضل کی تعین کا طریقہ

ان مقدمات کی تفصیلات کے بعد ہمارے لئے اب یہ موقع آ گیا ہے کہ ہم یہ فیصلہ کرسکیں کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین میں سب سے افضل کون بزرگ ہیں اور اس ساری خامہ فرسائی کا مقصد بھی یہی ہے کیونکہ اختلاف اور نزاع اسی مسئلہ میں ہے کہ حضرات خلفاء اربعہ میں افضلیت کے مقام پر کون فائز ہے، اولیت سابقیت اور قدیم الایمان ہونے کی صفت میں تو یہ چاروں حضرات باہم مشترک اور مساوی ہیں اور دوسرے اکثر حضرات صحابہ سے اس شرف میں سبقت اور تقدم رکھتے ہیں۔ اس لئے اس کے اعتبار سے کسی ایک کو دوسرے پر افضلیت نہیں دی جاسکتی۔ لہٰذا ان حضرات کے درمیان فرق مراتب کی تعیین میں ہمیں دو چیزوں کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔ کیونکہ افضل واعلیٰ کو متعین کرنے کی بس یہی صورت ہے اول نبی کریم ...... کی احادیث پاک دوم ان حضرات کے احوال واعمال کی تلاش وجستجو، یعنی پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان حضرات کے بارے میں آنحضرت ...... کے جو ارشادات ہیں ان میں سے کس کی سب پر فضیلت اور بزرگی بیان کی گئی ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ احادیث سے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کیوں کہ اس سلسلہ کی احادیث باہم متعارض ہیں، لیکن یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ باہمی تعارض اس وقت پیش آتا جبکہ دو اصحاب کے بارہ میں ایک ہی مفہوم کے الفاظ وارد ہوئے ہوں اوران سے دونوں کی بزرگی اور بڑائی یکساں طور پر ثابت ہوتی ہو حالانکہ احادیث کے مطالعہ سے

یہ ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ ایسا نہیں ہے کیونکہ حضرات شیخین (صدیق اکبر و فاروق اعظم) رضی اللہ عنہما کے لئے احادیث میں لفظ ''افضل وخیر'' آیا ہے اور سیادت احبّیت، اور شرف کے الفاظ حضرت علی مرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزہراء، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے متعلق وارد ہوئے ہیں اور گذشتہ تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ الفاظ فضیلت اختصاصی کو ظاہر کرتے ہیں اور ''افضل'' و ''خیر'' سے فضیلت اکتسابی و جزائی ثابت ہوتی ہے۔اس لئے ان روایات میں سرے سے تعارض ہی نہیں ہے۔

اعمال کی تحقیق اور حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت کا اثبات

دوسرا طریقہ جس کی روشنی میں کسی کی، افضلیت کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے وہ احوال و اعمال کی تحقیق و تفتیش ہے شریعت نے جن اعمال کی وجہ سے کسی کو مستحق فضیلت اور بزرگی قرار دیا ہے ان میں اہم ترین حسب ذیل ہیں:

(۱) جہاد (۲) علم (۳) تقویٰ (۴) زہد (۵) انفاق فی سبیل اللہ (۶) حسن سیاست۔اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ان اوصاف واعمال میں حضرات خلفاء اربعہ میں سے کس کا درجہ بلند ہے، پھر اسی کی روشنی میں اس اختلافی مسئلہ میں فیصلہ ہوگا۔

(۱) جہاد، اسلام میں جہاد ایک عظیم فریضہ ہے قرآن وحدیث میں اس کی اہمیت و فضیلت کو بڑے اہتمام سے بیان کیا گیا ہے، اسی لئے ان اعمال میں جو مدار فضیلت ہیں یہ ایک اہم ترین عمل ہے، جہاد کی تین قسمیں ہیں: (۱) جہاد باللسان، زبان سے اسلام کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینا اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کی سعی وکوشش بجالانا (۲) جہاد بالرائے، یعنی عقل و تدبیر اور رائے ومشورہ سے مسلمانوں کے اندر اجتماعیت اور استحکام پیدا کرنا، اور حکمت عملی سے دشمنوں کے دلوں میں رعب بیٹھانا اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا۔ (۳) جہاد بالید۔ تیر وتلوار وغیرہ سے دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنا اور حرب وضرب کے ذریعہ اشاعت اِسلام کی راہ سے رکاوٹیں دور کرنا اور اسلام کی سربلندی کی کوشش کرنا۔

یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت ...... شجاعت اور بہادری میں تمام انسانوں سے بڑھے ہوئے تھے اور یہ بات بھی متحقق ہے کہ آنحضرت...... کی پوری زندگی جہاد باللسان اور جہاد بالرائے میں گزری ہے۔ جہاد بالید میں آپ مشغول نہیں ہوئے (اِلاّ نادراً)، اس لئے جہاد کی پہلی دو قسمیں تیسری اور آخری قسم سے لازمی طور پر اعلیٰ اور افضل ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ،

آپ...... نے اعلیٰ و افضل کو چھوڑ کر ادنیٰ اور کمتر کو اختیار فرمایا اور یہ ممکن نہیں تاریخ و سیر اور آثار و احادیث سے ثابت ہے کہ جہاد باللسان اور جہاد بالرائے میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم تمام حضرات صحابہ پر سبقت اور فوقیت رکھتے ہیں۔ کیوں کہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت و تبلیغ سے حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ وغیرہ (رضی اللہ عنہم) جیسے اجلّہ صحابہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے جس سے اسلام کی ترقی اور اشاعت کی راہیں کھلیں۔ اور حضرت فاروق اعظم کے اسلام سے اسلام اور مسلمانوں کو جو عزت و شوکت حاصل ہوئی ہے وہ تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے، آپ کے اسلام سے پہلے مسلمانوں کی کس مپرسی اور بیچارگی کا یہ عالم تھا کہ آزادی کے ساتھ وہ اسلامی شعائر کی بجا آوری نہیں کر سکتے تھے، لیکن جس دن سے حضرت فاروق اعظم زمرۂ اسلام میں شامل ہوئے اسی دن سے مسلمان اعلانیہ طور پر اسلامی عبادات و اعمال کو ادا کرنے لگے۔

رائے اور مشورہ میں بھی یہ دونوں حضرات ہمیشہ آنحضرت...... کے مشیر اور وزیر کی حیثیت سے آپ ...... کے شریک رہے اور کوئی غزوہ اور مہم ان دونوں حضرات کے مشورہ کے بغیر واقع نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں آنحضرت کی زندگی میں مسلمانوں کے اندر اجتماعیت و استحکام پیدا کرنے اور مشرکین کی صف میں انتشار و اختلال برپا کرنے میں ان دونوں حضرات نے دیگر حضرات صحابہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ خدمات انجام دی ہیں یہاں تک کہ مشرکین بطور خاص ان ہر دو بزرگوار کے وجود سے نہایت خائف اور بدل و جان ان کی ہلاکت کے آرزومند و خواہاں تھے چنانچہ غزوہ احد کے آخر میں ابوسفیان نے حضرات

صحابہ میں سے انھیں دونوں حضرات کے بارے میں پوچھا تھا کہ کیا یہ دونوں ہلاک ہوگئے یا زندہ ہیں؟ ان تفصیلات سے محقق طور پر ثابت ہوگیا کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا جہاد دوسرے حضرات صحابہ مثلاً حضرت علی مرتضیٰ، حضرت زبیر، حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت ابوطلحہ، حضرت سعد بن معاذ، حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہم اجمعین کے جہاد سے افضل اور اعلیٰ ہے اس کے باوجود حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تیسری قسم یعنی جہاد بالید میں بھی مشارکت حاصل ہے کما یدل علی ذلک التواریخ۔

(۲) علم ۔فضیلت کے اسباب میں سے ایک سبب علم بھی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون (آپ کہہ دیجیے کہ اہل علم اور بے علم برابر نہیں ہیں؟)

کہا جاتا ہے کہ حضرات صحابہ میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مرتبہ علمی اعتبار سے سب سے بلند ہے۔ میں کہتا ہوں کہ علم کی زیادتی کا پتہ دوطریقہ سے لگایا جاسکتا ہے: اول کثرتِ روایات حدیث اور دوسرے آنحضرت ...... کا کسی کو ایسا کام سپرد کرنا جو علم سے تعلق رکھتا ہو کیونکہ نبی کریم ...... کسی کام کی ذمہ داری اسی شخص کے سپرد کرتے تھے، جو اس کا سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہوتا تھا۔ اور یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت ...... نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نماز، حج اور جہاد میں امام اور امیر بنایا ہے اور حضرت فاروق اعظم کو صدقات وزکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے عامل مقرر فرمایا ہے، علاوہ ازیں کتب احادیث سے یہ بھی معلوم ہے کہ صدقات سے متعلق اکثر روایتیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے واسطہ سے امت تک پہنچی ہیں۔ مسائل زکوٰۃ کی تشریح وتفصیل انھیں سے منقول ہے اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں جو حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطہ سے منقول ہے وہ محدثین کے نزدیک درجۂ صحت تک نہیں نہیں پہنچ سکی ہے مزید براں اس میں ایک ایسا وہم موجود ہے جس کی بناء پر علماء اسلام میں سے کسی نے اسے اپنا معمول نہیں بنایا۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ حضرات شیخین سفر وحضر ہر موقع پر آنحضرت ...... کے رفیق صحبت وشریک مشورہ رہتے تھے اور ظاہر ہے کہ علم کامل کے بغیر حضور انہیں اپنا مشیر ووزیر نہیں بنا سکتے تھے

پھر آنحضرت ...... کی صحبت و رفاقت جس قدر دراز ہوگی اسی اعتبار سے احکام وفتویٰ کی معلومات میں زیادتی ہوگی۔

رہا معاملہ کثرت روایات وفتویٰ کا تو چونکہ آنحضرت ...... کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زندگی کا بہت ہی کم موقع ملا اس کے علاوہ آپ کا دور صحبت نبوی ...... سے بالکل قریب اور متصل تھا اس لئے لوگوں کو آپ سے روایت حدیث کی چنداں ضرورت بھی نہیں تھی پھر آپ حج وغیرہ کے علاوہ کبھی مدینہ سے باہر سفر میں بھی نہیں نکلے کہ دور دراز مقامات کے لوگ آپ سے روایت حاصل کرتے کثرتِ روایت کے ان موانع کے باوجود ایک سو پینتالیس احادیث صحیحہ، آپ کے واسطہ سے مروی ہیں جنہیں کبار صحابہ نے آپ سے روایت کیا ہے جس میں حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی بھی شامل ہیں، اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آں حضرت ......کی وفات کے بعد تقریباً تیس (۳۰) سال، تک حیات رہے، طول طویل اسفار بھی کئے اور عہد نبوت سے بعید ہونے کی بناء پر لوگوں کو آپ سے روایت حدیث کی احتیاج بھی زیادہ تھی کثرت روایت کے ان اسباب ومواقع کے باوجود آپ کی کل مرویات صحیحہ کی تعداد پانچ سو چھیاسی (۵۸۶) سے زائد نہیں ہے۔ لہٰذا اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدت حیات سے دیگر حضرات صحابہ کی مدت حیات کا موازنہ کیا جائے اور آپ کے عہد کے مواقع روایت سے دوسروں کے مواقع روایت کا مقابلہ کیا جائے تو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا علمی مقام دیگر حضرات صحابہ کے مقابلہ میں بہت بلند ہے اسی پر ان کے فتویٰ کو بھی قیاس کرنا چاہیے۔

اور کمال علمی میں یہی مقام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی ہے کیوں کہ ان کی مرویاتِ مسندہ کی تعداد پانچ سو سینتیس (۵۳۷) ہے اور فتاویٰ تو ان کے بے شمار ہیں حتی کہ ہر مسئلہ فقہیہ میں ان کا فتویٰ موجود ہے علاوہ ازیں عقائد، تفسیر اور تصوف کے باب میں بھی آپ نے داد تحقیق دی ہے اور اپنے پیچھے ان موضوعات پر ایک اچھا خاصا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف

''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' میں ان تمام روایات کو جمع کر دیا ہے جو ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ بات متحقق ہے کہ حضرت...... کے بعد حضرت فاروق اعظم سے تقریباً سترہ (۱۷) سال زیادہ حضرت علی کو دنیا میں رہنے کا موقع ملا ہے کیونکہ حضرت فاروق اعظم کی وفات یکم محرم ۲۴ھ کو ہوئی ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کی وفات کا سانحہ ۴۰ھ میں پیش آیا۔ مگر اس مدت دراز کے حاصل ہونے کے باوجود حضرت فاروق اعظم کی مرویات سے ان کی مرویات صرف انچاس (۴۹) زائد ہیں۔ اور اگر حضرت فاروق اعظم کی متانت تقریر، قوتِ تفہیم اور حسن تعلیم کو سامنے رکھا جائے تو دونوں حضرات کے درمیان نمایاں تفاوت نظر آئے گا، کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں کوئی اختلافی مسئلہ منقح اور طے نہ ہوسکا برخلاف اس کے حضرت فاروق کے عہد میں بہت سارے مسائل طے ہوئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کے بہ نسبت حضرت فاروق اعظم کا علم کئی گنا زیادہ تھا اور یہ حقیقت اس وقت اور منقح ہو کر سامنے آجائے گی جب دونوں حضرات کے مسانید و فتاویٰ کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا جائے۔

علم کا ایک اہم ترین شعبہ علوم قرآن ہے اس باب میں بھی حسب تصریح مؤرخین و محدثین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین پر فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں ہے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اس فن میں تینوں حضرات کا درجہ مساوی اور برابر ہے۔ البتہ قرأت قرآن، کتابت قرآن، قرآن کے الفاظ کی حفاظت اور امت کو ایک قرأت پر جمع کرنے کے سلسلہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان تینوں حضرات پر سبقت حاصل ہے، لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ تمام مساعی جمیلہ حضرات شیخین ہی کے جمع کردہ مصحف کی روشنی میں انجام دی ہیں اس لئے اس امر میں بھی حضرات شیخین ہی کو اولیت کا شرف حاصل ہے پھر آنحضرت ...... کا امامت نماز کیلئے حضرت صدیق اکبر کو منتخب فرمانا بھی یہی بتاتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ علم و قرأت اور فقہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھے ہوئے نہیں تھے ورنہ لازم آئے گا کہ آپ ...... نے اعلیٰ کو نظر انداز کر کے غیر اعلیٰ کو ترجیح دی جو صاحب نبوت سے بعید ہے۔

(۳) تقویٰ۔ اعمال فضیلت میں ایک اہم ترین عمل اتباع شریعت اور تقویٰ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّ اَکْرَمَ کُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُم" یقیناً تم میں سے سب سے باعزت اللہ کے نزدیک تمہارا سب سے بڑا متقی ہے کتاب وسنت اور آثار سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے ایک کلمہ بھی کبھی آنحضرت ...... کی مرضی کے خلاف زبان سے نہیں نکالا۔ چنانچہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کے معاملہ میں اسی طرح حدیبیہ میں صلح کے سلسلہ میں بعض کبار صحابہ نے رائے اور مشورہ کے درجہ میں اختلاف کیا مگر حضرت صدیق اکبر کی رائے ان دونوں موقعوں پر بھی نبی کریم ...... کے موافق رہی حتیٰ کہ ارادہ کے درجہ میں بھی آپ نے آنحضرت ...... کے فرمان کے خلاف کبھی نہیں سوچا اور نہ کبھی آپ ...... کے ارشادات و مرضیات کی تعمیل میں کسی قسم کی سستی و کمزوری گوارا کی یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ...... ان سے آخر دم تک راضی و خوش رہے۔ حضرت فاروق اعظم کی رائے اگرچہ بعض مواقع میں آنحضرت ...... کی رائے سے بظاہر مخالف ہوئی مگر یہ اختلاف رائے تشدد فی الدین اور حمیت اسلامی کی بناء پر پیش آیا۔ جو حقیقتاً عین اتباع وموافقت ہے یہی وجہ ہے کہ آخر میں بذریعہ وحی آپ کی تصویب کی گئی لہٰذا یہ اختلاف بھی آپ کے مناقب میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کے معاملہ اور نماز تہجد کی تقیید کے سلسلہ میں مورد عتاب ہو چکے ہیں۔

(۴) زھد۔ مدار فضیلت میں سے ایک عمل زہد اور دنیا سے بے نیازی ہے بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ "ازہد الناس علیؓ" حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے بڑے زاہد تھے، ہم کہتے ہیں کہ زہد نام ہے دنیا کی لذت سے بے نیاز اور مال و دولت، بیوی، اولاد اور حشم و خدم سے بے رغبت ہونے کا اور یہ بات محقق طور پر معلوم ہے کہ حضرت صدیق اکبر جس وقت مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں وہ شہر مکہ کے چند سرمایہ داروں میں سے ایک تھے، لیکن قبول اسلام کے بعد انھوں نے اپنا سارا سرمایہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی میں صرف کر دیا اور ضعفائے مسلمین کی ایک جماعت کو جو غلامی کی دردناک زندگی گذارنے پر مجبور تھی ان کے ظالم و جابر آقاؤں سے انھیں خرید کر آزاد کیا غرضیکہ اسلام اور مسلمانوں کی

امداد واعانت میں اس طرح بیدریغ مال خرچ کیا کہ ان کے پاس ایک درہم بھی باقی نہ بچا اوراس دنیا سے اس طرح فارغ ہوکر گئے کہ اپنے پیچھے نہ کوئی جائیداد چھوڑی اور نہ زمین۔

زمانۂ خلافت میں بھی زہد کا یہ عالم تھا کہ بیت المال سے بطور گذارہ کے بس اتنی رقم لینا قبول کیا کہ کسی طرح گذر اوقات ہو جاتی تھی اور اس پر بھی یہ حال تھا کہ جب مال غنیمت وغیرہ سے کوئی رقم ان کے حصہ میں آتی تھی تو بیت المال سے لی ہوئی رقم کے عوض اسے کار خیر میں خرچ کر دیتے تھے۔

زہد اور دنیا سے بے رغبتی میں یہی حال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی تھا جس کی شہادت خود حضرات صحابہ نے دی ہے۔ اس کے برعکس حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جائداد اور زمین خریدی کھیتیاں اور باغات لگائے اور وفات کے وقت اپنے پیچھے چار بیویاں انیس باندیاں۔ بہت سارے غلام وخدام اور تیس کے قریب اولاد چھوڑی اور اس بڑے کنبہ کیلئے اتنا ترکہ چھوڑا کہ اس کی وجہ سے سب کے سب غنی اور مالدار تھے، قصبہ ینبع میں آپ کی اتنی بڑی جائداد تھی کہ اس کی پیداوار میں غلہ کے علاوہ ایک ہزار وسق (آج کے حساب سے تقریباً پانچ ہزار ایک سو ترانوے من تیس سیر) کھجور سالانہ پیدا ہوتی تھیں۔

نیز زہد کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ خود دنیا کی لذتوں سے نفع اندوز ہو اور نہ اپنے رشتہ داروں کو اس سے منتفع ہونے کا موقع فراہم کرے اس اعتبار سے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو فوقیت حاصل ہے کہ انھوں نے اپنے اعزا واقرباء کو حکومت کے عہدوں سے ہمیشہ الگ رکھا، حالانکہ آپ کے قریبی رشتہ داروں میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ (بھتیجہ) حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر (صاجبزادے) اور حضرت عائشہ صدیقہ (صاجبزادی) جیسے جلیل القدر عالم وفاضل صحابی موجود تھے جو کاروبار حکومت کو چلانے کی پوری صلاحیت و اہلیت رکھتے تھے مگر ان میں سے کسی کو کبھی کوئی، منصب نہیں دیا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق نے بھی اپنے قبیلہ بنو عدی میں سے کسی کو حاکم وعامل نہیں مقرر کیا اگرچہ آپ کے خاندان میں بھی حضرت سعید بن زید، ابو جہم بن حذیفہ، خارجہ بن حذیفہ، معمر بن عبد اللہ اور خود آپ کے صاجبزادے حضرت عبد اللہ بن عمر حکومت کی ذمہ داریوں سے عہدہ

برآ ہونے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے تھے، لیکن آپ نے کسی کو بھی کوئی عہدہ اور منصب نہیں دیا۔ البتہ اپنے خاندان میں سے نعمان بن عدی کو کچھ دنوں کیلئے علاقہ منان کا حاکم بنادیا تھا، لیکن جلد ہی انھیں اس منصب سے علیحدہ کردیا۔

اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے چچازاد بھائیوں میں سے حضرت عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا، عبیداللہ بن عباس کو یمن کا اور قثم اور معبد ابناء عباس کو علی الترتیب مکہ ومدینہ کا اور اپنے بھانجہ جعد بن ہراء کو کوفہ کا اور اپنے ربیب (سوتیلے بیٹے) محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کا حاکم بنایا اور بوقت وفات اپنے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا۔

بلاشبہ یہ سب کے سب حضرات ان مناصب اور عہدوں کے بجا طور پر لائق اور مستحق تھے۔ اس لئے یہ کہنا قطعاً درست نہ ہوگا کہ حاشاء کلا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے محض قرابت کی بنیاد پر ان حضرات کو اس اعزاز سے نوازا تھا۔ مگر فرق مراتب کے وقت یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرات شیخین کے عزیزوں میں بھی ان مناصب کی اہلیت وصلاحیت رکھنے والے افراد موجود تھے مگر انھوں نے ان لوگوں کو کوئی عہدہ نہیں دیا جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا زہد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زہد سے اعلیٰ وارفع ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ کا زہد صرف اپنی ذات پر تھا اور حضرات شیخین کا اپنی ذات کے ساتھ اپنے عزیز واقارب پر بھی۔

(۵) انفاق فی سبیل اللہ۔ اللہ کی راہ میں مال کا خرچ کرنا بھی ترقی درجات کا ذریعہ اور سبب فضیلت ہے۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اس باب میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ چنداں مشارکت نہیں ہے ہاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ لیکن حضرات شیخین رضی اللہ عنہ دیگر اسبابِ فضیلت، علم، جہاد، زہد وغیرہ میں ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ اسی لئے اس ایک وصف میں زیادتی کی بناء پر حضرات شیخین کے مقابلہ میں ان کی فضیلت ثابت نہ ہوگی۔

(٦) حسن سیاست۔ خلافت اور حسن سیاست بھی منجملہ اسباب فضیلت میں سے ایک سبب ہے اس شعبہ میں حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی پیش قدمی روزِ روشن کی طرح واضح ہے اس لئے کہ آنحضرت...... کے اس دنیا سے پردہ فرماتے ہی بہت سے قبائل عرب میں ارتداد کا سنگین فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اگر بروقت اس فتنہ کی سرکوبی نہ کی جاتی تو اسلام کے حق میں یہ ایک ایسا عظیم خطرہ بن جاتا، جس کا مقابلہ ممکن نہ ہوتا۔ اس قیامت خیز فتنہ کے فروکرنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس جرأت ایمانی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا ہے وہ تاریخ اسلامی کا ایک درخشاں باب اور حکمت عملی حسن سیاست کا ایک بے مثال نمونہ ہے اور بالآخر آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مر گیا۔

اسلامی فتوحات کے آغاز کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے، کیونکہ آپ ہی کے دور خلافت میں قیصر وکیسری سے باقاعدہ جنگ کی ابتداء ہوئی اور آپ کے حسن تدبیر سے ہر محاذ پر مجاہدین اسلام کو کامیابی ملی اور اسلامی ریاست کا رقبہ فارس وعراق کی حدود تک وسیع ہو گیا۔ مسلمانوں کو خاصی مقدار میں مال غنیمت حاصل ہوئے جس سے ان کی تنگ دستی دور ہوئی اور ان کی عزت وشوکت میں اضافہ ہوا۔

آپ کے دور میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت نہایت مستحکم رہی آپس میں اتحاد و یگانگت پورے طور پر قائم رہی۔ باہمی اختلاف وانتشار کا کوئی نام ونشان تک نہیں تھا عام مسلمان امن واطمینان کے ساتھ اسلامی علوم وعبادت کی تعلیم وتبلیغ میں منہمک رہے غرضیکہ آپ کا عہد خلافت اسلام اور مسلمان دونوں کیلئے سراپا خیر وبرکت تھا اور حضرت فاروق اعظم کے دور میں ان تمام امور حسنہ میں مزید استحکام اور ترقی ہوئی جس کی ابتداء اور آغاز عہد صدیقی میں ہوا تھا۔ اس کے بالمقابل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں اسلامی قلمرو میں کوئی اضافہ نہ ہوسکا اور نہ ہی مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا استحکام باقی رہا بلکہ مسلمان اختلاف و انتشار کے شکار ہو گئے اور نوبت خانہ جنگی تک پہنچ گئی، جس کی بناء پر اسلامی معاشرہ مضمحل ہو گیا اور اسلام کی ترقیات رک گئیں ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آ گئی کہ

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما جملہ اوصاف کمال مثلاً علم، جہاد، زہد، تقویٰ، عشق و اطاعت، انفاق فی سبیل اللہ، حسن سیاست وغیرہ کے اس اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہیں۔ جہاں تک دوسروں کی رسائی نہیں ہوسکی ہے اور یہی وہ اوصاف واعمال ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضیلت و بزرگی کے موقع پر شمار فرمایا ہے، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ حضرات خلفاء اربعہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں ان کے بعد حضرت عمر فاروق کا درجہ ہے (رضی اللہ عنہما)

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام اصحاب رسول ...... پر فضیلت کے اثبات میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے کبھی بت پرستی اور شرک نہیں کیا برخلاف دیگر حضرات کے کہ دور جاہلیت میں ان سے اس امر قبیح کا صدور ہوا ہے اس لئے حضرت علی مرتضیٰ سب سے افضل ہیں۔ لیکن صغرسنی اور کم عمری کی بناء پر کفر و شرک سے محفوظ رہنا وجہ فضیلت نہیں بن سکتا اور یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ دس برس کی عمر ہی میں مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے کیونکہ ارباب سیر و تاریخ اس پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں بعمر ترسیٹھ سال فوت ہوئے ہیں، اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ...... نے بعثت کے تیرہویں سال ہجرت فرمائی ہے لہٰذا اس حساب سے بعثت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وقت حضرت علی کی عمر دس سال قرار پاتی ہے علاوہ ازیں یہ بات بھی معلوم ہے کہ حضرت علی نے رسول اللہ ...... کے گھر میں پرورش پائی ہے اور ان کا پورا زمانہ طفولیت آنحضرت ...... کے گھر میں گزرا ہے اور بچوں کا یہ نفسیاتی قاعدہ ہے کہ وہ اپنے بڑوں کی روش اور طور طریقے کو اختیار کرتے ہیں۔ پھر اگر اس اصول کو تسلیم کرلیا جائے کہ شرک و بت پرستی سے بچ جانا علی الاطلاق موجب فضیلت اور وجہ بزرگی ہے تو لازمی طور پر یہ ماننا ہوگا کہ ہر وہ بچہ جو اسلام میں پیدا ہوا ہو وہ اکابر صحابہ مثلاً حضرت سلمان فارسی، حضرت سید الشہداء حمزہ، حضرت جعفر الطیار، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ

عنہم وغیرہ سے افضل ہو حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے اس لئے کلی فضیلت کے لئے اسے پیش کرنا ہی درست نہیں ہے۔

حضرت عثمان غنی وعلی مرتضیٰ میں باہمی فضیلت

اب صرف یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ حضرات ختنین یعنی عثمان ذی النورین اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما میں افضل کون ہے اس سلسلہ میں علماء کی رائیں مختلف ہیں، اور اس مسئلہ میں کسی فیصلہ کن نتیجہ تک پہنچنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں حضرات کے کمالات وفضائل مساوی اور ہم پلہ ہیں۔ کیوں کہ اگر حضرت ذی النورین کو خدمت قرآن میں سبقت کا شرف حاصل ہے، تو حضرت مرتضیٰ کی روایت حدیث، اجتہاد اور فتاویٰ میں فوقیت مسلم ہے۔ اور اگر جہاد بالسیف کے سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، تو لشکر اسلام اور مجاہدین کی مالی امداد واعانت میں حضرت عثمان غنی کا بیدریغ مال خرچ کرنا ایک مثالی کارنامہ ہے اسی طرح اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے قتل کرنے میں نہایت ہی محتاط تھے کہ اپنی ذات کیلئے قید وبند اور قتل کی مشقت واذیت برداشت کرلی لیکن کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھانا گوارا نہیں کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے مخالفین کے سلسلہ میں زبان کو قابو میں رکھنے اور ان کے حق میں کلمہ حق کے سوا کچھ نہ کہنے میں ملکۂ تامہ حاصل تھا۔ الحاصل دونوں حضرات کے فضائل عملیہ باہم معارض اور مساوی ہیں۔ رہی فضیلت اختصاصی یعنی اللہ کے نزدیک کسی کا خیر وافضل ہونا تو اس میں بھی دونوں حضرات برابر کے شریک ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ میں کوئی دوٹوک فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

واللہ اعلم الحقیقة الحال.

باب ﴿۳﴾
فرق باطلہ کا تعاقب

نبی افرنگ کی داستانِ حیات

نام اورتاریخ پیدائش

انگریزی نبی کا پہلا نام ’’رسوندی‘‘ تھا،(۱) پتہ نہیں رسوندی سے کب ’’غلام احمد‘‘ بن گئے۔انھوں نے خودلکھا ہے کہ میری پیدائش موضع قادیان ضلع گورداسپور میں ۱۸۳۹÷ یا ۱۸۴۰÷ میں ہوئی۔اورایک دوسری تحریر میں جو اپنے والد کی وفات کے سلسلہ میں لکھی ہے کہتے ہیں کہ ’’جب میرے والد نے دُنیا کو چھوڑا تو اس وقت میری عمر ۳۴ یا ۳۵ سال کی تھی (۲)ان کے والد مرزا غلام مرتضٰی کا انتقال ۱۸۷۶÷ میں ہوا ہے۔(۳)اس اعتبار سے سن پیدائش ۴۲-۱۸۴۱÷ ہوتا ہے۔

مرزا قادیانی کا خاندان

مزا قادیانی کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس کا پتہ لگانا ان کی تحریروں سے نہایت دشوار ہے۔کیونکہ وہ ۱۸۹۸÷ تک اپنے آپ کو مرزا لکھتے رہے ہیں۔چنانچہ کتاب البریہ جوان کی ۱۸۹۸÷ کی تصنیف ہے اس کے صفحہ ۱۳۴ پر اپنی قومیت برلاس (مغل) لکھی ہے، لیکن اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۵ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں ’’میرے الہامات کی رُو سے ہمارے آباء اولین فارسی تھے، پھر ۱۹۰۱÷ میں اس نسبی تعلق سے دست بردار ہوکر اپنے رسالہ ’’ایک غلطی کا ازالہ‘‘ کے صفحہ ۱۶ پر رقمطراز ہیں کہ ’’میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی

(۱) تکذیب براہین احمدیہ ص ۱۳۷۔

(۲) کتاب البریہ ص ۱۵۹۔

(۳) مسیح موعود، مؤلفہ مرزا محمود احمد ص ۲۰

بھی‘‘اس کے ایک سال بعد ایک پلٹا اور کھایا اور اپنی تصنیف تحفۂ گولڑویہ کے صفحہ ۴۰ پر یہ تحقیق سپرد قلم کی ’’میرے بزرگ چینی حدود سے پنجاب آئے تھے‘‘ ان انکشافات سے ان کی ذات چار قوموں کا معجون مرکب معلوم ہوتی ہے۔ یعنی وہ بیک وقت مغل، یہودی، سید اور چینی سب تھے۔‘‘ خامہ انگشت بدنداں ہے اُسے کیا لکھئے۔

مرزا کے والد غلام مرتضٰی بیگ کی عملی حالت

آنجہانی انگریزی نبی کے منجھلے لڑکے میاں بشیر احمد ایم،اے لکھتے ہیں کہ ہمارے دادا مرزا غلام مرتضٰی بے نمازی تھے یہاں تک کہ ۷۵ سال کی عمر میں پہنچ کر بھی نماز نہیں پڑھی۔(۱)

مرزا کے ایّام طفلی

اللہ تعالیٰ کے منتخب اور برگزیدہ بندوں کے بچپن کے برعکس مرزا قادیانی کے ایام طفلی دیگر بازاری بچوں ہی کی طرح نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ان کی سوانح حیات سیرت المہدی میں درج ہے کہ ایک مرتبہ مرزا کے ہم عمر لڑکوں نے اُن سے کہا گھر سے شکر لاؤ۔ گھر گئے تو وہاں پسا ہوا نمک رکھا تھا۔ اُسے شکر سمجھ کر چپکے سے جیب میں بھر لیا اور لڑکوں کے سامنے پہنچ کر پھانکنا شروع کر دیا(۲) انگریزی نبی صاحب کو بچپن میں چڑیوں کے پکڑنے کی بھی عادت تھی۔(۳)

تعلیمی لیاقت

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم و معارف تمام تر موہبتِ ربّانی پر موقوف ہوتے ہیں اپنے جیسے انسان سے تعلیم و تعلّم اور اخذ فیض سے ان کی زندگی بالکل

(۱) سیرت احمدی ج ا ص ۳۱۲۔

(۲) سیرت المہدی، ج ا ص ۲۲۶۔

(۳) ایضاً ج ا ص ۲۳۲۔

پاک ہوتی ہے۔اس لئے انگریزی نبی کو بھی یہ فکر ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو امّی ثابت کریں۔ لیکن ان کا اسکولوں میں پڑھنا ایک ایسی حقیقت ہے جس کو خود مرزا جی بھی اپنے دجل و فریب سے چھپا نہ سکے۔حضرات انبیاء ورسل کی اس صفت خاص میں ہمسری و برابری کی ناکام کوشش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''امام الزماں کے لئے لازم ہے کہ وہ دینی امور میں کسی کا شاگرد نہ ہو بلکہ اس کا استاذ خدا ہو''(۱)

ایک دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں'' آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا ہی سے حاصل کرے گا۔اور قرآن وحدیث میں کسی کا شاگرد نہیں ہوگا۔سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی ہے کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن وحدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔(۲)

نبی بننے کی خواہش میں ان جھوٹے دعوؤں کے بعد ''دروغ گورا حافظہ نہ باشد'' کی بہترین مثال ملاحظہ کیجئے کہ بقلم خود آنجہانی مرزا کیا لکھ رہے ہیں۔

''بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح ہوئی کہ جب میں سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔جنھوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کی کتابیں مجھے پڑھائیں۔اس بزرگ کا نام فضلِ الٰہی تھا اور جب میری عمر قریباً دس سال کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔میں نے صَرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے اس کے بعد جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ان کو میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔(اُن) مولوی صاحب سے میں نے نحو، منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو حاصل کیا۔(۳)

(۱) اربعین ص۱۱۔ (۲) ایام الصلح ،ص۱۴۷۔

(۳) کتاب البریہ ص۱۴۸،۱۵۰۔

مرزا کے پہلے استاذ فضلِ الٰہی قادیان کے باشندے اور حنفی تھے دوسرے فضل احمد فیروز والہ کے رہنے والے اہل حدیث تھے اور تیسرے استاذ گل علی شاہ متوطن بٹالہ شیعہ تھے۔(۱) قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا۔

مرزا نے اپنے تیسرے استاذ گل علی شاہ کے بارے میں یہ جھوٹ لکھا ہے کہ میرے والد نے ان کو نوکر رکھا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مرزا کے والد غلام مرتضٰی ان کے دستر خوان کے ریزہ چین تھے۔ تفصیل کے لئے مرأۃ القادیانیہ، مؤلفہ مرزا احمد علی امرتسری ص ۲۹ ف ۳ ملاحظہ کیجئے۔

مرزا کے اس بیان سے جہاں ان کا پہلا دعویٰ کہ ''میں نے کسی انسان سے قرآن وغیرہ کا ایک سبق نہیں پڑھا ہے'' غلط ہو جاتا ہے۔ وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مرزا کی تعلیم ناقص اور ادھوری تھی اور وہ ''نیم ملا خطرۂ ایمان'' کے سچے مصداق تھے۔''

انگریزی زبان کی معمولی واقفیت

انگریزی نبی کو بقول خود انگلش میں بھی الہام ہوا کرتے تھے اور نہایت فخر سے کہا کرتے تھے کہ ''انگریزی نہیں جانتا، اس کوچہ سے بالکل ناواقف ہوں، ایک فقرہ تک مجھے معلوم نہیں۔ مگر خرق عادت کے طور پر اس زبان میں بھی مجھے الہام ہوتے ہیں۔(۲)

لیکن آنجہانی کا یہ دعویٰ بھی دروغ مصلحت آمیز پر مبنی تھا۔ کیونکہ انھوں نے سیالکوٹ میں دوران ملازمت انگریزی کی دو ایک کتابیں سبقاً سبقاً پڑھی تھیں اور اسی کے نتیجہ میں انگریزی کے ٹوٹے پھوٹے جملے بول اور لکھ لیا کرتے تھے۔ میاں بشیر احمد لکھتے ہیں۔ مولوی الٰہی بخش ڈسٹرکٹ انسپکٹر نے منشیوں کیلئے ایک انگریزی کا مدرسہ قائم کیا تھا'' ڈاکٹر امیر شاہ پنشنر معلم تھے۔ حضرت مسیح موعود نے بھی انگریزی کی دو ایک کتابیں پڑھیں۔(۳)

(۱) سیرت المہدی ج ا ص ۲۲۳، ایضاً ج ا ص ۱۳۴۔

(۲) نزولِ مسیح ص ۱۴۔

(۳) سیرت المہدی ج ا ص ۱۳۷۔

کچہری کی منشی گیری

کچہری سیالکوٹ کی ملازمت بھی انگریزی نبی کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ مرزا کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت نے مرزا غلام مرتضٰی کیلئے تاحین حیات سات سو روپے سالانہ کی پنشن مقرر کردی تھی۔ اسی پر خاندان کے گذر بسر کا مدار تھا۔ ایام شباب میں ایک مرتبہ مرزا جی نے اس رقم کو وصول کر کے عیش کوشیوں اور جوانی کی رنگ رلیوں میں اڑادی، بعد میں ہوا و ہوس کا نشہ جب کچھ اُترا تو یہ شرمندگی دامن گیر ہوئی کہ کونسا منھ لے کر گھر جائیں اس لئے قادیان واپس آنے کے بجائے سیالکوٹ چلے گئے۔ اور وہیں اپنے مکتب کے ساتھی لالہ بھیم سین کی سعی و کوشش سے پندرہ روپئے ماہانہ پر کچہری میں منشی مقرر ہو گئے۔

عہد ملازمت

مرزا زادے بشیر احمد لکھتے ہیں کہ ''مرزا صاحب نے دورانِ ملازمت اپنا دامن رشوت ستانی سے ملوث ہونے نہیں دیا'' لیکن مرزا کے اکثر واقف کار اطلاع دیتے ہیں کہ انھوں نے بزمانۂ ملازمت دل کھول کر رشوتیں لیں۔ چنانچہ مرزا احمد علی شیعی اپنی کتاب دلیل العرفان میں لکھتے ہیں کہ منشی غلام احمد امرتسری نے اپنے رسالہ ''نکاح آسمانی کے رازہائے پنہانی'' میں لکھا تھا کہ مرزا نے زمانۂ محرری میں خوب رشوتیں لیں۔ یہ رسالہ مرزا کی وفات سے آٹھ سال پہلے ۱۹۰۰ء میں شائع ہو گیا تھا مگر مرزا نے اس کی تردید نہیں کی۔

مقدمہ بازی کا مشغلہ

آنجہانی مرزا نے منشی سے مختار بن جانے کی ہوس میں سیالکوٹ کے زمانۂ قیام میں مختاری کا امتحان بھی دیا تھا استعداد کی کمی کی بناء پر اس امتحان میں ناکام رہے اور مختاری کے منصب پر فائز ہونے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ پھر بھی اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ

قانونِ مروجہ کی موشگافیوں سے کسی حد تک واقف ہوگئے۔ چنانچہ مختاری کے امتحان میں ناکامی اور منشی گیری کی نوکری سے دل برداشتہ ہوکر جب قادیان واپس لوٹے تو اُن کے والد نے خاندانی مقدمات کی پیروی کی خدمت اُن کے سپرد کردی۔ مرزا جی خود بتاتے ہیں کہ ''میرے والد صاحب اپنے بعض آباء واجداد کے دیہات دوبارہ حاصل کرنے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کررہے تھے۔ انھوں نے انہی مقدمات میں مجھے لگادیا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔(۱)

مقدمہ بازی میں مرزا جی کو اس قدر شغف تھا کہ خواب بھی دیکھتے تو اسی کا جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں ''ہمارا ایک مقدمہ موروثی اسامیوں پر تھا۔ مجھے خواب میں دکھلایا گیا کہ اس مقدمہ میں ڈگری ہوگئی۔(۲) اسی طرح کے ایک خواب کا تذکرہ ''تریاق القلوب'' کے صفحہ ۳۶ پر بھی کیا ہے۔

اپنے شرکاء کی اراضی پر غاصبانہ قبضہ

آنجہانی مرزا کے تحریری بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے والد غلام مرتضٰی اور ان کے بھتیجوں و دیگر اقرباء کی کچھ زمین سکھوں نے اپنے عہد حکومت میں ضبط کرلی تھی۔ جسے انگریزی عہد سلطنت میں بذریعہ عدالت انھوں نے دوبارہ واگذار کرایا۔ بعد میں اس زمین پر آنجہانی مرزا اور ان کے بھائی غلام قادر بلاشرکتِ غیرے قابض و متصرف ہوگئے۔ اور دیگر حقدار رشتہ داروں کو اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ بالآخر ان حقداروں نے مرزا اعظم بیگ لاہوری پنشنر اکٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے تعاون سے عدالت میں مقدمہ دائر کردیا اور مرزا جی کے علی الرغم بذریعہ عدالت اپنا حصہ حاصل کرلیا۔ غم نصیب حقداروں کی اس اعانت پر مرزا اعظم بیگ کی شکایت کرتے ہوئے آنجہانی لکھتے ہیں ''میرے والد کے انتقال کے بعد مرزا اعظم بیگ لاہوری نے شرکائے ملکیت قادیان کی طرف سے مجھ پر اور

(۱) کتاب البریہ ص ۱۵۱۔

(۲) حقیقۃ المہدی ص ۲۶۰، ۲۶۲۔

میرے بھائی مرحوم مرزا غلام قادر پر مقدمہ دخل ملکیت کا عدالتِ ضلع میں دائر کر دیا اور میں بظاہر جانتا تھا کہ ان شرکاء کو ملکیت سے کچھ غرض نہیں کیونکہ وہ ایک گم گشتہ چیز تھی جو سکھوں کے وقت میں نابود ہو چکی تھی۔ اور میرے والد نے تن تنہا مقدمات دائر کر کے اس ملکیت اور دوسرے دیہات کی بازیافت کے لئے آٹھ ہزار روپیہ کے قریب خرچ و خسارہ اٹھایا تھا وہ شرکاء ایک پیسہ کے بھی شریک نہیں تھے۔(۱)

شہرت کی طلب اور سرگرمیٔ مناظرہ

آنجہانی مرزا جی اپنے خانگی حالات سے بہت دل برداشتہ تھے اور شب و روز اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے کہ خاندانی زوال کا مداوا کس طرح کیا جائے مختاری کے ایوان میں باریابی کی توقع اٹھ چکی تھی، فوج یا پولیس کی ملازمت سے قلت تنخواہ کی بناء پر کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تجارتی کاروبار سے سرمایہ کی کمی اور نا تجربہ کاری کی وجہ سے قاصر تھے۔ اس لئے اب لے دے کر صرف یہی ایک صورت باقی رہ گئی تھی کہ خادمِ اسلام کی حیثیت سے زندگی کے میدان میں نمودار ہوں اور اس راہ سے شہرت و دولت حاصل کریں۔ چنانچہ اپنے مکتب کے ساتھی اور قدیم رفیق مولوی محمد حسین بٹالوی کے مشورہ سے قادیان کے بجائے لاہور کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور آریوں و پادریوں سے مذہبی چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی، منشی الٰہی بخش اکاؤنٹینٹ، بابو عبدالحق اکاؤنٹینٹ، حافظ محمد یوسف ضلعدار وغیرہ اس کام میں ان کے معاون بنے۔ اور ہر مجلس، محفل میں یہ حضرات مرزا جی کی قابلیت اور بزرگی کا چرچا کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ ہی کے اندر مرزا جی مناظرِ اسلام کی حیثیت سے مشہور ہو گئے چونکہ ابھی تک انھوں نے مہدویت مسیحیت وغیرہ کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس لئے ہر مسلمان ان کو عزت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ اور علمائے دین بھی ان کے ساتھ تعاون و اشتراک کو دینی خدمت سمجھتے رہے۔ شہرت کے اس مقام بلند پر پہنچنے کے بعد لاہور کے قیام کو غیر ضروری سمجھ کر مرزا جی وطن مالوف قادیان واپس آ گئے اور

(۱) مکتوباتِ احمدیہ ج ۴ ص ۳۲۔

یہیں سے مناظرانہ اشتہار بازیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

مرزاجی ایک عارفِ کامل کے رُوپ میں

مذہبی مناظروں کی بدولت مرزاجی کو جوشہرت حاصل ہوگئی تھی وہ ہر قسم کے دامِ تزویر کے کامیاب بنانے کی ضامن تھی۔ چنانچہ اس شہرت سے نفع حاصل کرنے اور اس کے ذریعہ مستقبل کوسنوارنے کی غرض سے مرزاجی نے باخدا صوفی کا سوانگ رَچایا اور دنیوی کاروبار سے بظاہر منقطع ہوکر خلوت نشیں ہوگئے وظائف وعملیات کی کتابوں کا مطالعہ کرکے بغیر کسی مرشد وشیخ کی رہنمائی کے عملیات ووظائف شروع کردیئے۔ علاوہ ازیں راتوں کوقادیان سے باہر جاکر خندق میں جابیٹھتے۔ اور جادو کے عمل پڑھا کرتے۔ ساتھ ہی اس زمانہ میں خوابوں کے ذریعہ بھی مستقبل کے حالات معلوم کرنے کی ناکام کوشش کرتے۔ اور اس سلسلے میں شب وروز مطبوعہ تعبیر ناموں کی ورق گردانی میں مصروف رہتے۔ اس زمانہ میں ان کا معمول یہ بھی تھا کہ اپنے خواب دوسروں کوسنایا کرتے اور دوسروں کے خوابوں کی تعبیر خواب ناموں کی ورق گردانی کی مدد سے بتانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ مرزازادے میاں بشیر احمد کا بیان ہے کہ جب کوئی اہم معاملہ پیش ہوتا تو گھر کی عورتوں، بچوں اور خادماؤں تک سے پوچھا کرتے تھے کہ تم نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو اُسے بڑے غور سے سنتے تھے۔(۱)

نبیٔ افرنگ مرضِ مراق کے شکار تھے

مراق یعنی مالیخولیا۔ دیوانگی کی ایک قسم ہے مرزاجی کے خلیفۂ اعظم حکیم نورالدین لکھتے ہیں۔ مالیخولیا جنون کا ایک شعبہ ہے اور مراق مالیخولیا کی ایک شاخ ہے۔(۲) طب کی مشہور کتاب شرح اسباب میں ہے "نَوعٌ مِنَ المالیخولیا یُسمّٰی المراق"(۳) مالیخولیا

(۱) سیرۃ المہدی ج۲ص۶۲۔

(۲) بیاض نورالدین ج۱ص۱۱۔ (۳) شرح اسباب ج۱ص۷۴۔

کی ایک قسم مراق ہے۔اس مرض کا مریض اگر کچھ پڑھا لکھا ہوتا ہے تو خدائی نبوت، غیب دانی وغیرہ کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔''اگر مریض دانشمند بودہ باشد دعوائے پیغمبری وکرامت کند وسخن از خدائی گوید وخلق را دعوت کند''۔(۱) اگر مراق کا مریض ذی علم ہو تو پیغمبری اور کرامت کا دعویٰ کرتا ہے اور خدائی کی باتیں کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی رسالت کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ایسا مرض ہے جس سے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قطعی طور پر محفوظ رکھا گیا ہے۔لیکن نبیٔ افرنگ بقول خود دیگر بہت سے امراض کے ساتھ اس دماغی مرض کے بھی شکار تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت صلعم نے پیشین گوئی کی تھی جو اس طرح وقوع میں آئی ہے۔آپؐ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان سے جب اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوں گی۔سو اس طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں ایک اُوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مراق اور کثرت بول''(۲) اسی طرح ایک مرزائی لکھتا ہے کہ مراق کا مرض حضرت (مرزا) صاحب میں موروثی نہیں تھا، بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا۔(۳)

مرزا جی کی دیگر بیماریاں

مراق کے علاوہ اور مختلف امراض میں بھی آنجہانی مبتلا تھے۔ یہاں بعض امراض کا ذکر خود انھیں کے الفاظ میں کیا جا رہا ہے۔لکھتے ہیں:''میں دائم المرض ہوں۔ ہمیشہ دردسر، کمی خواب، تشنج، دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے''(۴) اور لکھتے ہیں مرض ذیابیطس مدّت سے دامن گیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرتِ پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔(۵) ایک دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں ''کوئی وقت دورانِ سر سے خالی نہیں

(۱) اکسیر اعظم ج ا ص ۱۸۸۔(۲) رسالہ تشحیذ الاذہان جون ۱۹۰۶؁ص ۱۶۔

(۳) ریویو آف ریلیجز بابتہ اگست ۱۹۲۶؁ص ۱۰۔

(۴) ضمیمہ اربعین نمبر ۳،۴۔ (۵) ایضاً۔

گذرتا۔ مدت ہوئی نماز تکلیف سے بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔ بعض وقت درمیان میں توڑنی پڑتی ہے۔(۱) مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی دست آتے ہیں۔(۲) ایک مرتبہ قولنج سے سخت بیمار ہوا اور سولہ دن تک پاخانہ کی راہ سے خون آتا رہا اور سخت درد تھا جو بیان سے باہر ہے۔(۳) اپنے مرید خاص وخلیفۂ اعظم حکیم نورالدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

''جب میں نے نئی شادی کی تھی تو مدّت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں''

ایک اور خط میں لکھا کہ ''ایک مرض مجھے نہایت خوف ناک تھی کہ صحبت کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوظ بکلّی جاتا رہتا تھا۔(۴) (نعوظ بالضمّ برخاستن قضیب یعنی استادگئی ذکر) انگریزی بنی آنجہانی مرزاجی کا ان موذی اور رسواکن امراض میں مبتلا ہونا حیرت انگیز نہیں ہے بلکہ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو حیرت کی بات ضرور ہوتی۔

افیون اور شراب کا استعمال

مرزاجی کہا کرتے تھے کہ بعض اطباء کے نزدیک افیون نصف طب ہے چنانچہ انھوں نے ایک دوا ''تریاقِ الٰہی'' کے نام سے تیار کی تھی جس کا بڑا اجزوا فیون تھا۔ اس دوا کو افیون کے مزید اضافہ کے ساتھ اپنے خلیفۂ اوّل کو چھ ماہ سے زائد مدت تک کھلاتے رہے اور خود بھی وقتاً فوقتاً استعمال کرتے تھے۔(۵)

ٹانک ڈائن کا استعمال

مرزاجی اپنے چہیتے مرید حکیم محمد حسین کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

مجی اخویکم محمد حسین سلّمہٗ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس وقت میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے۔ آپ اشیاء خریدنی خود خریدیں اور ایک بوتل ٹانک وائن کی پلومر کی

---

(۱) مکتوبات احمدیہ ج۵ ص۸۸۔

(۲) کتاب منظور الٰہی ص۳۴۹۔ (۳) حقیقۃ الوحی ص۲۳۴۔

(۴) مکتوباتِ احمدیہ، ج۵، ص۸۸۔

(۵) اخبار الفضل قادیان ۱۹؍جولائی ۱۹۲۹÷ بحوالہ قادیانی مذہب ص۵۹ مطبوعہ بارسوم۔

دُکان سے خریدیں۔مگر ٹانک وائن چاہئے اس کا لحاظ رہے باقی خیریت ہے۔والسلام(۱)

''سودائے مرزا'' کے حاشیہ پر حکیم محمد علی پرنسپل طبیہ کالج امرتسر لکھتے ہیں ''ٹانک وائن کی حقیقت لاہور میں پلومر کی دوکان سے ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کی معرفت معلوم کی گئی ڈاکٹر صاحب جواباً تحریر فرماتے ہیں ''حسب ارشاد پلومر کی دوکان سے دریافت کیا گیا۔جواب حسب ذیل ملا۔

''ٹانک وائن ایک قسم کی طاقت وراور نشہ دینے والی شراب ہے جو ولایت سے بند بوتلوں میں آتی ہے۔اس کی قیمت ساڑھے پانچ روپئے ہے''(۲۱/دسمبر ۱۹۳۲÷)(۲)

مرزاجی بحیثیت صاحبِ کشف

مرض مراق کے دماغ پر مسلّط ہوجانے کے بعد مرزاجی کے دل ودماغ کے سوتے سے الہامات کا سیل رواں پھوٹ پڑا اور اعلانات واشتہارات کے ذریعہ اس کا خوب ڈھنڈھورا پیٹا گیا۔جس کا اثر یہ نکلا کہ دُور دُور سے لوگ قادیان آنے لگے۔مرزاجی تقدس کا رُوپ دھارے اپنے بیت الفکر نامی حجرے میں لیٹے رہتے اور الہامات کی بارش ہوتی رہتی تھی۔اور جب الہام کی غنودگی دور ہوتی تو فوراً اُسے نوٹ بک میں دَرج کرلیا جاتا۔(۳)

ایک ہندولڑکا بحیثیت کاتبِ وحی

چونکہ ساون کی جھڑی کی طرح الہامات کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا اس لئے ضرورت تھی کہ انھیں ضبط تحریر میں لانے کیلئے ایک مستقل کاتب رکھا جائے۔چنانچہ اس مقدس کام کی انجام دہی کے لئے ایک ہندولڑکے کا انتخاب عمل میں آیا۔خود مرزاجی لکھتے ہیں ''ان دنوں ایک پنڈت کا بیٹا شام لال نامی جو ناگری اور فارسی دونوں میں لکھ سکتا تھا۔بطور روزنامہ نویس نوکر رکھا گیا۔اور بعض امور غیبیہ جو ظاہر ہوتے تھے اس کے ہاتھ سے

(۱) خطوط امام بنام غلام ص۵ بحوالہ سابق ص۶۰۔

(۲) سودائے مرزا ص۳۹ حاشیہ۔ (۳) سیرت المہدی ج اص۱۵۔

ناگری اور فارسی خط میں قبل از وقوع لکھائے جاتے تھے اور پھر شام لال مذکور کے اس پر دستخط کرائے جاتے تھے۔(۱) یہ ہندو لڑکا جب اوّل اوّل نوکر رکھا گیا تو اس کی عمر کل بارہ سال کی تھی اور مرزا جی کے چچازاد بھائی مرزا امام الدین کے بقول اس درجہ بے سمجھ اور سادہ لوح تھا کہ سو تک بمشکل شمار کرسکتا تھا(۲) ''جیسی وحی ویسا کاتب حق بحق دادرسید''۔

زر اندوزی کی ایک اور تجویز

مرزا جی نے معاشی زبوں حالی کو دور کرنے کی غرض سے مذہبی مناظرہ اور بزرگی کا جو سوانگ رچایا تھا اس میں انھیں بڑی حد تک کامیابی مل گئی تھی۔ اور دجل وفریب کے یہ تیر شہرت وقبولیت کے نشانے پر ٹھیک بیٹھ گئے تھے۔ جس کی وجہ سے عوام وخواص کا ایک اچھا خاصا طبقہ ان کی جانب متوجہ ہوگیا۔ اس لئے انھوں نے روپیہ بٹورنے کی ایک اور تجویز سوچی اور ''براہین احمدیہ'' کے نام سے پچاس جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب کی طباعت کا اعلان کیا اور لوگوں سے پیشگی قیمت اور امداد و اعانت حاصل کرنے کی غرض سے اشتہارات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کردیا۔ اس سلسلے کا پہلا اشتہار اپریل ۱۸۷۹ء میں بعنوان ''اشتہار بغرض استعانت از انصار دین محمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ الابرار تھا۔'' اس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی تحریر کیا تھا کہ ''ایسی بڑی کتاب کا چھپ کر شائع ہونا بجز معاونت مسلمان بھائیوں کے بڑا مشکل امر ہے اور ایسے اہم کام میں اعانت کرنے میں جس قدر ثواب ہے وہ ادنیٰ اہل اسلام پر بھی مخفی نہیں لہٰذا اخوان مؤمنین سے درخواست ہے کہ اس کے مصارف طبع میں معاونت کریں۔ اغنیاء لوگ اگر اپنے مطبخ کے ایک دن کا خرچ بھی عنایت فرمائیں گے، تو یہ کتاب بسہولت چھپ جائے گی۔ ورنہ یہ مہر درخشاں چھپا رہے گا، یا یوں کریں کہ ہر ایک اہل وسعت بہ نیت خریداری کتاب پانچ پانچ رُوپے مع اپنی درخواستوں کے راقم کے پاس بھیج دیں جیسی جیسی کتاب چھپتی جائے گی۔ ان کی

(۱) البشریٰ ج اص ۱۰۔

(۲) تکذیب براہین ص ۳۲۸۔

خدمت میں ارسال ہوتی رہے گی۔(۱) کچھ دنوں کے بعد ایک اور اشتہار بعنوان ''اشتہار کتاب براہین احمدیہ بجہت اطلاع جمیع عاشقانِ صدق وانتظام سرمایہ طبع کتاب'' شائع کیا اس کا مضمون بھی پہلے اشتہار کے قریب قریب تھا۔

ان اشتہارات کے ملک میں پھیلتے ہی حسب توقع روپیوں کی بارش شروع ہوگئی لیکن اس بارشِ زر نے استسقیٰ کے مریض کی طرح ان کی طلب مال کی تشنگی کو مزید بڑھا دیا اس لئے مرزا جی نے ۳/دسمبر ۱۸۷۹÷ کو اس کی قیمت میں پانچ روپے کا اور اضافہ کر کے دس روپے کردی اور اسی کے ساتھ اس وعدہ کا بھی اعلان کیا کہ جنوری ۱۸۸۰÷ میں کتاب طبع ہو کر شائع ہو جائے گی(۲) چونکہ مرزا جی کے بے پناہ پروپیگنڈے نے لوگوں کو کتاب مذکور کا مشتاق بنا دیا تھا۔اس لئے بڑی کثیر تعداد میں کتاب کے آرڈر آئے اس مقبولیت کو دیکھ کر دو حصوں کے طبع ہو جانے کے بعد اس کی قیمت میں مزید اضافہ کر دیا اور فارغ البال لوگوں سے دس روپے کے بجائے پچیس روپے سے لے کر سو روپئے تک وصول کرنے لگے۔(۳)

بدمعاملگی اور سخن تراشی

آنجہانی نے ابتداء میں پچاس حصوں پر مشتمل کتاب شائع کرنے کا اعلان کیا تھا اور پچاسوں جلدوں کی پیشگی قیمت لوگوں سے وصول کر لی تھی لیکن چار حصے شائع کرنے کے بعد اس سلسلہ کو بند کر دیا جس کی بناء پر خریداروں کو شکایت ہوئی۔اب اس بدمعاملگی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے سخن تراشی اور الہام بازی شروع کردی چنانچہ براہین احمدیہ جلد چہارم کے آخری صفحہ پر ''ہم اور ہماری کتاب'' کے عنوان سے لکھتے ہیں ''ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی۔اب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً اور باطناً حضرت رب العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ اور مقدار

(۱) تبلیغ رسالہ ج اص ۸/ب۔ (۲) تبلیغ رسالت ج اص ۸/ھ۔

(۳) ایضاً ص ۲۳۔

تک اس کو پہنچانے کا ارادہ ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر جلد چہارم تک انوار حقیقت اسلام کے ظاہر کئے ہیں یہ بھی اتمام حجت کے لئے کافی ہیں الخ۔''(۱)

اس تولیت و اہتمام خداوندی کے ڈھونگ کا واحد مطلب یہ تھا کہ اب میں باقی ماندہ کتاب کی طبع و اشاعت کا ذمہ نہیں لے سکتا اب یہ کام خدا ہی کے سپرد ہے وہ چاہے تو طبع کرائے یا نہ طبع کرائے میری کوئی ذمہ داری نہیں۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

مرزا صاحب لوگوں کی پیشگی رقمیں شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کو شکایتیں ہوئیں اور مرزا جی کی بد معاملگی کا چرچا بر سر عام ہونے لگا تو انھیں فکر لاحق ہوئی کہ شکوہ و شکایتوں کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو ایک عرصہ کے جتن کے بعد تقدس کا جو سکہ جمایا گیا تھا کہیں عقیدت مندوں کے دلوں سے زائل نہ ہو جائے۔ اس لئے یکم مئی ۱۸۹۳ء کو آٹھ صفحات کا ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ ''مجھے ان مسلمانوں پر نہایت افسوس ہے کہ جو اپنے پانچ یا دس روپے کے مقابل پر ۳۶ جزوں (۵۶۲ صفحات) کی ایسی کتاب پا کر جو معارفِ اسلام سے بھری ہوئی ہے ایسے شرمناک طور پر بدگوئی اور بدزبانی پر مستعد ہو گئے کہ گویا ان کا روپیہ کسی نے چھین لیا یا اُن پر کوئی قزاق آ پڑا اور گویا وہ ایسی بے رحمی سے لوٹے گئے کہ اس کے عوض میں ان کو کچھ نہیں دیا گیا اور اُن لوگوں نے زبان درازی اور بدظنی سے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا کہ کوئی دقیقہ سخت گوئی کا باقی نہ رکھا اس عاجز کو چور قرار دیا گیا، مکار ٹھہرایا، مال مردم خور کر کے بدنام کیا، حرام خور کہہ کر نام لیا، دغاباز نام رکھا، اور اپنے پانچ و دس روپے کے غم میں وہ سیاپا کیا کہ گویا تمام گھر ان کا لوٹا گیا الخ (۲)

وعدہ خلافی

مرزا جی نے براہین احمدیہ کی پیشگی قیمت وصول کرتے وقت یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ

(۱) تبلیغ رسالت ج۱ ص ۷۴۔ (۲) تبلیغ رسالت ج۳ ص ۴۳۔

اس کتاب میں حقانیت اسلام کے تین سو دلائل درج کیئے جائیں گے لیکن وعدہ کے مطابق ایک دلیل بھی پوری نہیں کی، چنانچہ مرزا زادے میاں بشیر احمد لکھتے ہیں ''تین سو دلائل جو آپ (مرزا غلام احمد) نے لکھے تھے ان میں سے صرف ایک ہی دلیل بیان ہوئی اور وہ بھی نامکمل طور پر۔(۱)

یہ ہے آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی نبیٔ افرنگ کی ترپن سالہ داستانِ حیات کا مختصر بیان جو ان کی تصنیفات یا اُن کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم،اے اور دیگر مرزائی ماخذوں کو سامنے رکھ کر پیش کیا گیا ہے۔ قارئین اُسے پڑھ کر خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آنجہانی جیسے کردار و اخلاق کا شخص شریف انسان کہے جانے کے بھی قابل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ وہ ملہم، محدث، مہدی موعود، مسیح زماں یا نبی ہو۔

سَبُحَانَکَ ھٰذا بُھتَانٌ عَظِیُمٌ.

(۱) سیرت المہدی، ج۱ص۹۲۔

مرزا قادیانی
اپنے عقائد اور دعووں کی روشنی میں

تمہید

دین اسلام اپنے ابتدائے قیام سے مختلف النوع فتنوں سے دوچار ہوتا رہا ہے جو اس کی ترویج وترقی کی راہ میں کوہِ گراں بنتے رہے ہیں، لیکن اس تاریخی حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ اللہ رب العزت کی تائید ونصرت سے علمائے اسلام وصلحائے امت نے اسلام کے خلاف ان تمام اٹھنے والے فتنوں کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور اسلام کے حریفوں کو ہر محاذ پر شکست فاش دے کر اسلام کے کارواں کو آگے بڑھایا ہے۔

چنانچہ قرونِ اُولیٰ میں خارجیت، رافضیت، اعتزال، جبر وقدر وغیرہ کے نام سے پے در پے انتہائی خطرناک قسم کے فتنے برپا کئے گئے کہ اگر خدائی وعدہ اِنَّا نَحنُ نَزَّلْنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ۔ کا ظہور علمائے دین ومحافظین شریعت کی صورت میں نہ ہوا ہوتا تو ملت اسلامیہ کی یہ عظیم الشان عمارت کب کی زمیں بوس ہوگئی ہوتی، لیکن حفاظتِ خداوندی کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ آفتاب اسلام اپنی تمامتر تابانیوں کے ساتھ بسیط ارض پر ضیاء پاش اور نور افشاں ہے "ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ"۔

قرون اولیٰ کی طرح دور جدید میں بھی دشمنانِ دین نے اسلام کے محاسن وبرکات سے انسانیت کو محروم کردینے کی غرض سے متعدد فتنوں کو جنم دیا جن میں سب سے زیادہ خطرناک ''فتنۂ قادیانیت'' ہے، جو انگریزوں کی بدنام زمانہ ڈپلومیسی ''لڑاؤ اور حکومت کرو''

کی بنیاد پر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت برپا کیا گیا تھا، طالع آزما انگریز اپنے علم و تجربہ کی بنیاد پر اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جب تک مسلمانوں کو وحدت ملّی، کتاب وسنت سے والہانہ شیفتگی، جذبۂ جہاد اور عقیدۂ ختم نبوت سے محروم نہیں کر دیا جاتا اس وقت تک ہمارا سامراجی نظام مستحکم اور پائیدار نہیں ہوسکتا اپنی ان مکروہ اغرض کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے انھیں ایک ایسے دین فروش کی تلاش تھی جو اپنے آپ کو ملتِ اسلامیہ کا ایک فرد کہلانے کے باوجود حطام دنیا کی ہوس میں اسلام کے خلاف سب کچھ کرسکتا ہو چنانچہ انھیں پنجاب کے ضلع گرداسپور میں ''مرزا غلام احمد قادیانی'' کی شکل میں اپنا گوہر مقصود مل گیا، انجام کار انھیں انگریزوں کی تحریک پر ''مرزا'' نے مسلمانوں کو شاہراہِ اسلام سے دور کرنے اور ان میں انتشار و تفریق پیدا کرنے کی غرض سے جھوٹی نبوت کا سوانگ رچایا، اور اسلام کی جانب منسوب کر کے ملتِ اسلامیہ کے سامنے ایسے ایسے عقائد و نظریات پیش کیۓ جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں خود مرزا کی درج ذیل تحریر اس بات کی شاہد ہے کہ مرزا کی یہ ساری فتنہ پردازیاں انگریزوں ہی کے چشم و ابرو کی رہینِ منت ہیں۔

> ''اے بابرکت قیصر ہند (ملکہ وکٹوریہ) تجھے یہ تیری عظمت اور نیک نامی مبارک ہو خدا کی نگاہیں اس ملک پر ہیں خدا کی رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے جس پر تیرا ہاتھ ہے تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔''(۱)

اس نبیٔ افرنگ نے مسلمانوں کو اسلامی عقائد و اعمال سے برگشتہ کرنے اور انھیں ہمیشہ کے لئے فرنگیوں کا بندۂ بے دام بنائے رکھنے میں اپنی تمام کوششیں اور ساری توانائیاں صرف کر دیں جس کا اعتراف مرزا نے بایں الفاظ کیا ہے۔

> ''میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت (برطانیہ) کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔''(۲)

(۱) ستارہ قیصر ص ۱۵۔ (۲) تریاق القلوب ص ۲۵۔

پھر مزید صراحت کرتے ہوئے یوں لکھتا ہے۔

''میری عمر کا اکثر حصہ سلطنتِ انگریزی کی تائید اور حمایت میں گذرا ہے۔''(۱)

انگریزوں کے الطاف بے پایاں اور نوازشات بیکراں نے اسے اس درجہ مدہوش کر دیا تھا کہ اسلام کی بیخ کنی اور دینِ خداوندی کے مسخ کرنے کو اپنی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد بنالیا تھا، اپنی اس منحوس کارگذاری میں انگریزوں کے تعاون پر وہ ان الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔

''اگر چہ اس محسن گورنمنٹ کا ہر ایک پر رعایا میں سے شکر واجب ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے کیونکہ یہ میرے اعلیٰ مقاصد جو قیصر ہند کی حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انجام پذیر ہو سکتے اگر چہ وہ کوئی اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی۔''(۲)

ظاہر ہے کہ اسلام کے ازلی دشمن انگریزوں کے اشارے اور ان کے احسانات کے زیر سایہ جس جھوٹی نبوت کا بہروپ بھرا گیا تھا اس کی جانب سے وحی والہام کے نام سے امت مسلمہ کے سامنے جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس کا کتاب وسنت سے کیونکر میل کھا سکتا ہے اس لئے ان خرافات سے اگر اسلام کو کوئی نسبت ہو سکتی ہے تو وہ تضاد ہی کی ہوگی، اس مختصر سی تمہید کے بعد مسیلمۂ ہند مرزا غلام احمد قادیانی کے توحید و رسالت وغیرہ کے سلسلے میں چند عقائد اور دعاوی پیش کئے جا رہے ہیں جس سے روز روشن کی طرح یہ بات آشکارا ہو جائے گی کہ مرزا اور اس کے حمایتیوں نے اپنی تصانیف میں اسلام کا نام لے کر جن عقائد ونظریات کو پیش کیا ہے ان کا اس کے متعارف ومتوارث عقائد واعمال سے کوئی تعلق نہیں ہے بالفاظ دیگر یہ اسلام کے متوازی ایک جدید اسلام کی تشکیل ہے جس کا قرآن وحدیث سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

---

(۱) ایضاً ص ۲۵۔

(۲) تحفۂ قیصریہ ص ۲۷۔

توحیداور خدا کی ذات وصفات کے متعلق مرزا کے دعوے وعقائد

مرزا کو اس بات کا زعم ہے کہ ان کے قلب پر الہامات بارش کی طرح برستے ہیں، درحقیقت مرزا کا یہ ایک فریب ہے کہ وہ اپنے عقیدے کو لوگوں کے سامنے الہام و وحی کے نام سے پیش کرتا ہے تاکہ بندگان خدا کو اپنے دام شیطانی کا شکار بنا سکے ذیل میں اس کے چند من گھڑت اور جھوٹے دعوے پیش کئے جارہے ہیں جسے وہ الہام کا نام دیتا ہے۔

دعویٰ ۱: مرزا اپنے ایک الہام کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

(قال اللّٰہ تعالیٰ) اصلی و اصوم و اسهر و انام.(۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نماز پڑھتا ہوں روزہ رکھتا ہوں، جاگتا ہوں، اور سوتا ہوں۔

گویا خدا بھی بندوں کی طرح عبادت کا مکلّف اور پابند ہے اور انسانوں و دیگر حیوانات کی طرح سونے وجاگنے کا محتاج ہے، ''مرزا'' کا باری تعالیٰ عزاسمہ کے متعلق یہ دعویٰ وعقیدہ کتاب وسنت سے ثابت شدہ عقیدہ کے بالکل متضاد ومنافی ہے۔

دعویٰ ۲: ایک الہام کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے۔

خاطبنی اللّٰہ بقوله اسمع یا ولدی (۲)

اللہ نے مجھے یہ کہہ کر خطاب کیا ''اے میرے بیٹے سن''

اس من گھڑت الہام میں بعینہٖ عیسائیت کے عقیدۂ ابنیت کو پیش کیا ہے جس کی تردید کتاب الٰہی کے مقاصد میں سے ایک اہم ترین مقصد ہے۔

دعویٰ ۳: ایک الہام یہ بھی ہے۔

یا قمر یا شمس انت منی وانا منك. (۳)

اے ماہتاب اے آفتاب تو مجھ سے ہے میں تجھ سے ہوں۔

اس الہام کے ذریعہ اپنے آپ کو (نعوذ باللہ) خدا کا جز ثابت کرنے کی مشرکانہ سعی

---

(۱) البشریٰ ج ۲ ص ۷۹۔ (۲) البشریٰ ج ۱ ص ۴۹۔

(۳) حقیقۃ الوحی ص ۷۴۔

کی گئی ہے۔

دعویٰ ۴: ایک الہام کے تیور اور بھی ملاحظہ کیجیے، خدا کی جانب افتراء کرتے ہوئے انگریزوں کا یہ زرخرید لکھتا ہے۔

انا نبشرك بغلام مظهر الحق كانّ الله نزل من السماء. (۱)

ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو حق ظاہر کرنے والا ہوگا (وہ ایسا ہوگا) گویا آسمان سے خدا اتر آیا ہے۔''

استغفر اللہ، استغفر اللہ مرزا نے اپنے اس دعویٰ میں اپنے بیٹے کو خدا سے تشبیہ دی ہے۔استغفر اللہ، استغفر اللہ۔

(۲) صفات الٰہیہ سے متصف ہونے کے دعوے

دعویٰ ۱: اور مجھ کو فانی کرنے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ملی ہے۔(۲)

مرزا کا یہ نمرودی دعویٰ کتاب الٰہی قرآن میں بیان کردہ موحد اعظم خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقیدہ ''ربی الذی یحی ویمیت'' کے سراسر خلاف ہے۔

دعویٰ ۲: بنام الہام مرزا کا یہ افتراء بھی صفات باری تعالیٰ میں دخل اندازی کی مشرکانہ کوشش ہے۔

انما امرك اذا اردت شيئا ان تقول له كن فيكون.(۳)

تو (یعنی مرزا) جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے اسی وقت ہو جاتی ہے۔

قدرت کن فیکون یعنی تصرف بالارادہ کی قدرت صرف ذات جل مجدہ کو حاصل ہے اس صفت میں بنص قرآنی ان کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے۔

دعویٰ ۳: اس دعویٰ کا شرک ہونا اظہر من الشمس ہے۔

(۱) حقیقۃ الوحی، ص ۹۵۔ (۲) خطبۂ الہامیہ مترجم ص ۵۵۔

(۳) حقیقۃ الوحی ص ۱۰۵۔

انت منی وانا منك ظهورك ظهوری.(۱)

تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے، تیرا ظہور میرا ظہور ہے۔

دعویٰ ۴: دعویٰ نمبر ۳ کی طرح یہ دعویٰ بھی شرک محض ہے اور اپنے آپ کو نعوذ باللہ خدائے پاک کا ہمسر سمجھنے کی فرعونی کوشش ہے۔

الارض والسماء معك كما هو معی.(۲)

زمین وآسمان تیرے ساتھ ہیں جیسا کہ وہ میرے ساتھ ہیں۔

دعویٰ ۵: اس جھوٹے دعویٰ کو بھی ملاحظہ کیجئے کس طرح خدا کی صفت تخلیق کو اپنے اوپر چسپاں کر رہا ہے اور عین خدا بننے کی فرعونی ونمرودی جسارت میں مبتلا ہے۔

رأیتنی فی المنام عین اللّٰہ وتیقنت اننی هو وبینما انا فی هذه الحالة کنت اقول انا ارید نظاما جدیدا سماء جدیدا وارضا جدیدة فخلقت السمٰوات والارض اولاً بصورة اجمالیة لاتفریق فیها ولا ترتیب ثم فرقتها ورتبتها بوضع هو مراد الحق وکنت اجد فی نفسی علی خلقهما کالقادرین ثم خلقت السماء الدنیا وقلت انا زینا السماء الدنیا بمصابیح ثم قلت الآن نخلق الانسان من سلالة من طین.(۳)

میں نے اپنے آپ دیکھا کہ میں عین خدا ہوں اور میں نے یقین کرلیا کہ واقعی میں خدا ہی ہوں میں اسی حالت میں تھا کہ میں نے کہا— میں ایک جدید نظام اور نیا آسمان نئی زمین بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں چنانچہ (اس ارادہ کے مطابق) پہلے میں نے زمین وآسمان کی اجمالی صورت پیدا کی جس میں تفریق وترتیب نہیں تھی پھر میں نے انھیں جدا کیا اور ترتیب دی پھر میں نے آسمانِ دنیا کو پیدا کیا اور کہا کہ ہمیں نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے پھر میں گویا ہوا کہ اب میں انسانوں کو گوندھی ہوئی مٹی سے پیدا کروں گا۔

مرزا قادیانی کے خرافات کے پٹارے سے یہ چند دعوے بطور نمونہ کے پیش کئے

(۱) تذکرہ ص ۱۱۷۔ (۲) انجام آتھم ص ۴۹۔ (۳) آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۵۶۴، ۵۶۵۔

گئے ہیں کیاان خالص مشرکانہ دعووں کے بعد بھی اس فرنگی شجرۂ خبیثہ کوگلشن اسلام میں باقی چھوڑ دینے کی کوئی گنجائش ہے؟ فرعون ونمرود کے اس بروز کواسلام اپنے دامن میں پناہ دے سکتا ہےاور کیا ملت اسلامیہ سے ایسے ناپاک شخص کا کوئی رابطہ باقی رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگزنہیں۔

(۳) دعویٔ وحی، نبوت ومعجزات

(۱) میں اسی خدا کی قسم کھا کرکہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہےاوراسی نے میرانام نبی رکھا ہےاوراسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہےاوراس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے ہیں جوتین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔(تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

(۲) خداتعالیٰ نے اس بات کوثابت کرنے کیلئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدرنشان دکھلائے ہیں کہ اگروہ ہزار نبی پرتقسیم کئے جائیں توان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہوسکتی ہےلیکن پھربھی جولوگ انسان میں سے شیطان ہیں وہ نہیں مانتے(چشمۂ معرفت ص ۳۱۷)

(۳) میں خداتعالیٰ کی قسم کھا کرکہتا ہوں کہ میں ان الہامات پراسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پراورخدا کی دوسری کتابوں پراورجس طرح میں قرآن شریف کویقینی اورقطعی طور پرخدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کوبھی جومیرے اوپرنازل ہوتا ہےخدا کا کلام یقین کرتا ہوں (حقیقۃ الوحی ص ۲۱۱)

(۴) نبی کریم...... کے ساتھ وحدت ویکسانیت کا دعویٰ

(۱) آنحضرت...... کے دوبعث ہیں یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ بروزی رنگ میں آنحضرت...... کادوبارہ آنا دنیامیں وعدہ دیا گیا تھا جومسیح موعوداورمہدی معہود (مرزا) کے ظہورسے پوراہوا (تحفۂ گولڑویہ ص ۹۴)

(۲) اور جان کہ ہمارے نبی کریم...... جیسا کہ پانچویں ہزار (چھٹی صدی مسیحی)

میں مبعوث ہوئے ایسا ہی مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار (تیرہویں صدی ہجری) کے اخیر میں (قادیان میں) مبعوث ہوئے، اور یہ قرآن سے ثابت ہے اس میں انکار کی گنجائش نہیں۔ (خطبۂ الہامیہ ص۱۸۰)

(۳) جس نے مسیح موعود (مرزا جی) اور نبی کریم میں تفریق کی اس نے بھی مسیح موعود کی تعلیم کے خلاف قدم مارا کیونکہ مسیح موعود صاف فرماتا ہے کہ من فرق بینی وبین المصطفی فما عرفنی وما رای (خطبۂ الہامیہ ص۱۷۱)

آنجہانی مرزا جی کے ان دعاوی کے بطلان پر خود ان کی اپنی ذات مکمل دلیل ہے کیونکہ ہر وہ شخص جسے قادیانیت سے ادنیٰ بھی واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ مرزا جی بہت سے پیچیدہ و مزمن امراض کے شکار تھے جن میں سے چند امراض کی فہرست بحوالہ کتب درج ذیل ہے۔

(۱) بدہضمی (ریویو، مئی ۱۹۲۸÷) (۲) تشنج دل (ضمیمہ اربعین ۳، ۴) (۳) تشنج اعصاب (سیرۃ المہدی ص۱۳ ج۱) (۴) جسمانی قویٰ کا اضمحلال (آئینہ احمدیت ص۱۸۶) (۵) دق (حیات احمدیہ ج۲ ص۷۹) (۶) سل (سیرۃ المہدی ص۴۴ ج۱) (۷) مراق (سیرۃ المہدی ج۲ ص۵۵) (۸) ہسٹریا (سیرۃ المہدی ج۱ ص۱۲، و ج۲ ص۵۵) (۹) دماغی بے ہوشی (الحکم ۲۱ مئی ۳۴÷) (۱۰) غشی (سیرۃ المہدی ج۱ ص۱۳) (۱۱) سوسوبار پیشاب کا آنا (ضمیمہ اربعین ص۳ و۴) (۱۲) کثرت اسہال (نسیم دعوت) (۱۳) دل و دماغ کی سخت کمزوری (تریاق القلوب ص۳۵) (۱۴) مسلوب القویٰ (آئینہ احمدیت ص۱۸۶) (۱۵) شوگر (نزول المسیح ص۲۰۹ حاشیہ) (۱۶) دورانِ سر (نزول المسیح ۲۰۹ حاشیہ) (۱۷) شدید درد سر جس کا آخری اثر مرگی (حقیقۃ الوحی ۳۶۲) (۱۸) حافظہ نہایت ابتر (مکتوبات احمدیہ ج۵ ص۳) (۱۹) حالت مردمی کالعدم (تریاق القلوب ص۳۵) (۲۰) نامردی (مکتوبات احمدیہ ج۵ ص۱۴)

سیّد المرسلین ...... سے برتر اور افضل ہونے کا دعویٰ

(۱) ہمارے نبی کریم ...... کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے

ساتھ (مکہ میں) ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کی انتہا کا نہ تھا بلکہ اسکے کمالات کے معراج کیلئے پہلا قدم تھا، پھر اس روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت (قادیان میں) پوری تجلی فرمائی۔ (خطبۂ الہامیہ ص ۱۷۷)

(۲) اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم ...... کے زمانہ میں گذر گیا اور دوسری فتح باقی رہی جو کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ کے قول میں اشارہ ہے سبحان الذی اسری بعبدہ۔ (خطبۂ الہامیہ ص ۱۹۲)

(۳) قرآن شریف کیلئے تین تجلیات ہیں وہ سیّدنا حضرت محمد...... کے ذریعہ نازل ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ اس نے زمین پر اشاعت پائی اور مسیح موعود (مرزا) کے ذریعہ سے بہت سے پوشیدہ اسرار اس کے کھلے۔

(۴) تین ہزار معجزات ہمارے نبی ...... سے ظہور ہوئے (تحفۂ گولڑویہ ص ۶۲) میری تائید میں اس خدا نے وہ نشان ظاہر فرمایا ہے کہ.... اگر میں انکو فرداً فرداً شمار کروں تو میں خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں (حقیقۃ الوحی ص ۶۷)

(۵) حضرت مسیح موعود (مرزا) کا ذہنی ارتقا آنحضرت ...... سے زیادہ ہے اور یہ جزوی فضیلت ہے جو حضرت مسیح موعود کو (مرزا) آنحضرت صلعم پر حاصل ہے، نبی کریم صلعم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا اور نہ قابلیت تھی اب تمدن کی ترقی سے حضرت مسیح موعود کے ذریعہ ان کا ظہور ہوا (ریویو مئی ۱۹۲۹ء)

(۶) محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں — اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس کو اکمل — غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

(اخبار بدر جلد ۲ مورخہ ۲۲ اکتبر ۱۹۰۶ء)

قاضی اکمل مرزا کے پرجوش مرید تھے انھوں نے یہ نظم لکھ کر اور قطعہ کی شکل میں فریم کرا کر مرزا جی کی خدمت میں پیش کی مرزا اس پر بیحد خوش ہوئے اور انھیں بہت دعائیں دیں۔

کیا مرزا جی کے اس دعویٰ میں کہ میں محمد رسول (......) کی بعثتِ ثانیہ ہوں مجھ پر وحی الٰہی کا بارش کی طرح نزول ہوتا ہے اور ان کی جسمانی ودماغی صحت میں کوئی مطابقت ہے، کیا آنحضرت ......نعوذ باللہ مراق، ہسٹریا ذیابیطس سلسل البول، کثرت اسہال، ضعفِ قلب، ضعفِ دماغ، ضعف اعصاب، حتیٰ کہ حالت مردمی کالعدم کے شکار ہو سکتے تھے استغفر اللہ استغفر اللہ، کیا ایسا مجموعہ امراض وحی ربانی اور الہامات الٰہیہ کے تحمل وتحفظ کی قوت رکھ سکتا ہے، کیا تاریخ کے اوراق سے ایک بھی ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ کوئی تاریخ ساز شخصیت بیک وقت ان تمام امراض خبیثہ کا شکار رہی ہے، واقعہ ہے کہ رب قدیر نے مرزا کی تکذیب وتردید کے لئے خود ان کی ذات ہی کو دلیل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں مرزا کی بدزبانی

(۱) یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے (کشتی نوح ص ۶۵ حاشیہ)

(۲) یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے... چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خوری کا ایک بدنتیجہ تھا (ست بچن ص ۱۷۲ حاشیہ)

(۳) یہ بھی یاد رہے کہ آپ (یسوع مسیح) کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔
(ضمیمہ انجام آتھم ص ۵ حاشیہ)

(۴) ہاں آپ (یسوع مسیح) کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔

(۵) وہ (مسیح موعود) ہر طرح سے عاجز ہی عاجز تھا مخرج معلوم کی راہ سے جو پلیدی اور ناپاکی مبرز ہے تولد پا کر مدت تک بھوک اور پیاس اور درد اور بیماری کا دکھ اٹھاتا رہا۔ (براہین احمدیہ ص ۳۶۹ ج ۴)

(۶) مریم کا بیٹا کوشلیہ کے بیٹے (یعنی رام چندر) سے کچھ زیادہ نہیں رکھتا (انجام آتھم ص ۴۱)
ایک اولوالعزم نبی کی مقدس شان میں اس طرح کی ہرزہ سرائی کرنے والا کسی طرح سے بھی مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ ایسا شخص تو انسان کہے جانے کا بھی حقدار نہیں ہے۔

(۶) جہاد کی حرمت کا اعلان

(۱) آج سے دین کیلئے لڑنا حرام کیا گیا اب اس کے بعد جو دین کیلئے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔
(اشتہار چندہ منارۃ المسیح صفحہ سات ضمیمہ خطبۂ الہامیہ)

(۲) آج کی تاریخ تک تیس ہزار کے قریب یا کچھ زیادہ میرے ساتھ جماعت ہے جو برٹش انڈیا کے متفرق مقامات پر آباد ہے اور ہر شخص جو میری بیعت کرتا ہے اور مجھ کو مسیح موعود مانتا ہے اسی روز سے اس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں جہاد قطعاً حرام ہے (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ضمیمہ ص ۷)

(۷) مرزائی مذہب میں حج مکہ معظّمہ کی بجائے قادیان میں

ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے، حج خداوند تعالیٰ نے مومنوں کی ترقی کیلئے مقرر کیا تھا آج احمدیوں کے لئے دینی لحاظ سے تو حج مفید ہے مگر اس سے جو اصل غرض قوم کی ترقی تھی وہ انھیں حاصل نہیں ہوسکتی، کیونکہ حج کا مقام ایسے لوگوں کے قبضہ میں ہے جو احمدیوں کو قتل کر دینا بھی جائز سمجھتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے قادیان کو اس کام کیلئے مقرر کیا ہے۔
(خطبہ جمعہ از میاں محمود احمد خلیفہ قادیان مندرجہ برکات خلافت)

(۲) لوگ معمولی اور نفلی طور پر حج کرنے کو بھی جاتے ہیں مگر اس جگہ قادیان میں ثواب زیادہ ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۵۲)

(۸) آنجہانی مرزا پر ایمان نہ لانے والے کافر ہیں

(۱) کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انھوں نے

حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ (آئینہ صداقت از مرزا محمود ص ۳۵)

(۲) جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا، اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے۔ (تذکرہ ص ۳۴۲)

(۹) غیر قادیانیوں سے نکاح کفر ہے

(۱) جو شخص اپنی لڑکی کا رشتہ غیر احمدی لڑکے کو دیتا ہے میرے نزدیک وہ احمدی نہیں ہے .... ایسی شادی میں شریک ہونا بھی جائز نہیں۔ (ڈائری میاں محمود احمد مندرجہ الفضل قادیان ۲۳ر مئی ۱۹۲۱ء)

(۲) خارج از احمدیت ہونے سے مراد میری ایسے امورات ہیں جن کی وجہ سے کفر کا فتویٰ لگ سکتا.... چنانچہ غیر احمدی کو لڑکی کا رشتہ دینا بھی اسی قسم میں سے ہے۔ (الفضل ۴ر مئی ۱۹۲۳ء)

(۱۰) غیر احمدیوں کے پیچھے نماز قطعاً حرام ہے

(۱) میرا وہی مذہب ہے جو میں ہمیشہ سے ظاہر کرتا ہوں کہ کسی غیر مبائع شخص کے پیچھے خواہ وہ کیسا ہی ہو اور لوگ اس کی کیسی ہی تعریف کرتے ہوں نماز نہ پڑھو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا ہی چاہتا ہے اگر کوئی شخص متردد یا مذبذب ہے تو وہ بھی مکذب ہی ہے۔ (الفضل ۲۸ر اگست ۱۹۱۷ء)

(۲) خدا تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔ (اربعین ص ۳۴ حاشیہ ۳)

یہ مرزا کے چند معتقدات، اعمال اور دعوے ہیں جو انھیں کے الفاظ میں بحوالہ کتب پیش کئے گئے جن سے واضح ہوا کہ مرزا اپنے آپ کو خدائی صفات سے متصف باور کرتے

ہیں، اپنے کو عین محمد...... سمجھتے ہیں بلکہ آپ سے بھی اعلیٰ وارفع، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ وہ ایک شریف انسان ماننے کیلئے بھی تیار نہیں ہیں، اپنے آپ کو وحی الٰہی اور الہامات ربانی کا مورد ومہبط یقین کرتے ہیں اللہ کے عائد کردہ فریضۂ جہاد کو حرام بتاتے ہیں اوراپنے منکر کو کافرو جہنمی کہتے ہیں ان کے خلیفہ کعبۃ اللہ کے بجائے قادیان میں حج کو افضل قرار دیتے ہیں۔

قرآن وسنت کے نصوص اور علمائے اسلام کی تشریحات قطعی طور پر ان باطل مزعومات سے پاک اور بری ہیں اس لئے اپنی جگہ نصف النہار کی طرح یہ بات واضح ہے کہ قادیانی مذہب کا سیدنا محمد رسول اللہ...... کے لائے ہوئے دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اسلام کی بیخ کنی کیلئے اور ملت اسلامیہ کو اسلام کی راہِ مستقیم سے ہٹانے کے لئے اسلام کے نام سے ایک جدید مذہب پیش کیا گیا ہے۔

مرزا قادیانی کی قرآن حکیم میں تحریف معنوی کی چند مثالیں

حرف آغاز

قرآن کریم انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے خالق کائنات کی عطا کردہ آخری کتاب ہے جس میں اصولی طور پر دنیا و آخرت میں خیر و فلاح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی جامع ترین ہدایات بیان کردی گئی ہیں جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے بالکل مناسب ہیں ان میں کسی ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ "ما فرّطنا فی الکتاب من شیء" اور "الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتابَ ولم یجعل لہ عِوَجاً قیّما" الخ الآیۃ میں قرآن عظیم کی اسی جامعیت اور ہمہ گیری کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ عثمانیؒ آخرالذکر آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

> "اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں، عبارت انتہائی سلیس و فصیح اسلوب نہایت مؤثر و شگفتہ، تعلیم نہایت متوسط و معتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔" (فوائد عثمانی ص ۳۸۰)

یہ تغیر پذیر دنیا ہزار کروٹیں بدلے، تمدن و معاشرت اور انسانی مزاج و عادات میں لاکھ تبدیلیاں آجائیں، اقتصادیات و معاشیات کی قدریں گو یکسر مختلف ہوجائیں، علم و تحقیق کے معیار خواہ کتنی بلندیوں پر پہنچ جائیں، زندگی کے تقاضے اور ضروریات کوئی بھی صورت اختیار کرلیں، قرآن حکیم اور کتاب متین کی جامع اور ہمہ گیر ہدایات حیات انسانی کے ہر مسئلہ اور ہر ضرورت کا حل پیش کرتی رہیں گی۔

اسی بناء پر خداوند عالم نے اہل دانش کو قرآن مبین کی آیات میں غور وفکر اور تدبّر کی بار بار دعوت دی ہے چنانچہ ایک موقع پر ارشاد ہے۔

كِتابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الاَلْبَابِ (سورہ ص)

(یہ) ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی، تاکہ دھیان کریں لوگ اس کی آیتوں میں اور تاکہ سمجھیں عقل والے۔

لیکن تدبر کی اس عام دعوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ اس کے کلام میں کوئی شخص اپنے افکار ونظریات اور خیالات ورجحانات کو شامل کردے، کیونکہ اس آزادی اور چھوٹ کا انجام یہ ہوگا کہ یہ دستور الٰہی اور کتاب ہدایت انسانی افکار و مزعومات کا ایک دفتر ہوکر رہ جائے گی اس لئے حق جل مجدہ نے اپنے کلام کی تفسیر وتشریح کے لئے خود اپنے مرسل رسول......کو متعین فرمادیا۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ.

اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت تاکہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے۔

یعنی اے محمد (......) ہم نے آپ کو ایسی کتاب دے کر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیاء سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے، آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کردیں، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہی معتبر ہے جو روایت رسول (......) کے موافق ہو۔ (فوائد عثمانی ص ۳۵۱)

اسی بنا پر رسول خدا......نے اپنی رائے سے قرآن حکیم کی تفسیر وتشریح کرنے والے کو جہنم کی وعید سنائی ہے چنانچہ ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نبی پاک......کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

قال: من قال فی القرآن برایه او بما لا یعلم فلیتبوء مقعده من النار (اخرجه الترمذی والنسائی وابوداؤد وقال الترمذی ہذا حدیث حسن)

جس شخص نے قرآن حکیم میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی یا ایسی بات کہی جس کا علم اسے (رسول اللہ......کی طرف سے) نہیں ہے تو اسے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالینا چاہئے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں ائمہ مفسرین نے قرآن حکیم کی تفسیر کے لئے کچھ اصول وضوابط اور معیار مقرر کیئے ہیں جو تفسیر اس ضابطے اور معیار کے مطابق ہوگی وہی معتبر اور مقبول ہوگی اور جو اس معیار واصول سے منحرف اور ہٹ کر ہوگی وہ غیر معتبر اور مردود سمجھی جائے گی، ائمہ تفسیر کے اس ضابطہ کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) آنحضرت ......اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تفسیر کے مطابق یا کسی مرفوع حدیث یا اقوال صحابہ سے ماخوذ مستنبط ہو۔

(۲) سیاق وسباق سے ہم آہنگ ہو یعنی قرآن عظیم کی ان آیات سے مربوط ہو جو اس سے پہلے اور بعد میں ہیں۔

(۳) قواعد عربیہ اور اہل زبان کے استعمال کے موافق ہو۔

(۴) اصول شریعت اور دین کے ثابت شدہ ان بنیادی امور کے مطابق ہو جن پر ایمان واعتقاد لازم ہے۔

(۵) مقاصدِ قرآن کے ماتحت ہو۔

لیکن قرآن وحدیث اور علماء حق کی ان تمام تر پیش بندیوں کے باوجود ہر عہد اور ہر زمانہ کے علماء سو اور اہل بدعت قرآن پاک کے تراجم وتفاسیر میں اپنے باطل عقائد اور فاسد نظریات کو ٹھونس کر کتاب مبین کی روشن تعلیمات وہدایات کو غبار آلود کرنے کی مذموم کوشش اور ناروا جسارت کرتے رہے ہیں، خود ہمارے ملک ہندوستان میں بعض کم فہم مغرب زدوں اور اہل بدعت، دین بیزار افراد کے اردو تراجم اور تفسیریں تحریفات اور باطل تاویلات سے بھری ہوئی ہیں اور یہ ناروا ضلالت خیز رویہ آج بھی جاری ہے بلکہ کوشش کی جارہی ہے کہ اسلاف اور علماے محققین کے علمی شہ پاروں کے مقابلے میں ان خذف ریزوں کو امت ترجیح دے۔ عصر حاضر کے اس خطرناک فتنہ سے پورے طور پر ہشیار رہنے کی ضرورت ہے، بالخصوص حکومت برطانیہ کے ساختہ وپرداختہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو

قرآن حکیم کی معنوی تحریف میں حد ہی کردی ہے، بطور مثال چودھویں صدی کے اس دجال اکبر کی چند تحریفات یہاں نقل کی جارہی ہیں۔

مثال اوّل

(۱) وَاِذۡ قَتَلۡتُمۡ نَفۡسًا فَالدّٰرَأۡتُمۡ فیها وَاللّٰهُ مُخۡرِجٌ مَّا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡن الآية کے ذیل میں لکھتا ہے۔

ایسے قصوں میں قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہوگیا تھا اور واقعی طور پر کسی قالب میں جان پڑ گئی تھی بلکہ اس آیت میں غور کرنے سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے خون کر کے چھپادیا تھا اور بعض بعض پر خون کی تہمت لگاتا تھا سو خدائے تعالیٰ نے اصل مجرم کے پکڑنے کیلئے یہ تدبیر سمجھائی کہ ایک گائے کو ذبح کر کے لاش پر نوبت بہ نوبت اس کی بوٹیاں ماریں اصل خونی کے ہاتھ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو اس لاش سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جائے گا، اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق مسمریزم کا ایک شعبہ تھا جس کے بعض خواص میں یہ بھی ہے کہ جمادات یا مردہ حیوانیت میں ایک حرکت مشابہ بحرکت حیوانات پیدا ہوکر اس سے بعض مشتبہ اور مجہول امور کا پتہ لگ سکتا ہے۔ (ازالۃ الاوہام ص ۷۴۹/۷۵۰)

مثال دوم

(۲) اسی طرح اس کاذب نامراد نے اپنے ظہور کی علامتوں کو بیان کرتے ہوئے بعض ان آیات کی جن میں قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کیا گیا ہے ان کی معنوی تحریف کر کے کچھ سے کچھ بنادیا ہے چنانچہ لکھتا ہے چھٹا نشان ایک نئی سواری کا نکلنا ہے جو مسیح موعود کی خاص نشانی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے "وَاِذَا العِشَارُ عُطِّلَتۡ"، یعنی آخری زمانہ وہ ہے جب اونٹنیاں بے کار ہوجائیں گی۔

چھٹا نشان کتابوں اور نوشتوں کا بکثرت شائع ہونا جیسا کہ آیت "وَاِذَا الصُّحُفُ

نُشِرَتُ“ سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ بباعث چھاپے کی کلوں کے جس قدر اس زمانے میں کثرت اشاعت کتابوں کی ہوئی ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔

ساتواں نشان کثرت سے نہریں جاری کئے جانا جیسا کہ آیت ”واذا البحار فجرت“ سے معلوم ہوتا ہے، پس اس میں کیا شک ہے کہ اس زمانہ میں اس کثرت سے نہریں جاری ہوئی ہیں کہ جن کی کثرت سے دریا خشک ہوئے جاتے ہیں۔

نواں نشان زلزلوں کا متواتر آنا اور سخت ہونا ہے جیسا کہ آیت ”یوم ترجف الراجفة تتبعها الرادفة“ سے ظاہر ہے غیر معمولی زلزلے دنیا میں آرہے ہیں۔(حقیقۃ الوحی ص ۱۹۸)

مثال سوم

(۳) ولاَ تَقولُوُا لِمَن یّقتل فی سَبِیل اللّٰہ امواتا بل احیاء کے تحت لکھتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو سچائی پر مرے ہیں، اور یہ مراد لینا کہ جو کافروں کے مقابلہ میں لڑائی میں مارے گئے غلط اور فاسدانہ خیال ہے، مراد یہ ہے کہ جیسے سچائی زندہ رہتی ہے اسی طرح سے سچے لوگ مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں، یعنی وہ نجات پاتے ہیں، ان کو رنج وغم نہیں ہوگا۔

چونکہ انگریزوں کے اس خودکاشت نبی نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی میں اپنی اختراعی شریعت سے جہاد کو منسوخ کر دیا تھا اس لئے اس کے لئے ضروری تھا کہ اس آیت میں تحریف کرے۔

بغرض اختصار صرف تین مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے ورنہ مرزا قادیانی کی تصانیف میں آیات قرآنیہ کی تحریف کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں، ضرورت ہے کہ کوئی صاحب نظر عالم انھیں جمع کر کے شائع کرا دے اور اس مردود تفسیر کے ساتھ ساتھ مقبول تفسیر بھی نقل کر دی جائے تا کہ اس ضلالت انگیز فتنہ کے گرداب میں پھنسنے سے امت محفوظ رہے اور قرآن حکیم کی واضح اور روشن ہدایات پر اس امام تلبیس نے اپنے مفتریات اور تحریفات کا جو پردہ ڈالنا چاہا ہے اس کے تاروبود کا لعهن المنفوش ہو کر بکھر جائیں۔

انقلاب ایران کی حقیقت

قائد انقلاب کے عقائد ونظریات کے آئینہ میں

ضروری تمہید

انقلاب ایران ادھر ایک سال سے ہمارے ملک میں موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ جماعت اسلامی، مسلمانوں کا جدّت پسند اور عصری علوم وفنون سے وابستہ طبقہ اسے اسلامی انقلاب سمجھتا ہے۔ اور جو لوگ ان کی رائے سے اتفاق نہیں رکھتے انھیں فرسودہ خیال، قدامت پسند، حالات زمانہ سے بے خبر اور اتحاد دشمن جیسے اہانت آمیز خطابات سے نوازتے ہیں یہ گروہ اپنی رائے میں اس درجہ شدت رکھتا ہے کہ قائد انقلاب ''علامہ خمینی'' اور ان کے برپا کئے ہوئے اس انقلاب کے خلاف ایک حرف بھی سننا اسے گوارہ نہیں۔ اس کے بالمقابل قدیم تعلیم یافتہ، اور مذاہب عالم پر مبصرانہ نگاہ رکھنے والے حضرات ہیں جو اس انقلاب کو اسلامی انقلاب ماننے کے لئے تیار نہیں اور بڑی حد تک یہ حضرات بھی اپنی رائے میں جزم اور پختگی رکھتے ہیں۔

جماعت اسلامی اور اس کے ہم خیال گروہ کی تائید خود علامہ خمینی اور ان کے برق رفتار پریس سے بھی ہو رہی ہے۔ جو ابلاغ و ترسیل کے تمام تر ذرائع کو کام میں لا کر یہ نعرہ بلند کر رہے ہیں کہ ''ثورة اسلامية ولا سنية ولا شيعية'' اور ان کا پریس مسلسل اعلان کئے جا رہا ہے کہ پوری دنیا میں یہ واحد اسلامی انقلاب ہے جو اسلام کے اقتدار اور کتاب و سنت کے نفاذ کے لئے برپا کیا گیا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ملت اسلامیہ متحد ہو کر قائد انقلاب امام خمینی کی قیادت میں اسلام دشمن طاقتوں کا مقابلہ کرے، اسی کے ساتھ علامہ

خمینی کے نمائندے اور پوری دنیا میں پھیلے ہوئے مملکت ایران کے سفارت خانے بھی پوری قوت سے دنیا میں یہ بات پھیلا رہے ہیں کہ ایران کا یہ انقلاب درحقیقت اسلامی انقلاب ہے، جو اس وقت اتحاد بین المسلمین کی ایک علامت ہے، اس کی تائید اور حمایت، دنیا کے تمام بیکسوں اور مظلوموں کی حمایت ہے، اسلام اور اقتدار اسلام کی حمایت ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کا دینی اور مذہبی فریضہ ہے کہ وہ اپنے فروعی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر وحدت کلمہ، وحدت قبلہ، وحدت کتاب اور وحدت رسول کی بنیاد پر امام خمینی کے پرچم کے نیچے جمع ہو جائیں۔

علامہ خمینی کی اس عمومی دعوت کے بعد ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ ہم اسے کتاب وسنت کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھیں اگر ان بلند بانگ دعوؤں کے مطابق واقعی یہ انقلاب اسلام کے معیار پر پورا اتر رہا ہے تو اس کی حمایت ونصرت اور تائید وتقویت ہمارے لئے شرعی اعتبار سے ضروری ہو جائے گی۔ اور اگر وہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو پھر اس کی تردید ومخالفت بھی اسی طرح لازم ہوگی اس میں کسی قسم کی مساہلت ومداہنت شرعاً درست نہ ہوگی۔ یہ تحقیق وتفتیش اور جانچ وپڑتال اس وقت اور بھی ضروری ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ دعوت ایک ایسی شخصیت کی جانب سے دی جا رہی ہے جو صرف ایک مذہبی پیشوا ہی نہیں بلکہ ایک عظیم سیاسی لیڈر بھی ہے۔ کیونکہ اکثر اسلام مخالف سیاسی تحریکیں قرآن وسنت اور اتحاد بین المسلمین ہی کے پرشور نعروں کے ساتھ اٹھی ہیں اس بحث وتحقیق کے بغیر اس انقلاب کے بارے میں رد یا قبول کا کوئی بھی پہلو نہ مناسب ہے اور نہ معقول۔ اس لئے کسی فیصلہ سے پہلے اس کی واقعیت کو معلوم کر لینا ازبس ضروری ہے۔

کسی دعوت وتحریک کے صحیح رخ کو جاننے اور اس کی اصل حقیقت تک پہنچنے کا سیدھا اور معقول راستہ یہ ہے کہ اس کے قائد اور رہنما کے افکار ونظریات کا جائزہ لیا جائے جس کی قیادت اور سربراہی میں یہ تحریک پروان چڑھ رہی ہے۔ کیونکہ ہر تحریک اور ہر انقلاب کا مرکز ومحور اس کے اپنے قائد کے افکار ونظریات ہی ہوتے ہیں جس کے گرد اس کا سارا

نظام گردش کرتا ہے۔

قائد انقلاب علامہ خمینی کا مذہب

''علامہ خمینی'' مذہب شیعہ کے مشہور فرقہ اثنا عشریہ کے نہ صرف متبع اور پابند ہیں بلکہ اس کے زبردست عالم، مجتہد، پیشوا، داعی ونقیب اور نظریۂ ولایت فقہ کی روشنی میں امام غائب کے قائمقام اور نائب بھی ہیں۔ ان کی قیادت میں ایران کے اندر جو سیاسی انقلاب آیا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں وہاں جو حکومت قائم ہوئی ہے اس کی تنظیم وتشکیل مذہب اثناعشریہ ہی کے اصول ومنہاج پر کی گئی ہے۔ چنانچہ ''دستور ایران کی دفعہ ۱۲'' میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ اس حکومت کا مذہب "الجعفری الاثنا عشری" ہوگا۔ یہ دفعہ دستور کی ان اساسی وبنیادی دفعات میں سے ہے جس میں کسی قسم کا تغیر اور حذف وترمیم نہیں ہوسکتی۔

المادة الثانية عشر: "الدين الرسمى لايران هو الاسلام والمذهب الجعفرى الاثنىٰ عشرى" وهذه المادة غير قابلة للتغيير(۱)

(دفعہ (۱۲): ایران کا دین: اسلام ہے اور مذہب جعفری اثنا عشری۔ اس دفعہ میں کبھی کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی۔)

اور حکومت کے نظام عمل کی تعیین وتحدید دستور کی دفعہ ۲ میں اس طرح کی گئی ہے:

الجمهورية الاسلامية نظام على الامامة والقيادة المستمرة وان هذا النظام يقوم على اساس الكتاب وسنة المعصومين(۲)

(جمہوریہ اسلامیہ (ایران) کا نظام جاری رہنے والی امامت وقیادت پر ہے جو کتاب اور ائمہ معصومین کی سنت کی بنیاد پر قائم ہے۔)

اس مملکت جمہوری اسلامی کا سربراہ اور امیر کن صفات کا حامل ہوگا اس کی وضاحت

---

(۱) الخمینی بین التطرف والاعتدال ص:۵۵ تالیف ڈاکٹر عبداللہ محمد غریب۔

(۲) الخمینی بین التطرف والاعتدال ص:۵۵ تالیف ڈاکٹر عبداللہ محمد غریب۔

دستور کی دفعہ ۵ میں ان الفاظ میں کی گئی ہے:

تکون ولایت الامر والامة فی غیبة الامام المهدی عجل اللّٰہ فرجه فی جمهوریة ایران الاسلامیة للفقیه العادل النقی العارف بالعصر الخ(۱)

(امام مہدی کے غیبت کے زمانہ میں جمہوریہ اسلامیہ ایران کا امیر وامام اپنے عہد کا فقیہ، عادل، پاکباز اور عصر حاضر سے واقفیت رکھنے والا ہوگا۔)

دستور کی ان دفعات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ علامہ خمینی کا برپا کیا ہوا انقلاب مذہب شیعہ کے فرقۂ اثنا عشریہ کی بنیادوں پر قائم ہے۔ یہی انکشاف خود علامہ خمینی کی تحریروں سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ فرقۂ اثنا عشریہ کے عقائد واصول اور اعمال وفروع کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تاکہ ان کے برپا کئے ہوئے انقلاب کے بارے میں صحیح فیصلہ تک پہنچا جاسکے کہ وہ اسلامی انقلاب ہے یا غیر اسلامی۔

(۱) مسئلہ امامت

شیعہ بالخصوص فرقۂ اثنا عشریہ کے مذہب کی عمارت درحقیقت عقیدہ امامت کی بنیاد پر قائم ہے چنانچہ فلسفۂ تاریخ کے امام علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

ومذاهبهم جمیعا متفقون علیه ان الامامة لیست من المصالح العامة التی تفوض الی نظر الامة و یتعین الاقامة بها بتعینهم بل هو رکن الدین وقاعدة الاسلام ولا یجوز لنبی اغفاله ولا تفویضه الی الامة بل یجب علیه تعیین الامام لهم ویکون معصوما من الکبائر والصغائر وان علیًا رضی اللّٰہ عنه هو الذی عینه صلوات اللّٰہ وسلامه(۲)

(مذہب شیعہ کے تمام فرقے اس پر متفق ہیں کہ امامت مصالح عامہ میں سے نہیں

(۱) الخمینی بین التطرف والاعتدال ص: ۵۵ تالیف ڈاکٹر عبداللہ محمد غریب۔

(۲) مقدمہ ابن خلدون ص: ۱۶۴۔

ہے کہ اسے امت کے فکر وروائے پر چھوڑ دیا جائے اور امام کا تقرر ان کے مقرر کرنے سے ہو۔ بلکہ یہ دین کا رکن اور اسلام کی بنیاد ہے اور پیغمبر کے لئے نہ اس سے غفلت برتنا جائز ہے اور نہ اسے امت کے سپرد کرنا بلکہ اس پر واجب ہے کہ خود امت کے لئے امام نامزد کر جائے اور امام کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے پاک ومعصوم ہوگا چنانچہ حضرت علی صلوات اللہ وسلامہ کی وہ عظیم شخصیت ہے جسے نبی ...... نے منصب امامت پر متعین فرمایا۔)

علامہ خمینی ولایت وامامت کے سلسلہ میں خود اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

نحن نعتقد بالولایت ونعتقد ضرورة ان یعین النبی خلیفة من بعده وقد فعل(۱)

(ہم امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ نبی (......) کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے بعد کے لئے خلیفہ متعین کریں اور آپ...... نے ایسا کیا۔)

علامہ خمینی تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ فریضۂ رسالت کی تکمیل اور ادائیگی امام وخلیفہ کے متعین کرنے پر موقوف تھی اگر بالفرض آپ ...... اپنے بعد کے لئے خلیفہ متعین نہ کر جاتے تو فریضۂ رسالت کی ادائے گی میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے (نعوذ باللہ من هذه الهفوة) ملاحظہ ہو ان کی اصل عبارت:

وکان تعیین خلیفة من بعده عاملا متمما ومکملا لرسالته(۲)

(اور اپنے بعد کے لئے خلیفہ متعین کر جانا ہی وہ عمل تھا جس سے آپ کے فریضۂ رسالت کی تکمیل ہوئی۔)

ایک دوسرے موقع پر مزید وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

بحیث کان یعتبر الرسولؐ لولا تعیّن الخلیفة من بعده غیر مبلغ رسالته.(۳)

(اگر رسول (......) اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد نہ کرتے تو سمجھا جاتا کہ آپ نے

(۱) الحکومة الاسلامیہ ص:۱۸ بحوالہ انقلاب ایران امام خمینی اور شیعیت مولفہ مولانا منظور نعمانی۔
(۲) الحکومة الاسلامیہ للخمینی ص:۱۹ بحوالہ سابق۔
(۳) الحکومة الاسلامیة للخمینی ص:۲۳ بحوالہ سابق۔

رسالت کا فریضہ ادا نہیں کیا۔)

اور بات اسی پر ختم نہیں ہوجاتی کہ یہ ان کا اپنا عقیدہ ہے بلکہ وہ اس عقیدہ کی دوسروں تک دعوت وتبلیغ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ وہ اپنے ماننے والوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ تمام لوگوں کو ولایت کی حقیقت بتادو اور یہ اعلان کردو کہ ہم ولایت وامامت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ہمارا یہ نظریہ ہے کہ رسول (......) نے اللہ کے حکم سے اپنا خلیفہ نامزد فرمایا تھا۔

عرفوا الولاية للناس كما هي قولوا لهم انا نعتقد بالولاية وبان الرسول (صلى الله عليه وسلم) استخلف بامر الله. (۱)

(تمام لوگوں کو امامت کی حقیقت سمجھا دو اور ان سے کہہ دو کہ ہم امامت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسول...... نے اللہ کے حکم سے اپنا خلیفہ نامزد کیا۔)

علامہ خمینی کے عقیدہ کے مطابق نبی کریم ...... نے امر خداوندی کے تحت اپنے بعد کے لئے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں پر حاکم اور والی ہونے کی حیثیت سے نامزد فرمایا پھر امامت وولایت کا یہ منصب ایک امام سے دوسرے امام تک منتقل ہوتا رہا جس کا سلسلہ امام غائب مہدی منتظر پر جاکر ختم ہوگیا۔ علامہ خمینی لکھتے ہیں:

قد عين من بعده واليًا على الناس اميرالمومنين واستمر الولاية من امام الى امام الى ان انتهى الامر الى الحجة القائم(۲)

(رسول اللہ...... نے اپنے بعد کے لئے امیر المومنین علیؑ کو لوگوں پر حاکم نامزد فرمایا اور امامت کا یہ منصب ایک امام سے دوسرے تک پہنچتا رہا یہاں تک کہ یہ سلسلہ امام الحجۃ (امام غائب) پر آکر ختم ہوگیا۔)

جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے کہ شیعوں کا یہ بنیادی اور اساسی عقیدہ ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر علامہ خمینی نے بھی اپنی مشہور کتاب الحکومۃ الاسلامیہ اور دوسری تصانیف میں اس پر خاصا زور صرف کیا ہے اور مختلف اسلوب سے بار بار اس مسئلہ سے متعلق اپنے عقیدہ ونظریہ کی وضاحت کی ہے۔

(۱) الحکومۃ الاسلامیۃ ص: ۲۰ بحوالہ الخمینی بین التطرف والاعتدال۔ (۲) الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی ص: ۹۸۔

عقیدۂ امامت پر ایک نظر

آیئے علامہ خمینی کے اس عقیدہ کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ان کا یہ عقیدہ کتاب و سنت سے کس حد تک مطابقت رکھتا ہے قرآن مبین اور احادیث رسول...... کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے جتنے اہم اور بنیادی عقائد ہیں، مثلاً توحید، رسالت، آخرت وغیرہ انھیں کتاب وسنت میں بغیر کسی پیچیدگی کے صاف صاف، صریح اور واضح الفاظ میں اس قطعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ان میں نہ کوئی اشتباہ ہے اور نہ کسی تاویل کی گنجائش۔ اس کے برخلاف مسئلہ امامت کو دیکھئے! پورے قرآن اور سارے ذخیرہ حدیث میں آپ کو ایک آیت اور ایک صحیح حدیث ایسی نہیں ملے گی جس میں وضاحت وصراحت کے ساتھ اس عقیدہ کو بیان کیا گیا ہو۔ قرآن وحدیث کی اس مسئلہ کی جانب سے یہ بے اعتنائی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ مسئلہ امامت میں شیعی نقطۂ نظر (جس پر بقول علامہ خمینی فریضۂ رسالت کی ادائے گی کی تکمیل موقوف ہے) خود ان کا ایجاد کردہ اور گھڑا ہوا ہے جس کا دین اسلام سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

یہ نقطۂ نظر اس پہلو سے بھی قطعی غلط اور باطل ہے کہ اس عقیدہ کو تسلیم کر لینے کے بعد حضرات خلفاء ثلثہ (صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی رضی اللہ عنہم) کی وہ حیثیت جو خدا اور رسول خدا کی جناب سے انھیں عطا کی گئی ہے سرے سے ختم ہو جاتی ہے اور یہ حضرات خلیفہ راشد کے بجائے (نعوذ باللہ) امیر غاصب اور نبی کریم ...... کے اطاعت گذار اور فرماں بردار ہونے کے برعکس انتہائی مخالف اور نافرمان ٹھہرتے ہیں کہ آپ ...... کے دنیا سے پردہ فرماتے ہی آپ کے نامزد خلیفۂ برحق کو پس پشت ڈال کر خود امام وخلیفہ بن بیٹھے۔ اور دیگر تمام صحابہ اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بھی الزام آئے گا کہ انھوں نے متفقہ طور پر غیر مستحق لوگوں کی امامت و ریاست کو کیسے قبول کرلیا اور مدت العمر ان کی اطاعت واعانت اور تعریف وتوصیف کیسے کرتے رہے۔ پھر بات یہیں پر آکر ختم نہیں ہوگی بلکہ اس صورت میں لازمی طور پر یہ ماننا ہوگا کہ جس معلم اخلاق اور ہادیٔ اعظم کو

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے بندوں کی ہدایت اور تعلیم وتربیت کے لئے بھیجا تھا وہ اپنی تئیس سال کی تمام تر اور انتھک کوششوں کے باوجود چند افراد بھی ایسے تیار نہ کرسکا جو اس کے وفا شعار ہوتے اور اس کے جاری کئے ہوئے نظام کو برقرار رکھتے۔ کیا تہذیب وتمدن اور ادیان وملل کی تاریخ میں کسی مصلح اور رہنما کی ناکامی کی ایسی مثال مل سکتی ہے۔

بات پہنچی ہے کہاں تک یہ تجھے کیا معلوم

اس مسئلہ سے متعلق اہل سنت اور جمہور مسلمین کے نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ امام اور خلیفہ کا تقرر نہ اللہ تعالیٰ پر لازم ہے اور نہ رسول خدا نے حضرت علی کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد فرمایا اور نہ یہ آپ کی ذمہ داری تھی۔ بلکہ اس کا تعلق مصالح عامہ سے ہے اور خود مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی جماعت میں سے شرعی ضابطہ کے مطابق کسی شخص کو اپنا امیر ورئیس منتخب کرلیں اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس کی اتباع، اطاعت اور امداد واعانت کریں چنانچہ اسی شرعی دستور کے مطابق حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آں حضرت...... کے بعد حضرت صدیق اکبر کو اپنا امام وامیر منتخب کیا اور مع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تمام صحابہ کرام امور شرعیہ میں ان کی اطاعت اور پیروی کو اپنے اوپر لازم سمجھتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد اسی دستور کے مطابق حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم علی الترتیب امیر وخلیفہ منتخب ہوئے یہ چاروں بزرگ خلیفہ راشد ہیں اور ان کی خلافت خلافت راشدہ۔ فرقۂ شیعہ کے علاوہ یہی جمہور امت کا مذہب ہے۔ قرآن وحدیث اور عمل صحابہ سے اسی کی تائید وتصویب ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے ازالۃ الخفاء، تحفۂ اثنا عشریہ، اور امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوئیؒ کی اس موضوع سے متعلق کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

مذہب اثنا عشری میں ائمہ کا مرتبہ

شیعہ مذہب میں ''ائمہ'' ان محیر العقول اور مافوق الفطرۃ ہستیوں کو کہتے ہیں۔ جن کی کائنات کے ذرے ذرے پر حکومت ہوتی ہے اور دنیا وآخرت دونوں ان کے قبضے میں

ہیں ان کا علم تمام چیزوں کو محیط ہوتا ہے، ماضی و مستقبل اور حاضر و غائب کی کوئی شے بھی ان سے مخفی نہیں ہوتی، ان کی موت خود ان کے اختیار اور فیصلہ کے تابع ہوتی ہے۔ وہ نہ صرف گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں بلکہ بھول، چوک سے بری اور وہم وشک سے بالاتر ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کی طرح فرشتے ان کے پاس وحیٔ ربانی لے کر نازل ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء ہی کی طرح ان کی اطاعت بھی فرض ہوتی ہے۔ اور ان کی معرفت شرائط ایمان سے ہے (وغیرہ ذلک من الھفوۃ نعوذ باللہ) انبیاء و رسل سے بالاتر اور خدائی صفات کی حامل یہ شخصیتیں مذہب اثنا عشری کے اعتبار سے کل بارہ ہیں جن کے اسماء انھیں کی اصطلاح کے مطابق یہ ہیں۔

(۱) حضرت امیر المومنین امام علی مرتضی علیہ السلام (۲) حضرت امام حسن علیہ السلام (۳) حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام (۴) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام (۵) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام (۷) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۸) حضرت امام علی رضا علیہ السلام (۹) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام (۱۰) حضرت امام علی نقی علیہ السلام (۱۱) حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام۔

(۱۲) حضرت امام غائب حجۃ العصر محمد علیہ السلام۔ جن میں گیارہ حضرات تو دنیا میں تشریف لاکر اپنے اپنے عہد میں اللہ کی حجت قائم فرما کر دار آخرت کو سدھار گئے لیکن بارہویں امام اپنی پیدائش کے چوتھے یا پانچویں سال معجزانہ طور پر غائب ہو گئے اور اب تک زندہ ایک غار میں پوشیدہ ہیں شیعہ جن کے ظہور کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے ہیں۔ شیعی نقطۂ نظر سے اس وقت وہی حجۃ اللہ فی الارض ہیں اور دنیا انھیں کے وجود باوجود سے قائم و برقرار ہے۔

ذیل میں ائمہ سے متعلق کتب شیعہ کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

دنیا و آخرت ان کے زیر تصرف ہیں

محمد بن یعقوب کلینی الجامع الکافی میں امام علی رضا سے نقل کرتے ہیں (معلوم ہونا

چاہیے کہ الجامع الکافی کا شیعہ کے نزدیک وہی درجہ ہے جو اہل سنت والجماعت کے یہاں الجامع البخاری کا ہے)۔

والارض کلها للامام قال اللّٰه تعالیٰ "اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ والْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ واهل البیت هم الذین اورثهم اللّٰه الارض وهم المتقون(۱)

(تمام زمین امام کی ملک ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یقیناً زمین اللہ کی ہے اس کا وارث بناتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور انجام کار متقیوں کے لئے ہے اور اہل بیت ہی وہ بندے ہیں جنھیں اللہ نے زمین کا وارث بنایا اور یہی متقی ہیں)۔

ایک دوسرے موقع پر امام جعفر صادق کا فرمان نقل کرتے ہیں:

اما علمت ان الدنیا والآخرة للامام یضعها حیث شاء ویدفعها الی من یشاء(۲)

(کیا تمھیں معلوم نہیں کہ دنیا وآخرت امام کی ملکیت ہے وہ اسے جہاں چاہیں رکھیں اور جسے چاہے عطا کردیں)۔

ائمہ کو ماضی ومستقبل کا علم ہوتا ہے اور انکی موت انکے اختیار میں ہے

والائمة اذا شاءوا ان یعلم شیئاً اعلمهم اللّٰه ایاه وهم یعلمون متٰی یموتون ولا یموتون الا باختیارهم وهم یعلمومن علم ما کان وعلم مایکون ولا یخفیٰ علیهم شیء(۳)

(ائمہ جب کسی چیز کو جاننا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں بتادیتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ انکی وفات کب ہوگی اور ان کی موت ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہے جو کچھ ہو چکا ہے اور قیامت تک جو ہونے والا ہے سب کی انھیں خبر ہے ان پر کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں ہے)۔

(۱) الکافی ص:۲۸۹۔ (۲) الکافی ص:۲۵۹۔

(۳) ایضاً ص:۱۲۵و۱۲۶۔

ائمہ گناہ اور بھول چوک سے بری ہیں

کلینی ہی امام علی رضا سے ائمہ کی صفات سے متعلق ایک طویل روایت نقل کرتے ہیں جس میں امام رضا فرماتے ہیں کہ

الامام المطهر من الذنوب والمبرأ من العيوب.

(امام تمام گناہوں سے پاک اور جملہ عیوب سے بری ہوتا ہے)

اسی روایت میں آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں۔

فهو معصوم قد امن الخطاء والزلل والعشور يخصه الله بذلك ليكون حجته على عباده وشاهده على خلقه(۱)

(امام معصوم ہوتا ہے غلطی، بھول چوک اور لغزش سے محفوظ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے معصومیت کی خصوصیت سے اسے اس لئے نوازا ہے تا کہ وہ اللہ کے بندوں پر اس کی طرف سے حجت ہو اور اس کی مخلوق پر اس کا شاہد و گواہ ہو)۔

ائمہ پر فرشتے وحی لے کر نازل ہوتے ہیں

امام علی رضا سے ایک شخص نے رسول، نبی اور امام کے درمیان فرق معلوم کیا تو امام نے اس کے جواب میں فرمایا:

الرسول هو الذى ينزل عليه جبريل فيراه ويسمع كلامه وينزل عليه الوحى، والنبى ربما يسمع الكلام و ربما رأى الشخص ولم يسمع، والامام هو الذى يسمع كلامه ولا يرى الشخص (۲)

(رسول وہ ہے جس پر فرشتہ وحی لے کر نازل ہوتا ہے اور وہ فرشتہ کا کلام بھی سنتا ہے اور اس کی صورت بھی دیکھتا ہے اور نبی وہ ہے جو کبھی فرشتہ کا کلام سنتا ہے اور اس کی صورت

(۱) الکافی ص:۹۶و۹۷ بحوالہ الصراع بین الاسلام والوثنیہ۔

(۲) ایضاً ص:۸۲ بحوالہ سابق۔

نہیں دیکھتا اور کبھی صورت دیکھتا ہے اور کلام نہیں سنتا، اور امام وہ ہے جو صرف فرشتہ کا کلام سنتا ہے صورت نہیں دیکھتا۔)

اللہ کی طرح امام کی معرفت بھی شرائط ایمان سے ہے

امام محمد باقر یا امام جعفر صادق سے یہی کلینی نقل کرتے ہیں کہ

عن احدهما انه قال لا يكون العبد مومنا حتى يعرف اللّٰه ورسوله والائمة كلهم وامام زمانه (۱)

(امام باقر یا امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ وہ اللہ اس کے رسول، تمام ائمہ اور خود اپنے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل نہ کرلے)۔

ائمہ رسول کے ہم مرتبہ ہیں اور رسولوں کی طرح انکی اطاعت بھی فرض ہے

امام علی رضا فرماتے ہیں

واللّٰه امر بطاعتهم ونهى عن معصيتهم وهم بمنزلة رسول اللّٰه الا انهم ليسوا بانبياء ولا يحل لهم من النساء ما يحل للانبياء فاما ماغير ذلك فهم بمنزلة رسول اللّٰه(۲)

(اللہ تعالیٰ نے ائمہ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور ان کی نافرمانی سے منع فرمایا ہے وہ رسول ہی کے درجہ میں ہیں البتہ رسول نہیں ہیں اور ان کے لئے عورتوں کی وہ تعداد جائز نہیں ہے جو انبیاء کے لئے جائز ہے اس کے علاوہ بقیہ تمام امور میں ائمہ رسول اللہ ہی کے درجہ میں ہیں۔)

الکافی ہی میں امام جعفر صادق سے روایت ہے۔

عن ابى الصباح قال اشهد انى سمعت ابا عبد اللّٰه يقول اشهد ان عليا

(۱) ایضاً ص:۱۰۵، ایران انقلاب امام خمینی وشیعیت۔ (۲) الکافی ص:۱۱۳۔

امام فرض اللّٰہ طاعته والحسن امام فرض اللّٰہ طاعته وان الحسين امام فرض اللّٰہ طاعته وان علی بن الحسين امام فرض اللّٰہ طاعته و ان محمد بن علی امام فرض اللّٰہ طاعته. (۱)

(ابوالصباح سے روایت ہے انھوں نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ علی امام تھے اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے، حسن امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے۔ حسین امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے، علی بن حسین امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے اور محمد بن علی امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے۔)

ائمہ کے متعلق شیعی نقطۂ نظر معلوم کر لینے کے بعد آیئے اب امام خمینی قائد انقلاب کی تحریرات کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ ائمہ کے بارے میں ان کا عقیدہ ونظریہ کیا ہے۔

کائنات کا ذرہ ذرہ امام کے اقتدار کے آگے سرنگوں ہے

علامہ خمینی اپنی مشہور کتاب الحکومۃ الاسلامیہ میں ائمہ کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فان للامام مقاما محمودا ودرجة سامية وخلافة تكوينية تخضع لولايتها و سيطرتها جميع ذرات هذا الكون(۲)

(امام کو وہ اعلیٰ مقام اور بلند درجہ اور تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے اقتدار وسلطنت کے آگے سرنگوں ہوتا ہے۔)

ائمہ کا مرتبہ ملائکہ مقربین اور انبیاء ومرسلین سے بلند تر ہے

علامہ خمینی لکھتے ہیں کہ یہ ہمارے مذہب کا اساسی اور بنیادی عقیدہ ہے کہ ائمہ کا

---

(۱) ایضاً ص:۱۰۹ بحوالہ ایرانی انقلاب۔

(۲) الحکومۃ الاسلامیہ ص:۵۲ بحوالہ الخمینی بین التطرف والاعتدال۔

مقام ومرتبہ ملائکہ مقربین اور انبیاء ومرسلین سے بھی بلند اور بالا تر ہے۔ ملاحظہ ہو ذیل کی عبارت:

ومن ضروريات مذهبنا ان لائمتنا مقاما لا يبلغه ملك مقرب ولانبي مرسل (۱)

(ہمارے مذہب کے بنیادی عقائد میں سے ہے کہ ہمارے ائمہ کو وہ مقام ومرتبہ حاصل ہے جہاں تک مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کی بھی رسائی نہیں)۔

ائمہ سہو اور غفلت سے محفوظ ہیں

امام خمینی کے نزدیک ان کے ائمہ معصومین سہو وغفلت اور بھول چوک سے بھی محفوظ ہیں لکھتے ہیں

والائمة الذين لا نتصور فيهم السهو والغفلة (۲)

(ائمہ وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کے بارہ میں ہم بھول چوک اور غفلت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔)

ائمہ کی تعلیمات احکام قرآنی کی طرح واجب الاتباع ہیں

امام خمینی بھی شیعی معتقدات کی طرح ائمہ کو مفروض الاطاعت سمجھتے ہیں چنانچہ اپنی اسی کتاب الحکومۃ الاسلامیہ میں تحریر کرتے ہیں۔

ان تعاليم الائمة كتعاليم القرآن لاتختص جيلا خاصا وانما هى تعاليم للجميع فى كل عصر ومصر والى يوم القيٰمة يجب تنفيذها واتباعها.(۳)

(ائمہ کی تعلیمات قرآنی تعلیمات ہی کی طرح ہیں وہ کسی طبقہ کے ساتھ خاص نہیں

(۱) الحکومۃ الاسلامیہ ص:۵۲ بحوالہ سابق۔

(۲) ایضاً ص:۹۱ بحوالہ سابق۔

(۳) ایضاً ص:۱۱۳ بحوالہ ایرانی انقلاب خمینی اور شیعیت۔

ہیں بلکہ وہ ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے لوگوں کے لئے ہیں اور تا قیامت ان کی تنفیذ اور ان کی اتباع واجب ہے۔)

اگر چہ کتب شیعہ مثلاً اصول کافی، الوشعیہ، جلاء العیون، حیات القلوب، اساس الاصول وغیرہ ''ائمہ'' سے متعلق محیر العقول روایات سے بھری پڑی ہیں لیکن بخوف طوالت ہم اس فسانہ عجائب کو علامہ خمینی کی ایک تقریر کے اقتباس پر ختم کرتے ہیں۔ خمینی صاحب نے یہ سنسنی خیز تقریر نیشنل ٹیلی ویژن کے دوسرے حصہ کے افتتاح کے موقع پر کی تھی جسے ایران کے قومی اخبار ''تہران ٹائمز'' نے اپنی ۲۹ر جون ۱۹۸۰ء کی اشاعت میں نقل کیا تھا اور اسی کے حوالہ سے سعودی عرب اور کویت کے روزنامہ الرای العام وغیرہ نے شائع کیا تھا۔ امام خمینی اپنی اس تقریر میں نوا سنج ہیں:

''اب تک کے سارے رسول دنیا میں عدل وانصاف کے اصولوں کے قیام ونفاذ کے لئے آئے تھے لیکن وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حتی کہ نبی آخر الزماں محمد...... جو انسانیت کی اصلاح اور مساوات قائم کرنے کے لئے آئے تھے وہ بھی کامیاب نہ ہو سکے وہ واحد ہستی جو دنیا میں عدل و مساوات قائم کر سکتی ہے اور دنیا سے بد دیانتی کا خاتمہ کر سکتی ہے امام مہدی کی ہستی ہے اور وہ مہدی موعود ضرور ظاہر ہوں گے۔''

اس تقریر کو تہران ریڈیو نے بھی ۳۰ر جون ۱۹۸۰ء کو نشر کیا تھا حالانکہ یہ مہدی موعود جن کے مقابلہ میں (نعوذ باللہ) سید الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ...... کو امام خمینی ناکام قرار دے رہے ہیں ایک افسانوی شخصیت سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے اور ان کا وجود تاریخی دلائل سے اب تک ثابت نہیں کیا جا سکا ہے بلکہ جو بات ان کے بارے میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی مفروضہ ہستی ہے جو نیست سے ہست ہوئی ہی نہیں چنانچہ امام حسن عسکری (جنھیں مہدئ موعود اور امام منتظر کا والد قرار دیا جاتا ہے) کے متعلق تاریخ کی یہی شہادت ہے کہ وہ لاولد فوت ہوئے جیسا کہ خود ان کے بھائی جعفر نے بادشاہ وقت کے سامنے یہ شہادت دی تھی کہ میرے بھائی حسن عسکری لاولد فوت ہوئے

ہیں اوران کی جائداد دوسروں میں تقسیم کردی گئی ہے یہ ہے حقیقت امام منتظراور حجۃ العصر کی جن کے متعلق یہ بلند بانگ دعوے کئے جارہے ہیں فیا للعجب.

شاید آپ کے ذہن میں یہ بات کھٹکتی ہو کہ جب سرے سے امام حسن عسکری کے کوئی اولاد ہی نہیں تھی تو اثنا عشریہ کو آخر ایسی کون سی مجبوری پیش آ گئی کہ انھیں خواہ مخواہ کے لئے امام حسن عسکری کا ایک فرضی بیٹا گھڑنا پڑا؟ تو معلوم ہونا چاہئے کہ اتنے بڑے تاریخی جھوٹ بولنے پر خود ان کا عقیدہ انھیں مجبور کررہا ہے۔ چونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ امام حسین کے بعد سلسلۂ امامت اماموں ہی کے اولاد سے وابستہ رہے گا۔ اس لئے جب ان کے گیارہویں امام حضرت امام حسن عسکری لاولد فوت ہوگئے تو انھیں اس عقیدہ کی بناء پر یہ مشکل پیش آ گئی کہ اب بارہواں اور آخری امام کس کو قرار دیا جائے بالآخر اس مشکل کے حل کی یہ تدبیر نکالی گئی کہ مشہور کردیا گیا کہ امام حسن عسکری کی وفات سے چار پانچ سال قبل ان کے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جسے مصلحتاً لوگوں کی نگاہوں سے چھپا کر رکھا جاتا تھا اس لئے کوئی انھیں دیکھ نہ سکا پھر اپنے والد کی وفات سے دس دن پہلے ہی یہ غائب ہوگئے اور تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال سے غیبوبیت ہی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ یہ ہے امام غائب موعود منتظر کی طلسماتی داستان اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ حقیقت واقعہ کیا ہے؟

ائمہ سے متعلق علامہ خمینی اور انکے مذہب اثنا عشریہ کے عقائد کا خلاصہ

ائمہ سے متعلق علامہ خمینی اوران کے مذہب اثنا عشریہ کے عقائد کی بحث کے اختتام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حاصل کلام کے طور پر ان عقائد کا خلاصہ پیش کردیا جائے تاکہ پوری بات پیش نظر رہے اور مقصد تحقیق تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

خلاصۂ بحث

(۱) اماموں کا اقتدار کائنات کے ذرہ ذرہ پر ہے دنیا و آخرت دونوں ان کے قبضۂ تصرف میں ہیں۔

(۲) اماموں کا علم تمام ما کان و ما یکون کو محیط ہے اور کوئی ظاہر و پوشیدہ شے ان کے علم سے باہر نہیں۔

(۳) اماموں کو نہ صرف اپنی موت کا علم ہوتا ہے بلکہ ان کی اپنی موت خود ان کے اختیار میں ہوتی ہے۔

(۴) اماموں کی معرفت شرائط ایمان سے ہے۔

(۵) اماموں کی اطاعت خدا و رسول کی طرح فرض اور ان کی تعلیمات قرآنی تعلیم کی طرح ہمہ گیر اور واجب الاطاعت ہیں۔

(۶) امام تمام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

(۷) امام بھول چوک اور خطا و نسیان سے بھی بری ہوتے ہیں۔

(۸) اماموں کے پاس فرشتہ وحی ربانی لے کر نازل ہوتا ہے۔

ان مذکورہ عقائد پر ایک اجمالی نظر

اب ترتیب وار ہر عقیدے پر اجمالی نظر ڈالتے چلئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ عقائد قرآن و حدیث سے کس حد تک مطابقت رکھتے ہیں۔

۱- اس عقیدہ کے ذریعہ درحقیقت علامہ خمینی اور ان کے اہل مذہب نے اپنے اماموں کو خدائی کے درجہ میں پہنچا دیا ہے کیونکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کا اقتدار اور دنیا و آخرت میں تصرفِ مطلق یہ خاص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کوئی بھی مخلوق خواہ وہ ولی، امام، فرشتہ، نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو کسی کو بھی یہ اختیار و اقتدار حاصل نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے "لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" الآیۃ زمین اور آسمان کی حکومت اسی کی ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" غور سے سن لو ساری مخلوقات اور تمام معاملات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ ایک جگہ یوں ارشاد ہے۔ "اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر. اے اللہ اے ملک کے مالک آپ جسے

چاہتے ہیں ملک عطا کرتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں چھین لیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں عزت سے نوازتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ذلیل کردیتے ہیں آپ ہی کے قبضۂ تصرف میں تمام بھلائیاں (اور برائیاں) ہیں یقیناً آپ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔

غرضیکہ قرآن مجید میں اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جن سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تصرف مطلق حاصل ہے اور اسی کے اقتدار اور سلطنت میں پوری کائنات ہے خدائے وحدہ لاشریک لہ کی قدرت کاملہ اور تصرفِ عامہ میں نہ کوئی شریک وساجھی ہے اور نہ ہی سہیم ومساوی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں نے اپنے اماموں کے بارے میں یہ عقیدہ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث سے سرقہ کیا ہے۔

۲- یہ بھی خالص شرکیہ عقیدہ ہے کیونکہ ما کان و ما یکون کا علم سوائے ذات وحدہ لاشریک لہ کے کسی کو بھی نہیں ہے لایخفیٰ علیہ شئ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات قرآنیہ۔

(۱) وِلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ.

آسمان وزمین کے کل مخفیات کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور اسی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔

بس یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ زمین وآسمان کی کوئی مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے علم محیط سے باہر نہیں قاضی بیضاوی "لِلّٰهِ غَيْبُ السمٰوٰت والارض" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "خاصة لا يخفى عليه خافية فيهما" الفاظ کے فرق کے ساتھ یہی تفسیر خازن مدارک، السراج المنیر اور جامع البیان میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔(۱)

(۲) وِلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ.

صرف اللہ ہی کے علم میں آسمان وزمین کے مخفیات ہیں اور نہیں قیامت کا وقوع مگر پلک جھپکنے کی طرح ہے۔

(۱) بیضاوی، ج:۱،ص:۳۳۹، خازن، ج:۳،ص:۲۱۲۔ مدارک، ج:۲، ص:۱۶۱۔ السراج المنیر، ج:۲، ص:۸۵۔ جامعہ البیان، ج:۱،ص:۱۸۷۔

امام ابومسعود اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں اى وللّٰه خاصة لا لاحد غيره استقلالا ولا اشتراكاً غيب السمٰوٰت والارض اى الامور الغائبة عن علوم المخلوقين قاطبة(۱) یعنی خاص اللہ ہی کو ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں نہ مستقل طور پر اور نہ مشترک طور پر آسمان وزمین کے غیب کا علم یعنی ان امور کا علم صرف اللہ ہی کو ہے جو تمام مخلوق کے علم سے غائب ہیں۔

(۳) قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰه.

تو کہہ دے نہیں جانتے ہیں غیب کو جو آسمان وزمین میں ہیں سوائے اللہ کے۔

علامہ ابن القیم نے اس آیت کریمہ کی نہایت عمدہ تفسیر فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں ان من فى السَّمٰوٰت والارض ههنا ابلغ صيغ العموم وليس المراد بها معينا فهى فى قوة احد المنفى بقولك لا يعلم احد الغيب الا اللّٰه واتى فى هذا بذكر السموات والارض تحقيقا لاراده العموم والاحاطة فالكلام مود معنى لا يعلم احد الغيب الا اللّٰه الخ(۲) یعنی من السمٰوات والارض اس جگہ عموم کا بلیغ ترین صیغہ ہے ان کا معنی متعینہ مراد نہیں ہے اس لئے یہ جملہ لا یعلم احد الغیب الا اللہ کا معنی ادا کر رہا ہے اور السمٰوات والارض کا ذکر عموم میں وسعت اور گیرائی پیدا کرنے کے لئے کیا گیا ہے اس لئے آیت شریف کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا۔

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں ان الانبياء لم يعلموا المغيبات من الاشياء الاما اعلمهم اللّٰه احيانا وذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد النبى صلى اللّٰه عليه وسلم بعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ لا يعلم من فى السموات والارض الغيب الا اللّٰه. ”یقیناً حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مخفی اشیاء کو نہیں جانتے مگر جن کا علم کبھی کبھی اللہ تعالیٰ انھیں عطا فرما دیتا ہے اور علماء احناف نے اس شخص کی تکفیر کی صراحت کی ہے جو یہ اعتقاد رکھے کہ نبی کریم ...... غیب کو جانتے تھے۔“

جب حضرات انبیاء اور خود سید المرسلین کا معاملہ اس بارے میں یہ ہے تو پھر ائمہ را چہ رسد۔

(۱) ابوسعود، ص: ۳۵۷۔ (۲) البدائع الفوائد، ج: ۳، ص: ۶۳۔

(۴)شیعوں کا یہ عقیدہ بھی قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے صریح خلاف ہے ملاحظہ ہو آیت کریمہ

اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ وَيَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ.

(یقیناً اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے اور جانتا ہے کہ ماؤں کے رحم میں کیا ہے اور نہیں جانتا کوئی کہ کل کیا کرے گا اور کسی کو معلوم نہیں کہ کہاں اس کی موت واقع ہوگی بلاشبہ اللہ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی کریم...... کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مفاتیح الغیب خمس لا یعلمهن الا اللّٰه ان اللّٰه عنده علم الساعة الخ(۱)

رسول اللہ...... نے فرمایا مفاتیح غیب پانچ ہے جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے اوپر درج کی ہوئی آخر تک آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان پانچ امور کا علم کسی کو نہیں ہے اور ان میں ایک موت بھی ہے۔

عقائد ۴، ۵، ۶ اور ۸ کے ذریعہ شیعوں نے اپنے ائمہ کو انبیاء ورسول کے درجہ میں لاکر بٹھا دیا ہے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی وہ مخصوص ہستیاں ہیں جن کی معرفت ضروری ہے اور صرف وہی مفروض الطاعت ہیں گناہوں سے عصمت انھیں کے لوازم میں سے ہے وحی کا نزول انھیں کے ساتھ مختص ہے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جن میں تمام بنی نوع بشر سے حضرات انبیاء امتیاز رکھتے ہیں۔ یہی تمام امت کا عقیدہ ہے اور قرآن وحدیث سے یہی ثابت ہے۔ تفصیل اور دلائل کے لئے کتب عقائد کا مطالعہ کیا جائے درحقیقت فرقۂ شیعہ نے ان عقائد کے درپردہ ختم نبوت کے قطعی عقیدہ کا انکار کیا ہے اور یہ کھلا ہوا زندقہ ہے چنانچہ امام ولی اللہ محدث دہلوی کافر، منافق اور زندیق میں باہم فرق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۱) الجامع الصحیح للبخاری.

ان المخالف الدين الحق ان لم يعترف به ولم يزعن له لا ظاهرا ولا باطناً فهو كافر وان اعترف بلسانه وقلبه على الكفر فهو المنافق وان اعترف به ظاهرا لكن يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون واجتمعت عليه الامة فهو الزنديق كما اذا اعترف بان القرآن حق وما فيه من ذكر الجنة والنار حق والمراد بالجنة الابتهاج الذى يحصل بسبب الملكات المحمودة والمراد بالنار هى الندامة التى تحصل بسبب الملكات المذمومة وليس فى الخارج جنة ولا نار فهو الزنديق وكذٰلك من قال الشيخين ابى بكر وعمر مثلاً ليسا من اهل الجنة مع تواتر الحديث فى بشارتهما او قال ان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم خاتم النبوة ولكن معنى هذا الكلام انه لا يجوز ان يسمٰى بعده احد نبيٌ واما معنى النبوة وهو كون الانسان مبعوثا من اللّٰه تعالىٰ الى الخلق مفترض الطاعة معصوما من الذنوب فهو موجود فى الائمة بعد فذٰلك هو الزنديق وقد اتفق جماهير المتاخرين من الحنفية والشافعية على قتل من يجرى هذه المجرىٰ. (المسوی ج ۲،ص:۱۳۰ مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد دہلی)

(دین حق کا مخالف اگر دین کا معترف نہیں اور نہ ظاہراو باطناً اس پر یقین رکھتا ہےتو وہ کافر ہے۔اور اگر زبان سے تو اقرار کرے لیکن اس کا دل منکر ہوتو وہ منافق ہےاور اگر ظاہری طور پر دین کا اقرار واعتراف کرتا ہےلیکن ضروریات دین کی ایسی تفسیر کرتا ہے جو صحابۂ کرام تابعین اور اجماع امت کی تفسیر کے خلاف ہےتو وہ زندیق ہے مثلاً معترف ہے کہ قرآن برحق ہےاور اس میں مذکور جنت وجہنم برحق ہیں لیکن جنت اس مسرت اور خوشی کا نام ہے جو اخلاق حسنہ کے سبب حاصل ہوتی ہےاور جہنم وہ ندامت اور شرمندگی ہے جو بری عادتوں کی بنا پر حاصل ہوتی ہےخارج میں جنت وجہنم کا وجود نہیں ہےتو اس تفسیر کا کرنے والا زندیق ہوگا اسی طرح اگر کوئی کہے کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ جنتی نہیں ہیں۔ باوجودیکہ ان دونوں حضرات کے جنتی ہونے کی بشارت میں احادیث حدتواتر تک پہنچی ہوئی ہیں یا اقرار کرے کہ نبی کریم ...... خاتم النّبیین ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ ان

کے بعد کسی کو نبی کہنا جائز نہیں ہے البتہ حقیقت نبوت یعنی کسی انسان کا اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف بھیجا جانا، مفترض الطاعۃ ہونا، گناہوں سے معصوم ہونا تو یہ صفات و خصوصیات نبی ...... کے بعد اماموں کے اندر موجود ہیں تو یہ کہنے والا زندیق ہوگا اور متاخرین علماء احناف وشوافع نے باتفاق اس طرح کے عقائد رکھنے والے کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔)

(۷) سہو اور نسیان سے تو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی محفوظ نہیں ہیں چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَنَسِیَ آدَمَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا الایة" اور آدم بھول گئے اور ہم نے ان کے اندر عزم نہیں پایا۔اسی طرح اور بھی حضرات انبیاء کے سہو ونسیان کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔حضرت خاتم النّبیین نبی آخر الزماں ......ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے چار رکعت کی نماز تھی لیکن آپ نے بھول کر دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا اس پر ایک صحابی ذوالیدین نے کھڑے ہوکر عرض کیا "اقصرت الصلوة ام نسیت" کیا نماز میں کمی کر دی گئی یا آپ بھول گئے؟ آپ ...... نے فرمایا نہ کم کی گئی اور نہ میں بھولا اس پر دیگر حضرات نے ذوالیدین کی تصدیق کی پوری حدیث کتب صحاح میں دیکھی جاسکتی ہے ان آیات واحادیث سے صاف طور پر عیاں ہے کہ سہو ونسیان سے حضرات انبیاء بری نہیں ہیں پھر اماموں کو اس سے بری بتانا یہ خالص افتراء ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جاسکتا۔درحقیقت سہو ونسیان سے بری ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس میں کوئی مخلوق اللہ کی شریک نہیں اس لئے ان کا یہ عقیدہ بھی دیگر بہت سے عقیدوں کی طرح شرکیہ ہے۔نعوذ باللہ منہ۔

(۲) قرآن حکیم اور شیعہ

جس طرح فرقہ شیعہ مسئلہ امامت اور ائمہ کی تعیین وتحدید نیز ان کے مقام ومرتبہ اور صفات ولوازمات کے بارے میں جادۂ مستقیم سے منحرف اور جمہور امت سے بالکل مختلف ہے اسی طرح وہ قرآن عزیز کے متعلق بھی اجماع امت اور قرآن وحدیث کی روشن اور

سیدھی شاہراہ کو چھوڑ کر ایسی راہ پر لگ گیا ہے جس نے اسے ظلمت وضلالت کی آخری منزل پر پہنچادیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم اپنی مشہور کتاب "الملل و النحل" میں لکھتے ہیں:

ومن قول الامامية كلها قديما وحديثا ان القرآن مبدل زيد فيه ما ليس منه و نقص منه كثير و بدل منه كثير.(۱)

(امامیہ قدیم وجدید سب اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں تبدیلی کردی گئی ہے جو باتیں قرآن میں نہیں تھیں اس میں بڑھادی گئی ہیں اور کمی اور تبدیلی تو بہت کی گئی ہے۔)

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں "والقول بان بين اللوحين تبديلا كفر صريح و تكذيب لرسول الله" موجودہ قرآن کو محرف اور مبدل کہنا کھلا ہوا کفر اور نبی کریم......کی تکذیب ہے۔

اگرچہ آج کل کے شیعہ ازراہ تقیہ تحریف قرآن کا انکار کرتے ہیں لیکن علامہ ابن حزم نے جو بات لکھی ہے صحیح وہی ہے جیسا کہ خود شیعی علماء کی تصریحات اس کی شاہد ہیں جن کا بیان بطور نمونہ آئندہ سطور میں آرہا ہے۔ علاوہ ازیں فرقۂ شیعہ کے لئے اس عقیدہ تحریف کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے، کیونکہ ان کے مذہب میں مسئلہ امامت دین اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ امام کلینی امام باقر سے روایت کرتے ہیں:

عن ابی جعفر علیه السلام قال بنی الاسلام علی خمس الصلوٰة والزكوٰة والصوم، والحج والولاية ولم يناد بشيء ما نودئ بالولاية(۲)

(امام باقر سے روایت ہے انھوں نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور امامت اور ان ارکان میں سے کسی کا اتنی اہمیت کے ساتھ اعلان نہیں کیا گیا جس اہمیت کے ساتھ مسئلہ امامت کا اعلان کیا گیا ہے۔)

اسی الکافی میں یہ بھی ہے:

عن ابی الحسن علیه السلام قال ولاية علی مكتوبة فی جميع صحف

(۱) الملل والنحل۔

(۲) اصول کافی، ص:۳۶۸ بحوالہ ایرانی انقلاب۔

الانبياء ولن يبعث الله رسولا الاّ بنبوة محمد صلى الله عليه و آله ووصية على عليه السلام (۱)

(امام ابوالحسن موسیٰ کاظم سے روایت ہے انھوں نے فرمایا علی کی امامت تمام انبیاء کے صحیفوں میں لکھی ہوئی ہے اور اللہ نے جو بھی رسول دنیا میں بھیجا اسے محمد...... کی نبوت اور علی کی وصیت وامامت کی تعلیم کے ساتھ بھیجا)۔

ان روایتوں کے پیش نظر یہ سوال پیدا ہونا لازمی ہے کہ جب مسئلہ امامت اسلام کا اہم ترین رکن ہے اور تمام انبیاء کے صحیفوں میں اس کا ذکر ہے اور ہر نبی کو اس کی تعلیم دی گئی ہے تو پھر قرآن میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر کیوں نہیں ہے جب کہ اسلام کے بقیہ چاروں ارکان کا ذکر پوری وضاحت کے ساتھ بار بار کیا گیا ہے۔اس سوال کا حل ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے کہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ قرآن میں حضرت علی اور دیگر ائمہ کا ذکر تھا مگر مخالفین نے اسے حذف کردیا۔یہی وجہ ہے کہ فرقۂ شیعہ کے جمہور علماء خواہ وہ متقدمین کی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں یا متاخرین کے گروہ سے ہوں سب ہی تحریف قرآن کے عقیدہ پر متفق ہیں۔فرقۂ اثناعشریہ کے العالم الکبیر المحدث، المجتہد العلامۃ حسین بن محمد تقی النوری الطبرسی المتوفی ۱۳۲۰ھ نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "فصل الخطاب فى اثبات تحريف كتاب رب الارباب" **میں اپنے متقدمین اکابر علماء ومحدثین کی ایک ایسی فہرست درج کی ہے جو سب کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں آپ بھی ملاحظہ فرمالیں: (۱)** الثقة الجليل محمد بن الحسن الصفاء **(مصنف کتاب البصائر) (۲) الثقۃ محمد بن ابراہیم النعمانی تلمیذ کلینی (مصنف کتاب الغیبۃ) (۳) الثقۃ الجلیل سعد بن عبداللہ القمی (جنھوں نے اپنی کتاب ناسخ ومنسوخ میں تحریف قرآن کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے) (۴) السید علی بن احمد الکوفی (مصنف کتاب بدع المحدثۃ) (۵) اجلۃ المفسرین الشیخ الجلیل محمد بن مسعود العیاشی (مصنف تفسیر عیاشی) (٦) الشیخ فرات بن ابراہیم الکوفی (۷) الثقۃ محمد بن العباس الماہیار (۸) شیخ المتکلمین متقدم النوبختین ابوسہل**

(۱) ایضاً،ص:٦ ٢٧۔

اسماعیل بن علی بن اسحاق بن سہل بن نوبخت ...(مصنف کتب کثیرہ)(۹)اسحاق الکاتب (جنھوں نے امام مہدی کی زیارت کی ہے)(۱۰)انیس الطائفہ ابوالقاسم حسین بن روح نوبختی (جو شیعوں اور امام غائب کے درمیان غیبت صغریٰ کے زمانہ میں تیسرے سفیر تھے) (۱۱) العالم الفاضل المتکلم حاجب بن لیث بن سراج (۱۲) الشیخ الجلیل الثقۃ الاقدم فضل بن شاذان (۱۳) الشیخ الجلیل محمد بن حسن الشیبانی (مصنف تفسیر نہج البیان) (۱۴) الشیخ الثقہ احمد بن محمد بن خالد (مصنف کتاب المحاسن، محقق طوسی نے الفہرست میں اور نجاشی نے اپنی کتاب اسماء الرجال میں ان کی ایک تصنیف کتاب التحریف کا تذکرہ کیا ہے (۱۵) الشیخ محمد بن خالد (۱۶) الشیخ الثقہ علی بن الحسن بن فضال (۱۷) محمد بن الحسن الصیر فی (۱۸) احمد بن محمد السیار (۱۹) الشیخ حسن بن سلیمان الحلی تلمیذ الشہید (۲۰) الثقۃ الجلیل محمد بن عباس بن علی بن مروان ماہیار (۲۱) ابوالطاہر عبدالواحد بن عمر القمی (۲۲) محمد بن علی بن شہر آشوب (۲۳) الشیخ احمد بن ابی طالب طبرسی (جنھوں نے تحریف قرآن سے متعلق دس حدیثوں سے زیادہ روایت کی (۲۴) مولیٰ محمد بن صالح (۲۵) الفاضل السید علی خان (۲۶) مولی محمد مہدی ترانی الاستاذ الاکبر البہبہائی (۲۷) محقق کاظمی الشیخ ابوالحسن الشریف (۲۸) شیخ علی بن محمد القابی (۲۹) السید الجلیل علی طاؤس (۳۰) الشیخ الاعظم محمد بن لقمان المفید۔ یہ ہیں فرقۂ شیعہ کے وہ اکابر علماء اور محدثین ومفسرین جو علامہ نوری طبرسی کی تحقیق کے مطابق تحریف کے قائل ہیں۔

اس طویل فہرست کے پیش کرنے کے بعد علامہ نوری لکھتے ہیں یہ صرف اِنہیں مذکورہ علماء کا مذہب نہیں ہے بلکہ:

وهو مذهب جمهور المحدثين الذين عثرنا على كلماتهم.

(یہی ان تمام جمہور محدثین کا مذہب ہے جن کے اقوال پر ہمیں واقفیت ہوسکی ہے)

پھر مزید لکھتے ہیں:

ومن جميع ما ذكرنا ونقلنا بتتبعي القاصر يمكن دعوى الشهرة العظيمة بين المتقدمين وانحصار المخالفين فيهم باشخاص معينين ياتي ذكرهم —

قال السيد المحدث الجزائری فی الانوار ما معناه ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحة اللاخبار المستفيضة بل المتواتر الدالة بصريحها علی وقوع التحريف فی القرآن كلاما ومادة واعراباً والتصديق بها نعم خالف فيها المرتضیٰ والصدوق والشيخ الطبرسی. (۱)

(ہم نے اپنی محدود تلاش وجستجو کی بنیاد پر (تحریف قرآن کے بارہ میں شیعہ اکابر علماء کے) جو اقوال نقل کئے ہیں۔ ان کی بنیاد پر دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے علمائے متقدمین کا عام طور پر یہی مذہب رہا ہے اور اس کے خلاف رائے رکھنے والے بس چند متعین اشخاص تھے جن کا ذکر آرہا ہے۔

— پھر سید نعمت اللہ الجزائری کی کتاب الانوار النعمانیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ محدث الجزائری نے لکھا ہے کہ

ہمارے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ مشہور بلکہ متواتر روایتیں جو صراحت کے ساتھ بتاتی ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اس کی عبارت میں بھی اور اس کے الفاظ واعراب میں بھی وہ روایات سب صحیح ہیں اور ان روایات کی تصدیق (یعنی ان کے مطابق عقیدہ رکھنے) میں بھی ہمارے اصحاب کے درمیان اتفاق ہے ہاں اس بارہ میں صرف شریف مرتضیٰ اور شیخ صدوق اور شیخ طبرسی نے اختلاف کیا ہے۔

پھر علامہ طبرسی تحریف قرآن کے اثبات پر بارہویں دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الدليل الثانی عشر الاخبار الواردة فی الموارد المخصوصة من القرآن الدالة علی تغيير لبعض الكلمات والآيات والسور باحدی الصور المتقدمة وهی كثيرة جدّا حتیٰ قال السيد نعمة اللّٰه الجزائری فی بعض مؤلفاته كما حكی عنه ان الاخبار الدالة علی ذلك تزيد علی الفی حديث واوعیٰ استفاضتها جماعة كالمفيد والمحقق الداماد والعلامة باقر المجلسی بل الشيخ ايضا صرح فی التبيان بكثرتها بل اوعیٰ تواترها جماعة ياتی ذكرهم(۲)

(۱) فضل الخطاب، ص:۳۰۔ (۲) فضل الخطاب، ص:۲۲۷۔

(بارہویں دلیل وہ روایتیں ہیں جو قرآن کے خاص خاص مقامات کے بارے میں آئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ قرآن کے بعض کلمات بعض آیات اور بعض سورتوں میں مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی ایک صورت کی تبدیلی کی گئی ہے اور یہ روایتیں بہت زیادہ ہیں حتیٰ کہ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ قرآن میں تحریف پر دلالت کرنے والی ائمہ کی روایتیں دو ہزار سے زائد ہیں اور علماء کی ایک جماعت مثلاً شیخ مفید، محقق داماد اور علامہ باقر مجلسی نے ان حدیثوں کے مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور شیخ طوسی نے بھی اپنی کتاب التبیان میں بصراحت لکھا ہے کہ یہ روایتیں بہت زیادہ ہیں بلکہ ہمارے علماء کی ایک جماعت نے جن کا ذکر آئندہ آرہا ہے ان روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے)۔

بعد میں حسب وعدہ ان علماء کو نام بنام شمار کر کے بتایا ہے کہ جو حضرات تحریف قرآن سے متعلق وارد روایتوں کو متواتر کہتے ہیں۔ یہ کل چار علماء ہیں: (۱) المولیٰ محمد صالح (انھوں نے شرح کافی میں اس کی تصریح کی ہے) (۲) الفاضل قاضی القضاۃ علی بن عبدالعالی (ان کے بارے میں سید نے شرح وافیہ میں لکھا ہے کہ یہ بھی ان روایات کو متواتر کہتے ہیں) (۳) الشیخ المحدث الجلیل ابوالحسن الشریف (انھوں نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں یہ دعویٰ کیا ہے) (۴) العلامہ مجلسی، یہ اپنی مشہور تصنیف مرآۃ العقول میں یوں رقم طراز ہیں:

عندی ان الاخبار فی هذا الباب متواترة معنیً وطرح جمیعها یوجب رفع الاعتماد من الاخبار رأسا بل ظنی ان الاخبار فی هذا الباب لا یقصر عن اخبار الامامة فکیف یثبتونها بالخبر(۱)

(میرے نزدیک تحریف قرآن کی روایتیں متواتر ہیں اور ان سب روایات کو ترک کردینے سے پورے فن حدیث کا اعتبار ختم ہوجائے گا بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ تحریف قرآن کی روایتیں مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں ہیں لہٰذا اگر تحریف قرآن کی

(۱) ایضاً ص: ۲۲۸۔

روایتوں کا اعتبار نہ ہو تو پھر مسئلہ امامت بھی روایتوں سے ثابت نہ ہو سکے گا۔)

علامہ نوری طبرسی کے علاوہ علامہ محسن کاشی مصنف تفسیر صافی، دور آخر کے مجتہد اعظم آیۃ اللہ فی العالم دلدار علی مصنف عماد الاسلام، امام الشیعہ الشیخ حامد حسین مصنف استقصاء الافحام وغیرہ علماء شیعہ نے بھی بڑی شد و مد کے ساتھ تحریف قرآن پر دلائل قائم کیے ہیں۔

اس سلسلہ کی چند روایتیں آپ بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔ اصول کافی کے باب النوادر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

(۱) ان القرآن الذی جاء به جبریل علیه السلام الی محمد صلی اللّٰه علیه و آله سبعة عشر الف آیة (۱)

(یہ یقینی بات ہے کہ جو قرآن جبریل علیہ السلام محمد...... پر لے کر آئے تھے اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔)

موجودہ قرآن میں باختلاف روایات کل چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) آیتیں ہیں لہٰذا اس روایت کے اعتبار سے قرآن کا تقریباً دو تہائی حصہ نکال دیا گیا ہے۔ استغفر اللہ۔

(۲) اصول کافی میں امام باقر سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

ما ادعی احد من الناس انه جمع القرآن کله کما انزل الا کذاب و ما جمعه و حفظه کما انزل اللّٰه الا علی بن ابی طالب و الائمة من بعده(۲)

(صرف جھوٹا شخص ہی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کے پاس بعینہٖ مکمل قرآن ہے اللہ تعالیٰ کی تنزیل کے مطابق صرف علی بن ابی طالب نے اور ان کے بعد ائمہ نے قرآن کو جمع اور محفوظ کیا ہے اور بس)۔

(۳) اصول کافی کی یہ روایت ملاحظہ فرمائیں۔

قراء رجل عند ابی عبداللّٰه علیه السلام "قُلُ اِعۡمَلُوۡا فَسَیَری اللّٰهُ عَمَلَکم وَرَسُوۡلُهٗ والۡمُوۡٔمِنُوۡنَ" فقال لیس هکذا هی انما هی والمامونون فنحن المامونون. (۳)

---

(۱) اصول کافی، ص:۶۷۱۔ (۲) ایضاً، ص:۱۳۹۔ (۳) اصول کافی، ص:۲۶۸۔

(ایک شخص نے امام جعفر صادق کے سامنے یہ آیت پڑھی قل اعملوا الخ اے نبی کہہ دو کہ تم لوگ عمل کرو تمہارا عمل اللہ دیکھے گا، اور اس کا رسول اور ایمان والے تو امام نے فرمایا یہ آیت اس طرح نہیں ہے بلکہ یوں ہے والماموںون یعنی مامون لوگ دیکھیں گے اور ہم (بارہ ائمہ) مامون ہیں)۔

کتاب احتجاج مصنفہ شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی میں حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

(۴) انہم اثبتوا فی الکتاب مالم یقلہ اللّٰہ لیلبسوا علی الخلیقۃ(۱)

(ان منافقین نے قرآن میں وہ باتیں بڑھا دیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی نہیں تھیں تا کہ مخلوق کو فریب دیں)۔

بطور نمونہ کے یہ چار روایتیں مذہب شیعہ کی معتبر ترین کتابوں سے نقل کی گئی ہیں جن سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ شیعوں کے نزدیک قرآن میں تینوں طرح کی تبدیلیاں کی گئی ہیں یعنی کمی، زیادتی اور تبدیلی تینوں طرح کی تحریف ہوئی ہے۔

اس ساری کاوش کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات مدلل طور پر واضح ہوجائے کہ فرقہ اثنا عشریہ تحریف قرآن کا قائل ہے اور ان کے جمہور علماء کا یہی مذہب ہے جیسا کہ خود ان کی کتابوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اس لئے آج کل کے سیاسی شیعوں کا اپنے اس باطل اور کفریہ عقیدے کو تقیہ کے غلاف کے اندر چھپانا ایک ایسی کوشش ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔

عقیدۂ تحریف قرآن کے سلسلہ میں علامہ خمینی کا رویہ

علامہ خمینی جیسا کہ معلوم ہے مذہب اثنا عشری کے بلند پایہ عالم، مجتہد اور امام ہیں اس لئے قرآن مجید کے بارے میں جو نظریہ فرقۂ اثنا عشریہ کا ہے لازمی طور پر اسی کے پابند

(۱) کتاب الاحتجاج یہ شیعوں کی نہایت معتبر کتاب ہے، اس کے مصنف نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حسن عسکری کے علاوہ دیگر ائمہ کے جس قدر اقوال اس کتاب میں نقل کئے گئے ہیں۔ وہ سب کے سب اجماعی ہیں، اسی کتاب میں ایک طویل روایت ہے جو صفحہ ۱۱۹ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۳۳ پر ختم ہوتی ہے اسی روایت کا یہ ایک ٹکڑا ہے۔

علامہ خمینی بھی ہوں گے، لیکن وہ ایک مذہبی پیشوا ہونے کے ساتھ زبردست سیاسی لیڈر اور رہنما بھی ہیں اس لئے وہ تحریف قرآن کے مسئلہ پر کھل کر اظہار خیال کرنے سے گریز کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی تقیہ کی زبان میں اپنے مذہبی عقیدہ کے برخلاف قرآن مجید کی حقانیت کا بھی اعلان کر دیتے ہیں کیونکہ یہ مسئلہ ایسا نازک ہے کہ اس کے اظہار کے بعد وہ مسلمانوں کی ہمدردیاں اپنے ساتھ باقی نہیں رکھ سکتے جبکہ اس کی انھیں بروقت شدید ضرورت ہے۔ اسلئے اس مسئلہ پر ان کے کسی صریح قول کو اس وقت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ”لعل الله يحدث بعد ذلك امرا“ البتہ ان کی بعض عبارتوں سے تحریف قرآن کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے، لیکن اس اشارہ کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کی قرآن سے متعلق روایات شیعہ پر پوری نظر ہو۔ علاوہ ازیں بعض دوسرے قرائن سے بھی پتہ چلتا ہے کہ علامہ خمینی اس مسئلہ میں اپنے ہم مذہب جماعت کے ساتھ ہیں۔ ذیل میں ان چند قرائن اور عبارت کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن سے مسئلہ تحریف قرآن سے متعلق علامہ خمینی کے نظریہ پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) علامہ خمینی نے اپنی تصانیف مثلاً تحریر الوسیلہ، الحکومۃ الاسلامیہ، جہاد اکبر وغیرہ میں بطور خاص ان کتابوں کو ماخذ بنایا ہے جن کے مصنّفین نہ صرف تحریف قرآن کے قائل ہیں بلکہ اس نظریہ کیلئے دلائل کی قوت فراہم کرنے کی خدمت بھی انجام دی ہے مثلاً ”مستدرک الوسائل مصنفہ علامہ نوری طبرسی، یہ شیعوں کے وہی مجتہد اعظم اور محدث کبیر ہیں جنھوں نے ”فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب“ کے نام سے وہ معرکۃ الآراء کتاب تصنیف کی ہے جس نے انہیں شیعی دنیا میں بقائے دوام کے درجہ عالی پر پہنچا دیا ہے۔ اس کتاب کا حوالہ متعدد بار آچکا ہے (۲) الجامع الکافی۔ تالیف علامہ کلینی، انھوں نے اپنی اس کتاب میں ایک مستقل باب ”باب فيه نكت و نتف من التنزيل فى الولاية“ قائم کیا ہے یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ قرآن میں امامت سے متعلق آیات میں کانٹ چھانٹ کی گئی ہے۔ (۳) الوسائل مؤلفہ امام العاملی یہ بھی تحریف قرآن کے قائل ہیں جیسا کہ تفسیر القمی کے مقدمہ ص: ۳۴ پر سید طیب مولوی نے اس کی تصریح کی

ہے (۴) کتاب الاحتجاج از علامہ احمد طبرسی یہ تو اس مسئلہ میں انتہائی غلو رکھتے ہیں یہ سب وہ کتابیں ہیں جن سے علامہ خمینی اپنی تصانیف میں استفادہ کرتے ہیں اور ان کے مصنّفین کا نام انتہائی تعظیم سے لیتے اور ان کی بارگاہ میں صلاۃ ورحمت کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔کیا یہ جذبۂ عقیدت وعظمت اور ان کے حق میں یہ دعائیہ کلمات اتحاد مذہب ومسلک کے بغیر زبان وقلم سے نکل سکتے ہیں اپنے ان علماء کے ساتھ علامہ خمینی کا یہ عقیدت مندانہ طرز عمل زبان خاموش سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ ان مذکورہ علماء کے ہر قول وعمل سے نہ صرف متفق ہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ حضرات استناد کا درجہ رکھتے ہیں اس بنیاد پر بلا خوف وتردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان علماء کی طرح علامہ خمینی بھی تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

(۲) ہندوستان کے ایک شیعہ عالم نے ''تحفۃ العوام'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، یہ کتاب بھی شیعوں کی دیگر تالیفات کی طرح الف لیلوی داستانوں سے پر ہے اس کتاب کی توثیق وتصدیق عصر حاضر کے فرقہ شیعہ کے پانچ آیات اللہ نے کی ہے جن کے اسماء یہ ہیں: (۱) آیت اللہ العظمیٰ محسن حکیم طباطبائی مجتہد اعظم نجف اشرف (۲) آیت اللہ العظمیٰ ابوالقاسم مغربی نجف اشرف (۳) آیت اللہ العظمیٰ روح اللہ خمینی (۴) آیت اللہ العظمیٰ محمود الحسینی الشابرودی (۵) آیت اللہ العظمیٰ محمد کاظم شریعت مداری۔ان پانچ آیت اللہ کے علاوہ چھٹے مصدق سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی مجتہد لکھنو ہیں۔اس کتاب کے صفحہ ۴۲۲ پر ایک دعا لکھی ہوئی ہے جسے لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے۔ بر بنائے ضرورتِ تحقیق ''نقل کفر کفر نہ باشد'' کو پیش نظر رکھتے ہوئے دل پر جبر کر کے لکھ رہا ہوں۔دعاء کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم اللھم العن صنمی قریش وجبتیھما و طاغوتیھما وافکیھما وابنتیھما الذین خالفا امرك وانکرا وحیك وعصیا رسولك وقلّبا دینك وحرّفا کتابك.

بسم اللہ الخ اے اللہ لعنت بھیج قریش کے دونوں بتوں، شیطانوں، سرکشوں اور افترا پردازوں اور ان دونوں کی دونوں بیٹیوں پر جنھوں نے آپ کے

حکم کی مخالفت کی، آپ کی وحی کا انکار کیا۔ آپ کے رسول کی نافرمانی کی، آپ کے دین کو بدل دیا اور آپ کی کتاب قرآن میں تحریف کردی۔
(نعوذ باللہ واستغفر اللہ)

آپ جانتے ہیں کہ قریش کے یہ دونوں، صنم، جبت، طاغوت، افّاک، اور ان دونوں کی دو بیٹیاں کون ہیں، ان میں اوّل یار غار رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جنھیں قرآن اتقی (سب سے بڑے متقی) اور نبیٔ صادق ومصدوق افضل الناس بعد الانبیاء (حضرات انبیاء کے علاوہ تمام بنی آدم سے بزرگ) فرماتے ہیں اور دوسرے حضرت فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ ہیں، جن کے متعلق خاتم النّبیین ...... کا ارشاد گرامی ہے "لو کان بعدی نبیٌ لکان عمر" اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ اور ان دونوں حضرات کی دونوں بیٹیوں میں ایک ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار اور دوسری ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں، یہ ہیں شیعوں کے نزدیک نعوذ باللہ، بت، شیطان، سرکش اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان، دین اسلام کو بدل دینے اور قرآن کریم میں تحریف کر دینے والے، جس کتاب میں یہ کفریہ دعا لکھی ہوئی ہے علامہ خمینی اس کی تصدیق وتوثیق کر کے اپنے معتقدین کو ترغیب دیتے ہیں کہ اس سے استفادہ کیا جائے کیا یہ تائید وتوثیق اس بات کا کھلا ثبوت نہیں ہے کہ خمینی صاحب بھی اسی عقیدہ کے پابند ہیں۔ ورنہ اس کی توثیق کے بجائے تکذیب وتضلیل کرتے۔ ممکن ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو کہ اس عبارت میں تو حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے پھر صنما قریش سے ان دونوں بزرگوں کو کیسے سمجھ لیا گیا؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اگر آپ کے پیش نظر ان ہر دو خلفاء راشد کے بارے میں شیعوں کی روایتیں ہوں تو یہ اشکال کبھی پیدا نہ ہوگا۔

ان دو واضح قرائن کے بعد خمینی صاحب کی ایک عبارت بھی ملاحظہ کرتے چلئے۔ اپنی کتاب تحریر الوسیلہ کے صفحہ ۱۵۲، ج:۱ پر مسجد سے متعلق احکامات کے ضمن میں لکھتے ہیں "ویکرہ تعطیل المسجد وقد ورد انه مِن الثلاثة الذین یشکون الی اللہ عزوجل"

مسجد کا معطل کرنا مکروہ ہے اور روایت میں آیا ہے کہ مسجد بھی ان تین میں سے ایک ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور شکایت کریں گے۔ علامہ خمینی نے "وقد ورد انه من الثلاثة" سے مسئلہ تحریف قرآن کی جانب اشارہ کیا ہے مگر اس انداز سے کہ جو لوگ مذہب شیعہ اور ان کی مرویات سے واقفیت رکھتے ہیں۔ وہی اسے سمجھ سکیں گے۔ انھوں نے "قد ورد" سے جس روایت کی جانب اشارہ کیا ہے وہ مذہب شیعہ کی مشہور کتاب الخصال مصنفہ الشیخ الصدوق ابن بابویہ کی جلد ا، صفحہ ۱۷۴ و ۱۷۵ میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

یجئ یوم القیامة ثلاثة یشکون الی اللّٰہ عزوجل المصحف والمسجد والعترة یقول المصحف یا رب حرّقونی ومزقونی الخ

قیامت کے دن قرآن، مسجد، اور اہل بیت رسول اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی شکایت پیش کریں گے قرآن کریم عرض کریگا اے میرے رب مجھے لوگوں (یعنی ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) نے جلایا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اس روایت میں اجمال واختصار کے ساتھ شیعوں کے اس اعتقاد کی ترجمانی کی گئی جو وہ صحابۂ کرام کے بارے میں رکھتے ہیں کہ انھوں نے قرآن کی تحریف کر کے ان آیات کو اس میں سے نکال دیا جو فضائل امیر المومنین یا اہل بیت میں نازل ہوئی تھیں یا جن میں لوگوں کو اہل بیت کی اعانت واتباع کی ترغیب دلائی گئی تھی اور سب پر ان کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ تمام صحابہ نے رسول اللہ...... کی نصیحت کے خلاف اتفاق کر کے اہل بیت کا حق غصب کیا اور ان پر ظلم وتشدد ڈھایا: (العیاذ باللہ)(۱)

قرآن ہر قسم کی ترمیم وتحریف سے پاک ہے

شیعوں کا یہ عقیدہ تحریف قرآن عقیدۂ امامت سے بھی بدتر ہے لیکن حقیقت میں اسی عقیدہ کا لازمی نتیجہ ہے جیسا کہ اس کی جانب پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے ان کے اس عقیدے کا بطلان اس درجہ واضح ہے کہ مسلمان تو مسلمان آج تک کسی بد سے بدتر مخالف

(۱) تحفہ اثنا عشریہ اُردو ترجمہ، ص: ۷۵، ۷۶۔

اسلام کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ یہ قرآن مقدس جو مسلمانوں کے پاس ہے وہ اصلی نہیں ہے بلکہ اس میں حذف و اضافہ، اور تغیر و تبدل کر دیا گیا ہے، لیکن شیعہ اسلام کا نام لے کر اسلام دشمنی میں یہ قبیح حرکت کر رہے ہیں "قاتلهم الله انى يؤفكون"

ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کے اس خرافی عقیدے کے باطل اور غلط ہونے کے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لحافِظُوْنَ.

ہم نے ہی نازل کیا ہے قرآن کو اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کریمہ کے فوائد میں لکھتے ہیں: "یاد رکھو اس قرآن کے اتارنے والے ہم ہیں اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے جس شان اور ہیئت سے وہ اترا ہے بدون ایک شوشہ یا زبر زیر کی تبدیلی کے چار دانگ عالم میں پہنچ کر رہے گا اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ و مصئون رکھا جائے گا۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں حفاظت قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدۂ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متکبر و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔ "میور" بارہویں صدی ہجری کا (مشہور عیسائی مصنف) کہتا ہے جہاں تک ہماری معلومات ہے دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"

ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہٖ محمد (......) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں۔ جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں الخ (۱)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اس آیت پاک کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اى من كل ما يقدح فيه كالتحريف والزيادة والنقصان وغير ذلك حتىٰ

(۱) فوائد عثمانی، ص: ۳۳۹، ۳۴۰۔

ان الشيخ لو غير نقطة يرد عليه الصبيان... وجوز غير واحد ان يراد حفظه بالاعجاز فی کل وقت کما یدل علیه الجملة الاسمیة من کل زیادة ونقصان وتحريف وتبديل ولم يحفظ سبحانه تعالیٰ كتابا من الكتاب بل استحفظها جلّ وعلا الربانيين والاحبار فوقع فيها ما وقع وتولى حفظ القرآن بنفسه سبحانه فلم يزل محفوظا اولا وآخرا.(۱)

(یعنی اللہ تعالیٰ قرآن کی حفاظت فرماتے ہیں ہر اس چیز سے جو اسے عیب دار بنادے جیسے تحریف، زیادتی، کمی وغیرہ حتی کہ اگر کوئی شیخ محترم قرآن کے ایک نقطہ میں تغیر کردے تو طفل مکتب بھی اسے ٹوک دے گا (چندسطروں کے بعد لکھتے ہیں) بہت سے مفسرین کی رائے ہے کہ یہ حفاظت معجزانہ طور پر ہمیشہ کیلئے ہے جیسا کہ جملہ اسمیہ اس استمرار پر دلالت کررہا ہے، اور یہ حفاظت ہر قسم کی زیادتی، کمی، تحریف اور تبدیل سے ہے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی کتاب کی خود حفاظت نہیں فرمائی بلکہ اس کی حفاظت کا حکم علما اور احبار کو دیا تو اس میں وہ سب کچھ پیش آیا جو معلوم ہے لیکن قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری خود باری تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی اسی لئے وہ ابتدائے نزول سے آخر تک ہمیشہ سے محفوظ مصئون ہے۔)

قدرے الفاظ کے فرق کے ساتھ یہی تفسیر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ صاحب مظہری نے بھی کی ہے۔(۲)

(۲) وَلَا یاتِیهِ البَاطِلُ مِنۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ تَنۡزِیۡلٌ مِنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ.
اسکے پاس باطل کسی سمت سے بھی نہیں آسکتا اتارا ہوا ہے حکیم حمید کی طرف سے۔

امام زجاج اس آیت پاک کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

معناه انه محفوظ من ان ينقص منه فياتيه الباطل من بين يديه اويزاد فيه فياتيه الباطل من خلفه.(۳)

---

(۱) روح المعانی، ج:۱۴،ص:۶۔ (۲) تفسیر مظہری، ج:۵،ص:۲۹۳۔
(۳) المظہری، ج:۸،ص:۳۰۱۔

(اس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ قرآن محفوظ ہے اس بات سے کہ اس میں کمی کی جائے کہ باطل سامنے سے آئے یا زیادتی کی جائے کہ باطل پیچھے سے آئے۔)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

صفة اخرى لكتاب ومن بين يديه ولا من خلفه كنايه عن جميع جهاته كالصباح والمسا. كناية عن الزمان كله اى لا يتطرق الباطل من جميع جهاته

(۳) لا يانيه الباطل الخ یہ کتاب کی صفت ثانی ہے اور من یدیہ ولا من خلفہ یعنی اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے بطور کنایہ کے تمام جہتیں مراد ہیں۔ جیسے الصباح والمساء بول کر پورا وقت مراد لیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں باطل کسی سمت سے بھی داخل نہیں ہوسکتا یہی تفسیر مدارک التنزیل اور تفسیر کبیر میں بھی ہے۔(۱)

ان دونوں آیات قرآنیہ اور ان کی تفسیروں سے کھل کر یہ بات سامنے آگئی کہ قرآن کریم اپنے ابتداءِ نزول سے آج تک اپنی تنزیلی حالت میں چلا آرہا ہے اور ہر قسم کی تحریف وتبدیل سے پاک اور بری ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ خود اس کتاب مقدس کی حفاظت وصیانت کررہا ہے اور جس چیز کی حفاظت اللہ سبحانہ تعالیٰ خود فرمائیں، کسے طاقت وقدرت ہے کہ اس میں تحریف وترمیم کردے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مشہور ظالم حکمراں حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر پر یہ الزام تراشی کرتے ہوئے کہا۔

انّ ابن الزبير بدّل كلام الله فقام ابن عمر فقال كذب لم يكن ابن الزبير يستطيع ان يبدل كلام الله ولا انت.(۲)

ابن زبیر نے قرآن میں تبدیلی کردی یہ سنتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ قرآن میں تبدیلی کرنے کی نہ ابن زبیر میں طاقت تھی اور نہ تجھ میں ہے۔

(۳) ان دلائل سے قطع نظر اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ اسلامی دنیا میں جس قدر حفاظ وقاری ہیں وہ سب کے سب اسی قرآنِ محکم اور کتاب مقدس کی سماعت کو مختلف

(۱) مدارک، ج:۴، ص:۳۷ وتفسیر کبیر، ج:۵، ص:۲۵۷۔

(۲) تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی، ج:۳۴

واسطوں سے آنحضرت ...... تک پہنچاتے ہیں اور ہر حافظ کی سند کا آخری شخص اسی قرآن کو بلا کسی تغیر وتبدل اور کمی وبیشی کے اپنی سماعت آنحضرت ...... سے بیان کرتا ہے تو جب دنیا کے تمام حفاظ اسی موجودہ قرآن کی سند کو بعینہٖ اسی ترتیب والفاظ سے آنحضرت ...... تک پہنچاتے ہیں اور پھر یہ سلسلے اور سندیں اس کثرت سے ہیں کہ تواتر کی حدود سے بھی بہت زیادہ آگے بڑھ گئے ہیں تو بدیہی طور پر یہ تواتر اس امر پر قطعی حجت اور یقینی شہادت ہے کہ یہ قرآن بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت ...... پر نازل ہوا تھا اور آپ نے صحابہ کو اسی کی تعلیم دی تھی اور اپنے بعد اسی کو چھوڑا تھا۔ لہٰذا علم ویقین کی یہ عمارت جو تواتر کے بلند پہاڑ کی مضبوط چٹان پر قائم ہے اس سے وہ آبگینہ جس کا خمیر خود ساختہ اور فرضی اماموں کے جعلی اقوال سے تیار کیا گیا ہے ٹکرائے تو بجز اس کے کہ خود پاش پاش ہو جائے اس مستحکم عمارت کو کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچا سکتا۔ یہ تواتر کی روشنی ایسی صاف، لطیف اور تیز ہے کہ اس کے مقابلے میں شیعی روایتوں کے بے نور چراغ تقیہ کی چادر اوڑھ کر نظروں سے اس طرح روپوش ہو گئے ہیں کہ عصر حاضر کے شیعوں اور ان کے مجتہدوں کو اس چادر کذب وفریب کو ان کے تاریک چہرے سے اٹھانے کی ہمت وجرأت نہیں ہو رہی ہے بالکل سچ ہے دروغ رافروغ نیست۔

انقلاب ایران کے داعیٔ اکبر اور عظیم رہنما ولیڈر علامہ خمینی کے ان مذکورہ معتقدات کے پیش نظر اس انقلاب کو ''اسلامی انقلاب'' کسی طرح بھی نہیں کہا جا سکتا ہے، بلکہ یہ خالص شیعی انقلاب ہے جس کا دین اسلام سے صحیح معنوں میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

عقائد اہل سنت والجماعت وعقائد شیعہ
ایک تقابلی مطالعہ

عقائد اہلسنّت والجماعت در باب الٰہیات

اس باب میں اہل سنت والجماعت سے ۲۲ عقائد میں شیعہ مختلف ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (عقائد اہل سنت والجماعت)

(۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت میں غور وفکر کرنا شرعاً واجب ہے، نہ کہ عقلاً یعنی قطع نظر حکم خداوندی کے از روئے عقل معرفتِ خداوندی میں غور وفکر واجب نہیں ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ حیات کے ساتھ زندہ ہے۔ علم کے ساتھ عالم ہے، قدرت کے ساتھ قدیر ہے یعنی جس طرح ان اسماء کے مشتقات کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر درست ہے اس طرح خود ان اسماء کا بھی اطلاق صحیح ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے وجوب سے پہلے جانتا ہے یہی تقدیر کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر شے کا اندازہ ہے کہ یہ ایسی اور ویسی ہوگی اور اسی کے مطابق وہ چیز اپنے وقت معین پر وجود میں آتی ہے۔

(۴) قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں تحریف یا کمی و زیادتی نہ اب تک ہوئی ہے اور نہ آئندہ ہو سکے گی!۔

(۵) حق تعالیٰ کے لئے بدا جائز نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے پھر اس کو اس کے خلاف مصلحت نظر آئے جو پہلے معلوم نہ تھی لہٰذا پہلے ارادہ کو ترک کر کے دوسرے ارادہ کو اختیار کرے۔ کیونکہ اگر اسے اللہ تعالیٰ کے لئے جائز قرار دیا جائے تو لازم

آئے گا کہ امور کے نتائج سے وہ واقف نہیں ہے اور نعوذ باللہ نا عاقبت اندیش ہے۔

رسالہ اعلام الہدیٰ فی تحقیق البداء میں ''بدا'' کی تحقیق یوں کی گئی ہے۔

”یقال بدا له اذا ظهر له رَایٌ مخالف للرای الاول وهو الذی حققه الشیخ فی العمدة وابوالفتح الکراجکی فی کنزل الفوائد والذی حققه المرتضی فی الذریعة ویشعر به کلام الطبرسی وهو ان معنیٰ قولنا بداله تعالیٰ انه ظهر له من الامر مالم تکن ظاهرا“ الی آخرہٖ .

ان تحقیقات کے نقل کرنے کے بعد صاحب اعلام الہدیٰ نظام الدین جیلانی یکے از محققین شیعہ ان ... کا خلاصہ یوں نقل کرتے ہیں۔ الحاصل ان علمه سُبحَانَه بالحوادث حادث علی ما دلّ علیه الاحادیث والآیة المذکورة ونظائرها وصرح به المرتضٰی والطبرسی والمقداد قدس اللّٰه ارواحهم یعنی حوادث کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم نہیں ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کے کفر و گمراہی پر راضی نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد ہے لا یرضٰی لعباده الکُفرُ.

(۷) اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(۸) آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت ہوگی۔

عقائد اثنا عشریہ

(۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت میں غور و فکر کرنا عقلاً واجب ہے، یعنی قطع نظر شرع کے از روئے عقل ہر مکلّف پر واجب ہے کہ خدا کو پہچانے۔ یہ عقیدہ اَلا لهٗ الحُکم، لا مَعقبَ لحکمُهٖ وَمَا کنت معذبین حتّٰی نبعث رسُولا کے خلاف ہے کیونکہ اگر بتقاضائے عقل کوئی چیز واجب ہوتی تو رسول اللہ کی بعثت سے پہلے عذاب دیا جا سکتا تھا۔

(۲) امامیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ صفات سے عاری ہے۔ البتہ ان صفات کے مشتقات اس کی ذات پر بولے جا سکتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو حیٌّ، سمیع، بصیر، علیم وغیرہ کہنا

جائز ہے لیکن اس کے لئے علم، قدرت، سمع اور بصر کا اطلاق درست نہیں۔ ان کا یہ عقیدہ عقل کے خلاف ہونے کے ساتھ قرآن کے بھی مخالف ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات سے باری تعالیٰ کے لئے ان صفات کا ثبوت ہوتا ہے مثلاً "وَلَا يُحِيطُونَ بشیءٍ مِنْ عِلْمِهٖ" "اَنزله بِعلمٍ" وغیرہ۔

(۳) اثنا عشریہ کے مقدمین ومتأخرین کی ایک جماعت (جن میں مقداد کنز العرفان کا مصنف بھی شامل ہے) کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو ان کے وجود سے پہلے نہیں جانتا یہ عقیدہ قرآن کے سراسر خلاف ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔ اِنَّ اللّٰه بکلِّ شیءٍ عَلِیُم، قد احاط بکل شیءٍ علماً، ما اصاب من مُصیبة فی الارض وَلا فی انفسکم الاّ فی کتاب من قبل ان نبرأھا، انا کل شییءٍ خلقناہ بقدر، ولارطب ولا یأبس الا فی کتاب مبین، الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون. اور یہ آیت فارس پر رُوم کے غلبہ سے پہلے کی ہے۔

(۴) اثنا عشریہ کلام مجید میں تحریف اور کمی وزیادتی کے قائل ہیں۔ یہ عقیدہ انا انزلنَاہ الذکر وانا لہٗ لحافظون٥ اور آیت شریفہ لا یأتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید کے بالکل خلاف ہے۔

(۵) فرقہ امامیہ جو اثنا عشریہ کی ایک شاخ ہے اور خود اثنا عشریہ بھی بدا کے قائل ہیں۔ چنانچہ کلینی میں زراہ بن امین سے مروی ہے کہ اللہ کے پاس بدا سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں ما عظّم اللّٰه بمثل البدا۔ اور ابن صلت رضا علیہ السلام سے ناقل ہے کہ ما بعث اللّٰه نبیًّا قط الاّ یتحرم الخمر وان یقرء له البدا.

شیعوں کے نزدیک بدا اپنی ہرسہ اقسام بدا فی الاخبار، بدا فی التکوین، بدا فی التکلیف اللہ تعالیٰ کے لئے جائز بالفاظ دیگر بدا فی العلم، بدا فی الارادہ، بدا فی الحکم اللہ کیلئے ثابت ہے۔

(۶) اثنا عشریہ کہتے ہیں کہ وہ شیعہ کے علاوہ دوسروں کے کفر پر راضی ہے چنانچہ صاحب محاسن نے امام موسیٰ کاظم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ لا تعلّموا ھذا الخلق

اصول دینھم وارضوا لھم بما رضی اللّٰہ لھم من الضلال.

(۷) شیعہ سب کے سب متفق ہیں کہ بتقاضائے عقل بہت سی چیزیں اللہ تعالیٰ پر واجب ہیں۔ گویا عقل کارخانہ قدرت میں شریک ٹھہری، اور خدا عقل کا محکوم، یہ خیال مرتبۂ الوہیت وربوبیت کے سراسر منافی ہے۔

(۸) شیعہ میں مجسمہ فرقہ کے علاوہ سب متفق الخیال ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جاسکتا ہے ان کا یہ عقیدہ آیت پاک وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربّھا ناظرۃ وغیرہ آیات کے بالکل خلاف ہے۔ شیعہ کے پاس اس مسئلہ میں عقل کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے وہ غائب کو ظاہر پر قیاس کرتے ہیں جو انتہائی گستاخی اور بے ادبی کی بات ہے کہ اپنی ناقص عقل کو انھوں نے آیت قرآنیہ کے مقابلہ میں ترجیح دی۔

عقائد اہل سنت والجماعت درباب رسالت

پندرہ عقیدوں میں اختلاف ہے۔

(۱) صرف اہل سنت والجماعت ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی فرقوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ جملہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوقات میں سب سے افضل اور بزرگ ہیں ثواب اور قرب رتبہ میں ان کی ہمسری کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ ان سے افضل ہو۔

عقائد شیعہ اثنا عشریہ

جب کہ امامیہ کے نزدیک حضرت علیؓ اولوالعزم انبیاء کے علاوہ تمام نبیوں سے افضل ہیں اس عقیدہ کا کتاب وسنت کے خلاف ہونا بالکل ظاہر ہے۔ جس پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں چنانچہ شیعوں کا فرقہ زیدیہ خود اس مسئلہ میں امامیہ اثنا عشریہ کا مخالف ہے اور علمائے زیدیہ نے ان کی پُرزور تردید کی ہے۔ امامیہ کا اپنے ائمہ کے بارے میں غلو کی چند مثالیں۔

(۱) یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کی پیدائش ائمہ کے ضمن میں ہے اور عارضی ہے اصل مقصد

ائمہ کو پیدا کرنا ہے۔

(۲) حق تعالیٰ نے ائمہ کی اطاعت پر فرشتوں اور نبیوں سے عہد لیا ہے اور اس سلسلے میں وہ متعدد روایتیں بیان کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ جسے شیخ ابن بابویہ نے ذکر کیا ہے۔ انه لمّا اسری به و کلّمه ربّه قال بعد کلام انك رسولی الی خلقی وان علیا ولی امر المُومنین اخذت میثاق النبیین وملائکتی وجمیع خلقی بولایته. ابن صفار نے بھی اس باب میں ایک روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ ان الله اخذ میثاق النبیین بولایة علی بن ابی طالب. ان روایتوں کی تضعیف وتکذیب کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کیونکہ خود ان کے ایک مشہور عالم شریف مرتضٰی نے جو علم الہدیٰ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اپنی کتاب الدرر والغرر میں ان میثاق کی روایتوں کی بڑی شدومد سے تکذیب کی ہے۔ و کفی اللّٰه المؤمنین القتال.

(۳) کہتے ہیں کہ انبیاء نے ائمہ کے انوار سے اقتباس نور کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات عقل کے قطعاً خلاف ہے کہ اگلا پچھلے کی اقتدا کرے اور ان سے فیض حاصل کرے۔ اور اس باب میں بھی انھوں نے ابن بابویہ کی زنبیل سے ایک روایت ابو محمد حسن عسکری کی جانب منسوب کر کے نکال لی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ اعوذ باللّٰه من قومٍ حذفوا محکمات الکتاب و نسوا رب الارباب والنبئ وساقئ الکوثر یوم حسَاب ونطی الطامة الکبریٰ ونعیم دارالمتقین فنحن السام الاعظم وفینا النبوة والولایة والکرم فنحن منار الهدیٰ والعروة الوثقی والانبیاء کانوا یقتبسون من انوارنا ویقتفون آثارنا وسیظهر حجة اللّٰه علی الخلق وَالسیفُ المسلول لاظهار الحق۔ اس عبارت کا جعلی اور من گھڑت ہونا بالکل ظاہر ہے۔

(۴) کہتے ہیں کہ بروز قیامت حضرات امیر اور ائمہ کا درجہ بلند و بالاتر ہوگا۔ چنانچہ ابن بابویہ معانی الاخبار میں یہ روایت ذکر کرتا ہے کہ حضرت امیر نے فرمایا۔ انا یوم القیامة علی الدرجة الرفیعة دون درجة النبی واما الانبیاء والرسل فدوننا علی المراقی .

عقائد اہل سنت والجماعت

رسالت: (۲) حضرات انبیاء دروغ گوئی اور بہتان طرازی سے عمداً، سہواً بعد از نبوت وقبل از نبوت ہر حیثیت سے پاک اور مبرا ہیں۔

(۳) حضرات انبیاء کا قبل از بعثت اور بعد از بعثت واجبات ایمان سے واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ عقائد میں جہالتِ کفر وزندیقیت کا سبب ہے اور یہ ممکن نہیں کہ حضرات انبیاء (نعوذ باللہ) اس قسم کی جہالت میں رہیں۔ ہاں نزول وحی سے پہلے احکام شرعیہ سے انہیں لاعلمی ہوتی ہے چنانچہ اسی کی طرف اشارہ ہے وعلّمك مالم تكن تعلم، و كُلاً آتيناه حكماً وعلما. وآتيناه الحكم صبيًا، وآتيناهُ الحكمة وفصل الخطاب، اور بعض مقامات پر اس مضمون کے بعد بعثت، رسالت، وحی، نزول کتاب کا ذکر آیا ہے۔ بلکہ حضرت لقمان کے حق میں حکمت کا لفظ آیا ہے۔جن کے پاس نہ وحی آئی اور نہ انھیں نبوت ملی۔

(۴) کسی نبی نے ادائیگی فرائض رسالت سے معافی نہیں چاہی اور نہ احکام خداوندی کی بجا آوری سے معذرت چاہی۔

(۵) حضرت محمد رسول اللہ خاتم النّبیین ...... کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو کسی کے پاس پیغام رساں بنا کر نہیں بھیجا۔اور سلسلۂ وحی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

(۶) کوئی امام اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کو منسوخ یا تبدیل کر دے۔

عقائد اثنا عشریہ

رسالت: امامیہ کہتے ہیں کہ انبیاء کیلئے کذب جائز ہے اور بلحاظ تقیّہ واجب ہے۔

(۳) امامیہ کا عقیدہ ہے کہ بعثت کے وقت بلکہ بوقت مناجات (جو جناب باری تعالیٰ سے بشری قرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے) حضرات انبیاء کو اصول عقائد کی معرفت حاصل نہیں ہوتی دلیل میں محمد بن یعقوب کلینی کی کافی میں بیان کردہ روایت پیش کرتے

ہیں جسے کلینی نے ابوجعفر کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں: ان موسی ابن عمران صلوٰت اللّٰہ و سلامه علیه سأل اللّٰه تعالیٰ یا رب بعید انت منی فاناديك ام قریب فاناجیك، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مناجات کے وقت باری تعالیٰ کے قرب و بعد مکانی سے پاک ہونے کا انھیں علم نہیں تھا۔

(۴) امامیہ کہتے ہیں کہ بعض اولوالعزم رسولوں نے ذمہ داریٔ رسالت سے سبکدوشی حاصل کرنی چاہی ہے اور ٹال مٹول، حیلے حوالے اور عذر کئے ہیں۔

حالانکہ رسالت سے معافی وحی کو رد کرنا اور حکم خداوندی کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ جبکہ انبیاء اس سے معصوم ہیں۔

(۵) امامیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت امیر کے پاس وحی آتی تھی آپ کی اور رسول اللہ ......کی وحی میں صرف اتنا فرق ہے کہ آنحضرت......کو فرشتہ دکھائی دیتا تھا اور حضرت امیر اس کی صرف آواز سنتے تھے دیکھتے نہ تھے۔ چنانچہ کافی میں سجاد علیہ السلام سے کلینی نے نقل کیا ہے کہ۔ ان علی بن ابی طالب کان محدثا وھو الذی یرسل اللّٰه الیه الملك فیکلّمه ویسمع الصوت ولا یری الصورة.

اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام کو احکام میں تبدیلی کا حق حاصل ہے۔ یہ عقیدہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ امام تو دراصل پیغمبر کا نائب اور اس کی شریعت کی اشاعت کرنے والا ہوتا ہے۔ اگر اس کو احکام میں ردّ و بدل کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو یہ اس کا مخالف ہو جائے گا نہ کہ نائب۔

اور ظاہر ہے کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ شرع لکم من الدین ما وصّی بہٖ نوحًا، ولکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجاً.

عقائد اہل سنت والجماعت درباب امامت

اہل سنت کہتے ہیں کہ مکلفین پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کرلیں اور شریعت کی روشنی میں اس کی اتباع اپنے اوپر لازم جانیں اور امور شرعیہ میں اس

کی معاونت کریں۔ البتہ شارع نے امیر کے اوصاف، شرائط اور لوازم کو بیان کر دیئے ہیں تا کہ ان کی رعایت سے ریاست بدنظمی اور فتنہ وفساد کا شکار نہ ہو۔ شریعت کا قانون یہی ہے کہ وہ ان عمومی شرائط اور لوازم کی وضاحت کر دیتی ہے جو صلاح وفلاح کا باعث ہیں اور تعین و تخصیص عقل کے حوالہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ نکاح کے باب میں منکوحہ کے اوصاف اور شرائط نکاح (کفائت، شہادت، مہر و ولایت) اور اس کے لوازم نان ونفقہ اور مکان وغیرہ کی تصریح کر دی گئی۔ اور منکوحات کے تعین کے بارے میں کوئی تعرض نہیں کیا گیا کہ فلاں کا نکاح فلاں سے اور فلاں کا فلاں سے کیا جائے۔ یہی حال تمام معاملات بلکہ امور دینیہ کا ہے چنانچہ فرمایا گیا۔ فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون اور علماء مجتہدین کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

(۲) امام کی امامت کیلئے اس کا ظاہر ہونا شرط ہے۔

(۳) امام کا علم واجتہاد میں خطا سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ گناہ سے معصوم ہونا شرط ہے۔ البتہ بوقت تقرر اس کا گناہ کبیرہ سے پاک ہونا اور صغیرہ پر اصرار سے بری ہونا چاہئے۔

(۴) امام کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل زمانہ میں سب سے افضل ہو۔ چنانچہ طالوت کو حق تعالیٰ نے خود اپنے حکم سے امام بنایا تھا حالانکہ حضرت شمویل اور خود حضرت داؤدؑ موجود تھے۔ اور بلا شبہ یہ دونوں حضرات طالوت سے افضل تھے۔

(۵) جمیع اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ...... کے بعد بلا فاصلہ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ وامیر ہیں۔

عقائد اثنا عشریہ

(۱) امامیہ کہتے ہیں کہ امیر وامام کا مقرر کرنا خدا کے ذمہ واجب ہے۔

(۲) شیعہ امام کے ظاہر ہونے کی اس شرط کو نہیں مانتے۔

(۳) شیعہ کے نزدیک امام کا خطا سے پاک اور معصوم ہونا شرط ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنّ اللّٰہ قد بعث لکم طالوت ملکا. لہٰذا طالوت واجب الاطاعت امام ہوئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقرر کیا حالاں کہ بالاجماع یہ معصوم نہیں ہیں۔

(۴) ان کے نزدیک امام کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا ضروری ہے۔

(۵) شیعہ اس عقیدہ سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے تمام فرقے اس انکار میں متفق ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام بلافاصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابوبکر غاصب تھے۔

عقیدۂ اہل سنت والجماعت درباب معاد

(۱) قیامت کے دن بندوں کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق بعث ونشر وقوع میں آنے والا امر ہے تاکہ وعدہ خلافی لازم نہ آئے۔

(۲) عذاب قبر حق ہے۔

(۳) مُردوں کی قیامت سے پہلے دنیا میں واپسی نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں میں سے جسے چاہے گا عذاب دے گا اس کو کسی فرقہ کا پاس ولحاظ اس سے روک نہ سکے گا۔ جیسا کہ فرمایا۔ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءِ وَيَرۡحَمُ مَنۡ يَّشَآءُ.

عقائد اثنا عشریہ

(۱) امامیہ کے نزدیک بعث ونشر اللہ پر واجب ہے الٰہیات کے باب میں گذر چکا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(۲) شیعہ کے اکثر فرقے حتیٰ کہ زیدیہ بھی عذاب قبر کے منکر ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہے۔ اور اس باب میں احادیث تواتر معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں۔

(۳) امامیہ سب کے سب اور رافضیوں کے اکثر اس کے قائل ہیں۔ چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر، وصی سبطین اور ان کے دشمن یعنی ہر سہ خلفاء، معاویہ، یزید، مروان اور دوسرے ائمہ اور ان کے متبعین حضرت مہدی کے ظہور کے بعد زندہ ہوں گے اور حادثہ دجّال سے پہلے ان سب قصورواروں کو عذاب دیا جائے گا۔ اور ان سے قصاص لیا جائے گا۔ پھر وہ مر جائیں گے اور قیامت میں پھر زندہ کئے جائیں گے۔ یہ عقیدہ بھی باطل ہے۔ خود فرقہ زیدیہ نے اس عقیدہ کی پُر زور تردید کی ہے۔

(۴) امامیہ کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے کہ کسی امامیہ کو گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کسی پر بھی عذاب نہ دیا جائے گا۔ اسی لئے وہ ترک واجبات اور ارتکاب معاصی پر جری ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نجات اور خلاصی کے لئے حضرت علی کی محبت کافی ہے۔ دراصل یہ عقیدہ یہود سے لیا گیا ہے۔

اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ان کے علاوہ تمام فرقے شیعہ وغیر شیعہ کے دوزخ میں رہیں گے ناجی صرف اثنا عشریہ ہیں۔ ان کا مشہور مذہب یہی ہے۔ ابن مطہر حلی شرح تجرید میں لکھتا ہے کہ ان فرقوں کے بارے میں ہمارے علماء میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ انھیں دوزخ سے نکال کر بہشت میں لایا جائے گا۔

شیعیت کا یہود نواز کردار

فرقہ شیعہ دَراصل یہودیت کی پیداوار ہے۔جس طرح سینٹ پال و پولوس رسول، یہودی نے ازارہ تعصب مسیحیت کا لبادہ اوڑھ کر دین مسیحؑ کی صداقت اور عقیدۂ توحید کو وثنیت اور شرک سے آلودہ کر دیا۔ٹھیک اسی طرح صنعاء کے ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے منافقانہ طور پر اسلام میں داخل ہوکر اسلام کے صاف و شفاف چشمے کو اپنے مشرکانہ عقائد سے مکدر کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ یہ یہودی منافق اگرچہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون" کے خدائی وعدہ حفاظت کی بنا کر اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب تو نہ ہوسکا لیکن ملّتِ اسلامیہ کے اندر اختلاف و انتشار کا ایسا بیج بو گیا کہ امّت اس وقت سے لے کر آج تک اتفاق و اتحاد سے محروم ہے۔

یہی ابن سباء یہودی شیعیت کا مؤسس و بانی ہے اسی لئے مشہور تابعی امام شعبیؒ فرماتے تھے کہ ''شیعہ اس امّت کے یہود ہیں'' (الفصل ج۴ ص۱۸۰) یہی امام شعبیؒ ایک دوسرے موقع پر اپنے تلامذہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"احذرکم اھل ھذہٖ الاھواء المضلة وشرھا الرافضة لم یدخلوا فی الاسلام رغبة ولا رھبة ولیکن مقتًا لاھل الاسلام وبغیا علیھم وقد نفاھم علی رضی اللّٰہ عنہ الی البلدان منھم عبداللّٰہ بن سباء یھودی من یھود صنعاء نفاہ الی سَاباط وعبداللّٰہ بن یسار الی خازر" (الصراع بین الاسلام والوثنیة)

یہودیت اور شیعیت کے تقابلی مطالعہ سے امام شعبی کے قول کی حرف بہ حرف تائید ہوتی ہے کیونکہ فرقۂ شیعہ کے بیشتر عقائد، اخلاق اور اعمال یہودیت ہی کی صدائے بازگشت معلوم ہوتے ہیں بطور مثال ونمونے کے چند امور یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱- یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر انھیں الوہیت کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن سبا اور اس کے پیرو شیعہ حضرت علی کی الوہیت کے قائل ہیں۔

۲- یہودیوں کے نزدیک خلافت وحکومت آل داؤد کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح شیعوں کے نزدیک خلافت وامامت آل رسول وآل بیت ہی کا حصہ ہے۔

۳- یہود حضرت جبرئیلؑ کے بارے میں کہتے ہیں۔ وهو عدونا من الملائكة شیعہ بھی یہی کہتے ہیں۔

۴- یہود نے اپنی کتاب تورات میں تحریف کی، شیعہ فرقے نے بھی قرآن کریم میں تحریف کی ناپاک کوشش کی۔

۵- یہود مسح علی الخفین کو جائز نہیں سمجھتے۔ یہی مسلک شیعوں کا بھی ہے۔

۶- یہود اپنے علاوہ کسی کو جنتی نہیں سمجھتے لن يدخل الجنة الا من كان يهودًا۔ شیعہ فرقہ کا بھی یہی زعم باطل ہے۔

۷- یہود اشتباک نجوم تک نماز کو مؤخر کرتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ نماز مغرب کو اشتباک نجوم کے بعد ادا کرتے ہیں۔

۸- یہود الجرمی والمرماہی مچھلی کو حرام سمجھتے ہیں۔ یہی مذہب شیعوں کا بھی ہے۔

۹- یہودیوں کے یہاں عورتوں پر عدّت نہیں ہے۔ یہی بات شیعہ بھی کہتے ہیں۔

۱۰- یہود تمام غیر یہودیوں کے اموال کو اپنے لئے حلال سمجھتے ہیں۔ اسی نظریہ کے قائل شیعہ بھی ہیں، وتلك عشرة كاملة، ان کے علاوہ اور بھی ایسے بہت سے امور ہیں۔ جن میں شیعہ اہل اسلام کے بجائے یہودیوں کے مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ چونکہ اس فرقہ کا مؤسس اصلاً یہودی ہے اس لئے شیعت اور یہودیت میں یہ مناسبت ومطابقت فطری ہے۔

فرقہ شیعہ اپنے ابتدائے وجود سے عالم اسلام کے لئے ایک خطرہ بنا ہوا ہے اور ہمیشہ سے اس کی یہی کوشش رہی ہے کہ ملت اسلامیہ میں اختلاف وانتشار پیدا کر کے اس کے شیرازہ کو منتشر کردے۔ چنانچہ اس کے بانی ابن سباء نے اپنی خفیہ سازشوں کے ذریعہ

خلیفۂ ثالث داماد رسولؐ حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف بغاوت برپا کی جس کے نتیجہ میں ۳۵ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، بانیٔ شیعیت کی منافقانہ سازشوں کی بناء پر ۳۶ھ میں واقعۂ جمل اور ۳۷ھ میں صفین کا حادثہ پیش آیا۔ جس کے نتیجہ میں اسلامی متحدہ قوت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی اور اس کے نقصان دہ اثرات سے آج تک امت مسلمہ چھٹکارا حاصل نہ کرسکی، شیخ الشیعہ نصیر طوسی اور وزیر علقمی شیعی کی دوہرہ کوششوں سے ہلاکو خاں کے ہاتھوں ۶۵۶ھ میں خلافتِ عباسیہ کا سقوط اور مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ تاریخ اسلام کے یہ ایسے دردناک اور ہلاکت خیز حادثات ہیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو محض شیعوں کی فتنہ پردازیوں اور در پردہ سازشوں کی بناء پر دوچار ہونا پڑا ہے۔ (تفصیل کیلئے تاریخ طبری، تاریخ کامل، تاریخ ابن کثیر وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے)

چونکہ شیعوں کے نزدیک مکہ میں رہنے والے مسلمان خدا کے کھلے ہوئے منکر اور اہل مدینہ مکہ والوں کی بہ نسبت ستر گنا پلید ہیں (اصول کافی ج۲ص ۴۰۹) نیز ان کے نزدیک حرمین شریفین کے مقابلہ میں نجف اور کربلا زیادہ محترم ومقدس ہیں (اصول کافی، والشیعہ والمنارص ۲۵) اس لئے حرمین شریفین کے مسلمانوں کو قتل کرنا اور حرمین کی مرکزیت کو ختم کرنا اُن کے نزدیک کارثواب ہے۔ اسی بناء پر شیعوں کو جب بھی اقتدار نصیب ہوا ہے انھوں نے حرمین شریفین بالخصوص مکہ معظّمہ کی مرکزیت کو پامال کرنے کی پوری کوشش کی ہے چنانچہ فرقۂ امامیہ کی مشہور شاخ اسماعیلیہ نے اپنے دور اقتدار میں ملت اسلامیہ کو جس طرح اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور اہل سنت والجماعت کے عمائدین کو جس طرح چُن چُن کر قتل کیا تاریخ اسلام کے اوراق اس خونچکاں داستان سے لالہ زار ہیں۔ علاوہ ازیں اس فرقہ نے اپنے دور اقتدار میں مکہ معظّمہ کی مرکزیت کو ختم کرنے کی غرض سے ایسی ایسی انسانیت سوز حرکتیں کی ہیں، جنھیں یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ ۲۹۰ھ میں انھوں نے مکہ معظّمہ سے حج کر کے واپس لوٹنے والے حجاج کے قافلوں پر زبردست حملے کئے اور تقریباً بیس ہزار حاجیوں کو شہید کرڈالا۔ پھر اسی گروہ نے ۳۱۷ھ میں اپنے سردار ابوطاہر سلیمان کی زیر قیادت ایّام حج میں مکہ معظّمہ پر حملہ کیا اور خاص یوم

ترویہ میں حاجیوں پر شب خوں مار کر ان کے مال و اسباب لوٹ لئے اور بہت سارے حاجیوں کو بیت الحرام میں قتل کیا۔ حجر اسود کو نکال کر اپنے دارالخلافہ لے گئے تا کہ مسلمان مکہ معظّمہ میں حج کرنے کے بجائے ہمارے دارالسلطنت میں حج کرنے آیا کریں، حسب بیان احمد امین اس قتل و غارت گری کا سلسلہ بارہ دن تک جاری رہا (ظہر الاسلام)

فرقۂ امامیہ کی دوسری مشہور و معروف شاخ اثنا عشریہ بھی اس وقت اسی منفی کردار کو دہرا رہی ہے۔ چنانچہ اپنے قائد، امام، پیشوا اور نائب امام غائب علامہ خمینی کی ہدایت کے مطابق یہ لوگ ہر سال حج کے موقع پر انتشار و اختلال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں شیعوں کے اس شورش پسند رویہ کی وجہ سے سعودی حکومت کو دوہرا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ حتی کہ ۱۹۸۶÷ میں حج کے نام پر آنے والے پاسداران خمینی کی اٹیچیوں میں اچھی خاصی مقدار میں پلاسٹک بم اور دیگر آتش گیر مادے پکڑے گئے تھے کہ ان کی تھوڑی سی مقدار ہزاروں کو ختم کرنے کے لئے کافی تھی۔ حج کے موقع پر پاسداران خمینی کی ان دہشت انگیزیوں کا مقصد یہ ہے کہ حجاج اس طرح کے اتھل پتھل سے گھبرا کر یہاں آنا بند کر دیں اس طرح سے مکہ کی مرکزیت از خود ختم ہو جائے گی اس کے بعد اس پر قبضہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ جس کا خواب خمینی ایک عرصہ سے دیکھ رہے ہیں۔

حرم پاک کے اس حادثہ کو جو لوگ ایک وقتی حادثہ سمجھ رہے ہیں وہ غالباً شیعت کے اس تاریخی منفی کردار سے یا تو واقف نہیں ہیں یا جان بوجھ کر سہل انگاری سے کام لے رہے ہیں۔ ورنہ درحقیقت شیعیت کی طرف سے ملت اسلامیہ کو ایک چیلنج ہے جس کا جواب نہ صرف سعودیہ حکومت ہی کے ذمہ نہیں ہے بلکہ پوری ملت اسلامیہ پر اس کی جوابدہی شرعاً لازم ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
ہند کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

☆ ☆ ☆

کیا اثنا عشری مسلمان ہیں؟

ایمان وکفر میں فرق وامتیاز ضروری ہے

ایمان وکفر دو جدا جدا مستقل حقیقتیں ہیں، جو اپنے معنی ومفہوم، اثرات وعوامل اور نتائج وثمرات کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد اور متبائن ہیں، انبیائے کرام اور کتب سماویہ کے نزول کی ایک اہم ترین غرض ایمان وکفر کے حدود کی تعیین وتشخیص اور ان کے درمیان امتیاز کرنا بھی ہے تاکہ ایمان کو کفر، اور کفر کو ایمان سمجھنے کی خطرناک اور تباہ کن غلطی سے نوع انسانی کو بچایا جائے اس لئے جو شخص اسلامی تعلیمات کے مطابق عقیدۃً مومن ہے اسے کافر سمجھنا یا جو اسلامی عقائد کی رو سے کافر ہے اسے مؤمن باور کرنا شریعت اسلامیہ میں عظیم جرم ہے "ادخال الکافر فی الملة واخراج مسلم عنها عظیم فی الدین" (اکفار الملحدین ص ۲۰ وشرح شفاج ۲ ص ۵۰۰) کیونکہ یہ غیر محتاط رویہ بعثت رسول اور انزال کتب کے مقصد وغرض کی نفی کرتا ہے۔

مسلمانوں کو کافر کہنے کے متعلق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یَاَیُّهَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰه فَتَبَیَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰی اِلَیۡکُمُ السَّلَامَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا (نساء)

اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں سفر میں نکلو تو ہر کام تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو تمہارے سامنے اسلام پیش کرے یہ مت کہو کہ تو کافر ہے۔

اس آیت پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے تو جب تک اس کے کفر پر مکمل اور یقینی ثبوت فراہم نہ ہو جائے اسے کافر سمجھنا ناجائز ہے۔

اسی کے بالمقابل کافر کو مسلمان قرار دینے پر بایں الفاظ نکیر فرمائی گئی ہے۔

اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَھْدُوا مَنْ اَضَلَّ اللّٰہُ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ سَبِیْلا. (نساء)

کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو راہ پر لاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے اس کے (مومن ہونے کے) لئے کوئی راہ نہیں پاؤ گے۔

مطلب یہ ہے کہ گمراہ غیر مومن کو راہ یاب مومن قرار دینا درست نہیں ہے لہٰذا اس غلطی سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہئے۔

مگر آج کی بے قید آزادی کا یہ کرشمہ ہے کہ اس انتہائی نازک مسئلہ میں بھی بیبا کانہ افراط وتفریط کی جارہی ہے ایک طرف وہ لوگ ہیں جنھوں نے تکفیر بازی کو اپنا مشغلہ بنالیا ہے اور معمولی معمولی خلاف شرع بلکہ خلاف طبع باتوں پر فتویٰ تکفیر جاری کر دیتے ہیں، ان کے بالکل برعکس کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کے نزدیک اسلام وایمان کی کوئی حقیقت و اہمیت ہی نہیں ہے محض دنیاوی مفاد اور مردم شماری کی فہرست میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ دکھانے کی غرض سے یہ لوگ ہر مدعی اسلام کو (خواہ اس کے سارے کے سارے عقائد اسلام کے خلاف کیوں نہ ہوں) نہ صرف مسلمان کہنے پر مصر ہیں بلکہ جو اہل علم ایسے بدعقیدوں کو شرعی دلائل کی بنیاد پر خارج از اسلام سمجھتے ہیں انھیں یہ لوگ لعن وطعن اور سبّ وشتم بھی کرتے ہیں حالانکہ جس طرح صحیح العقیدہ مسلمان کو مسلمان سمجھنا ضروری ہے اسی طرح ضروریات دین وقطعیات اسلام کے منکرین بدعقیدوں کو خارج از اسلام سمجھنا بھی شرعاً لازم ہے، اور جاننے والوں کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ ملت اسلامیہ کو ان کے فساد عقیدہ سے باخبر کر دیں تا کہ یہ بدباطن مارآستین بن کر اپنے مسموم عقائد کا زہر مسلمانوں میں نہ پھیلا سکیں۔

عقل وانصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ امت کو ان علمائے دین کا احسان منداور شکر گذار ہونا چاہئے جو اس طرح کے نقاب پوش بدعقیدہ دشمنانِ اسلام کا پردہ چاک کر کے ان کا اصل چہرہ نمایاں کر دیتے ہیں تا کہ مسلمان بغیر کسی اشتباہ کے ان کی حقیقتِ اصلیہ سے واقف ہو جائیں اور ان کے ضرر سے محفوظ رہیں نہ کہ الٹے انھیں تنگ نظر، مفاد پرست

اور تفریق بین المسلمین کا مجرم گردانا جائے''بریں عقل و دانش بباید گریست''

اپنے ذاتی اور وہ بھی موہوم مفاد کے تحت جو لوگ دشمنان اسلام کو مسلمانوں کی صف میں کھڑا کرنے کے لئے اس طرح کی غیر معقول اور ناروا حرکتیں کر رہے ہیں ان کا حال اس ناسمجھ بچے جیسا ہے جو کسی چور کے ہاتھ پڑ گیا تھا اور چور اسے چند چاکلیٹ دیکر گھر کے سیف کی تالیوں کو معلوم کر رہا تھا کہ ایسا شخص وہاں آ گیا جو چور کو اور اس کی اس تکنک کو اچھی طرح جانتا تھا اس نے چور کو بچے کے پاس اکیلا بیٹھا دیکھ کر چور، چور چلانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے چور وہاں سے بھاگ گیا، جس پر یہ ناسمجھ بچہ منھ بسور کر اس شور مچانے والے کو برا بھلا کہنے لگا کہ اس نے ناحق ایک مخلص پر چوری کا الزام لگا کر میرے پاس سے اسے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا وہ تو ازراہ محبت مجھے چاکلیٹ کھلا رہا تھا، ظاہر ہے کہ بچے کے اس واویلا پر کون ذی ہوش کا دن دھرے گا، بعینہٖ یہی حال اس ناروا توسیع پسند گروہ کا ہے جو اپنے چندروزہ مفاد کے پیش نظر فرقۂ اثنا عشریہ کو زبردستی مسلمانوں کے زمرہ میں گھسیٹ لانے پر مصر ہیں بالخصوص دہلی کے ایک معاصر ہفت روزہ نے تو اسے ایک مہم بنالیا ہے اور دلائل و شواہد کے بجائے دشنام بازی، الزام تراشی، افترا پردازی اور صحافتی پھبتیوں کے سہارے وہ ان تقیہ باز منکرین اسلام کو مخلص اور سچا پکا مسلمان ٹھہرا دینے کی نامشکور کوشش میں لگا ہے، چنانچہ اس نے اپنی جنوری کی ایک اشاعت میں ''علامہ خمینی اور ان کے ماننے والے کافر؟'' کا سوالیہ عنوان قائم کر کے خمینی اور ان کے ہم مذہب شیعوں کو کافر کہنے والوں کو دل کھول کر گالیاں دی ہیں اور انھیں کے ساتھ مملکت سعودیہ کے سربراہوں پر بھی بغیر کسی معقول شہادت کے شراب نوشی، قمار بازی اور شہوت پرستی کا الزام لگایا ہے لیکن سعودی حکمرانوں کے بالفرض شراب نوش قمار باز ہونے سے خمینی اور ان کے متبعین کا اسلام کس طرح ثابت ہو گیا؟ کیا ایک فریق کی بدعملی دوسرے فریق کے اسلام کو مستلزم ہے؟ آخر استدلال و استنباط کی یہ کون سی قسم ہے جسے یہ پیش کر کے خمینی کے اسلام پر ثبوت فراہم کر رہا ہے؟ کم از کم مجھ جیسے طالب علم کیلئے تو یہ عقدہ لاینحل ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے   خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے

اسی تحریر میں جسے بقلم خود فکر انگیز بتایا گیا ہے قارئین کو متاثر کرنے کی غرض سے ایک جگہ بڑے پر اعتماد لہجے میں یوں خامہ فرسائی کی گئی ہے۔

''میں عالم دین تو نہیں البتہ یہ بات بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اب تک شیعہ مسلمانوں کو کبھی کافر قرار نہیں دیا گیا۔''

سوال یہ ہے کہ اس وثوق کی بنیاد کیا ہے؟ پردۂ زنگاری میں چھپے معشوق کے چشم و ابرو کا اشارہ ہے؟ یا علم واستدلال کی وہ روشنی ہے جس کے ذریعہ کسی اختلافی ونزاعی مسئلہ میں دوٹوک فیصلہ کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ بقول خود اس فکر انگیز تحریر کے لکھنے والے مفکر گرامی دینی علوم کی دولت سے محروم ہیں تو اس انتہائی نازک اور خالص علمی ودینی مسئلہ میں ان کا ایک پہلو پر اظہار وثوق معشوق زنگاری کا مرہون منت ہی ہوگا۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ کفر وایمان کا مدار خالص اعتقادیات ونظریات پر ہے اگر کوئی شخص صدق دل سے اللہ کی وحدانیت، رسول کی رسالت اور تمام ضروریاتِ دین وقطعیات اسلام کو مانتا ہے تو وہ مسلمان ہے اور قطعی مسلمان ہے چاہے ساری دنیا ایک زبان ہوکر اسے شرابی جواری اور شہوت پرست کیوں نہ کہے دنیا کا یہ مخالف پروپیگنڈا اسے دائرہ اسلام سے باہر نہیں کرسکتا اس کے برعکس اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی منکر ہے تو وہ خارج از اسلام ہے، فقیہ عادل، رہبر اعظم، امام زماں کے دعوے اور نعرے اسے اسلام میں داخل نہیں کرسکتے۔

محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''اکفار الملحدین'' میں بحوالہ ایثار الحق علی الخلق از حافظ محمد بن ابراہیم یمانی لکھتے ہیں۔

اجماع الامة علی تکفیر من خالف الدین المعلوم بالضرورة (ص۶۲)

ضروریاتِ دین کے مخالف کی تکفیر پر امت کا اجماع ہے۔

اثنا عشری میں اسباب کفر پائے جاتے ہیں یا نہیں؟

اس لئے بلند بانگ دعووں اور اخبارات کی شاہ سرخیوں سے کسی منکر ضروریات

دین کے اسلام کو ثابت نہیں کیا جا سکتا اس کیلئے تو ضروریات دین پر یقین واذعان کے ٹھوس اور مستحکم دلائل درکار ہیں اور بد قسمتی سے خمینی اور ان کے ہم نواؤں کی زنبیل اسی گنج گراں مایہ سے خالی ہے جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہو جائے گا، اس لئے خمینی اور دیگر اثنا عشری شیعوں کی تکفیر کے سلسلے میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اسباب کفر میں سے کوئی سبب ان کے اندر پایا جاتا ہے یا نہیں اگر ان اسباب میں سے کوئی سبب ان میں محقق ہو جاتا ہے تو وہ یقیناً کافر ہوں گے، اس تلاش وجستجو کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کہ اب تک کے علماء نے اس فرقہ کی تکفیر کی ہے یا نہیں، کیونکہ اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ کفر کا مدار کسی کے کہنے یا فتویٰ پر نہیں ہے بلکہ وہ اسباب کفر ہیں جن کو اختیار کرنے سے آدمی کافر بن جاتا ہے، لہٰذا معاصر کا یہ دعویٰ کہ ''البتہ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اب تک شیعہ مسلمانوں کو کافر قرار نہیں دیا گیا'' بالفرض اگر درست بھی مان لیا جائے پھر بھی اس نرے دعویٰ سے کفر کے طوق لعنت سے اثنا عشری شیعوں کی گلوخلاصی نہ ہو سکے گی، کیوں کہ ان کے اندر ایک نہیں بلکہ متعدد اسباب کفر جمع ہو گئے ہیں مثلاً (۱) عصمت ائمہ کا (۲) حضرات انبیاء پر ائمہ کی برتری (۳) تحریف قرآن کا (۴) ارتداد صحابہ کا (۵) انکار خلافت شیخین (ابوبکر وعمرؓ) (۶) بداء (۷) قذف عائشہ صدیقہ (۸) رجعت، وغیرہ یہ سارے عقائد ضروریات دین کے بالکل مخالف ہیں اور اثنا عشری فرقہ سے تعلق رکھنے والے تمام شیعہ ان مذکورہ عقائد کے پابند ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے، اس موقع پر چند کتابوں کا نام درج کیا جا رہا ہے تا کہ انھیں دیکھ کر اطمینان کر لیا جائے (۱) الکافی از محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۹ھ (۲) من لا یحضرہ الفقیہ از ابن بابویہ محمد بن علی الصدوق القمی متوفی ۳۸۱ھ (۳) تہذیب الاحکام (۴) الاستبصار (اثنا عشریوں میں یہ چاروں کتابیں امہات کتب میں شمار ہوتی ہیں اور ان میں اول الذکر کا مرتبہ تمام کتابوں سے بلند ہے) ان کے علاوہ شیعوں کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی کی کتابیں مثلاً (۵) حیات القلوب، (۶) حق الیقین، (۷) جلاء العیون جو شیعوں کے نزدیک نہایت معتبر ومستند مانی جاتی ہیں، ان متقدمین علمائے شیعہ کے علاوہ اس دور کے علمائے شیعہ میں سے مولانا حسین بخش جارا کی

(۸) تفسیر انوار النجف محمد حسین ڈھکو مجتہد کی (۹) احسن الفوائد و (۱۰) تجلیات صداقت اور مترجم الکافی مولانا ظفر حسن امروہوی کی (۱۱) عقائد الشیعہ اور (۱۲) تحفۃ العوام وغیرہ ہندو پاک کے شیعوں میں متداول ہیں اور ہر شیعہ ان کے مندرجات کو صحیح و درست سمجھتا ہے اور موقع استدلال میں ان کی عبارتوں کو پیش کرتا ہے، ان مذکورہ تمام کتابوں میں اوپر ذکر کیئے ہوئے شیعوں کے عقائد کی تفصیلات موجود ہیں اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہر ایک کتاب سے کم از کم ایک حوالہ ضرور پیش کر دیا جاتا۔

مذکورہ بالا سارے کے سارے عقائد ضروریات دین کی نفی کرتے ہیں کیونکہ علمائے متکلمین کی اصطلاح میں ضروریات دین میں ہر ایسے امور داخل ہیں جن کا رسول خدا...... کے دین سے ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہو اور مسلمانوں کے ہر طبقہ میں وہ اس طرح سے مشہور ہوں کہ ان کی تحصیل کسی خاص اہتمام پر موقوف نہ ہو بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو وراثۃً وہ امور معلوم ہوتے رہتے ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ کی فرضیت، نبی علیہ السلام کا خاتم الانبیاء ہونا وغیرہ ایسے امور ہیں جو بغیر تعلیم و تعلم کے مسلمانوں کو معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور علمائے کلام کی حسب تصریح (۱) حضرات انبیاء کا عصمت کے ساتھ مخصوص ہونا (۲) غیر نبی کا نبی سے کم تر درجہ کا ہونا (۳) قرآن کریم کا تحریف و تبدیلی سے محفوظ ہونا (۴) تمام صحابۂ کرام کا مؤمن ہونا (۵) نبی کریم ...... کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا یکے بعد دیگرے خلیفہ ہونا (۶) علم خداوندی کا ہر موجود و غیر موجود پر محیط ہونا (۷) منافقین کے عائد کردہ الزام سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بری ہونا (۸) مرنے کے بعد اس دنیا میں جزا و سزا کیلئے دوبارہ پیدا نہ ہونا یہ سب امور ضروریات دین اور قطعیات اسلام میں داخل ہیں ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی موجب کفر ہے، اور اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ اثنا عشری شیعوں کا عقیدہ ان سب کے خلاف ہے اسلئے علمائے امت نے ہر دور میں اس طرح کے عقائد رکھنے والے شیعوں کی تکفیر کی ہے، چنانچہ علامہ ابن کثیر آیت پاک اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الخ کے ذیل میں لکھتے ہیں قد اجمع العلماء رحمهم الله قاطبة على ان من سبّها (عائشةؓ) بعد هذا فانه كافر معاند للقرآن (تفسیر ابن کثیر)

تمام کے تمام علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو لوگ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آیت مذکورہ کے بعد قذف کرتے ہیں وہ کافر اور قرآن مجید کے مخالف ہیں اور اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار میں ملا جیونؒ اجماع کی بحث میں لکھتے ہیں "ثم هو على مراتب فالاقوٰی اجماع الصحابة نصا مثل ان یقولوا جمیعا اجمعنا علی کذا فانه مثل الآیة والخبر المتواتر حتی یکفر جاحده ومنه الاجماع علی خلافة ابی بکر پھر اس کے چند مراتب ہیں جن میں سب سے قوی حضرات صحابہ کا صراحتاً کسی بات پر اجماع ہے مثلاً تمام صحابہ کسی مسئلے کے متعلق صراحتاً یہ کہیں کہ ہم نے اس پر اتفاق کرلیا ہے تو یہ آیت اور خبر متواتر کے مثل ہوگا حتیٰ کہ اس اجماع کے منکر کی تکفیر کی جائیگی اور اسی قبیل سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اجماع ہے، اور فرقہ اثنا عشری اتفاقی طور پر نہ صرف خلافتِ شیخین کے منکر ہیں بلکہ سرے سے انھیں مؤمنِ مخلص ہی نہیں مانتے شیعوں کے مجتہد مولوی حسین بخش جاڑا لکھتے ہیں "بیشک شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ لوگ (خلفاء ثلثہ) دل و جان سے مومن نہیں تھے البتہ ظاہراً زبانی طور پر وہ اسلام کا اظہار کرتے تھے (مناظرہ بغداد ص ۵۷) شیعوں کے ایک دوسرے مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو لکھتے ہیں۔ "ہمارے اور ہمارے برادر اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے وہ صرف اصحاب ثلثہ کے بارے میں ہے اہل سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولتِ ایمان و ایقان اور اخلاص سے تہی دامن سمجھتے ہیں (تجلیات صداقت ص ۲۰۱) دور حاضر کے شیعوں کے رہبر اعظم و نائب امام غائب خمینی بھی خلفائے ثلثہ کے ایمان کے منکر ہیں ان کی مشہور کتاب کشف الاسرار کے صفحات ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۹، ۱۵۳، وغیرہ کو دیکھ کر فیصلہ کرلیا جائے۔

کیا ان تصریحات کے بعد بھی کسی کیلئے اس کی گنجائش ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ "اب تک شیعہ مسلمانوں کو کافر قرار نہیں دیا گیا۔" واقعہ یہ ہے کہ اوپر مذکور ضروریات دین وقطعیات شریعیہ کی مخالفت اور انکار کی بناء پر ہر دور کے علماء وفقہاء نے شیعوں کی تکفیر کی ہے اور انھیں گمراہ اور گمراہ کنندہ قرار دیا ہے اس موقع پر بغرض اختصار چندان کتابوں کے

نام مصنف کی تصریح کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں جن میں شیعوں کی تکفیر کی گئی ہے۔

چندوہ کتابیں جن میں اثنا عشری کے کفر کی تصریح ہے

(۱) الفصل فی الملل والاہواء والنحل ج ۲ ص ۷۸ مؤلفہ امام ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ

(۲) خلاصۃ الفتاویٰ قلمی مرتبہ شیخ طاہر بن احمد البخاری المتوفی ۵۴۲ھ

(۳) الشفاج ۲، ص ۲۸۶ و ۲۸۹ مصنفہ قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ

(۴) بدائع الصنائع از شیخ ابوبکر ابن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ

(۵) فتح القدیر ج ا ص ۳۰۴ از علامہ کمال الدین المعروف بہ ابن ہمام حنفی۔

(۶) الصارم المسلول ص ۵۷۵ پر علامہ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۷ھ نے قاضی ابویعلی، محمد بن یوسف فریابی، امام ابوبکر ہانی سے فتویٰ تکفیر شیعہ درج کیا ہے۔

(۷) خزانۃ المفتیین قلمی میں بھی تکفیر شیعہ کا فتویٰ موجود ہے، امام حسین بن محمد سمعانی مؤلف کتاب اس کی تالیف سے ۷۴۰ھ میں فارغ ہوئے ہیں۔

(۸) تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ا ص ۱۳۴ مطبوعہ مصر از امام فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی متوفی ۷۴۳ھ

(۹) بحر الرائق مؤلفہ شیخ زین العابدین ابن نجیم مصری متوفی ۹۶۹ھ

(۱۰) مجمع الانہر از شیخ زادہ، یہ کتاب ۱۰۷۷ھ میں لکھی گئی ہے۔

(۱۱) فتاویٰ عالمگیریہ جسے اورنگ زیب عالمگیرؒ کے حکم سے پچاس علماء پر مشتمل ایک مجلس نے مرتب کیا ہے۔

(۱۲) تنقیح حامدیہ از علامہ ابن عابدین شامی۔

(۱۳) شرح فقہ اکبر ص ۱۵۳ از ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ

(۱۴) اور ہندوستان کے مشاہیر علماء میں مجدد الف ثانیؒ نے اپنی مشہور تصنیف رد الروافض میں اثنا عشریوں کو کافر لکھا ہے۔

(۱۵) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مسوی شرح موطا امام مالک ج ۲ ص

۱۱۰ پر انھیں زندیق کہا ہے۔

(۱۶) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے فتاویٰ میں ان کی تکفیر کی ہے۔

(۱۷) اور مولانا عبدالحئی فرنگی لکھتے ہیں منقح اور قولِ مفتی بہ اور مرجح یہ ہے کہ جو شیعہ منکر ضروریات دین ہوں وہ کافر ہیں، ان کا ذبیحہ حلال نہیں، مناکحہ ان کے ساتھ درست نہیں، شرکت ان کے ساتھ مثل شرکت اہل اسلام کے جائز نہیں'' (فتاویٰ مولانا عبدالحئی ج۲ص ۷۷ طبع قدیم)

(۱۸) مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے رسالہ ''ردالرفضہ'' میں پچاس سے زائد کتب فقہ کلام وتفسیر کے حوالوں سے اثنا عشریوں کے کفر کو ثابت کیا ہے۔

اثنا عشری کے کفر پر ایک متفقہ فتویٰ

آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی نے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ ''شیعہ اثنا عشریہ رافضیہ قطعاً خارج از اسلام ہیں ہمارے علماء سابقین کو چونکہ ان کے مذہب کی حقیقت کما ینبغی معلوم نہ تھی بوجہ اس کے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کو چھپاتے ہیں اور کتابیں بھی ان کی نایاب تھیں لہٰذا بعض محققین نے بربنائے احتیاط ان کی تکفیر نہیں کی تھی مگر آج ان کی کتابیں نایاب نہیں رہیں اور ان کے مذہب کی حقیقت منکشف ہوگئی اس لئے تمام محققین ان کی تکفیر پر متفق ہوگئے ہیں، ضروریات دین کا انکار قطعاً کفر ہے اور قرآن شریف ضروریات دین میں سب سے اعلیٰ وارفع چیز ہے اور شیعہ بلا اختلاف ان کے متقدمین ومتاخرین سب کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں'' الخ۔ امام اہل سنت کے اس فتویٰ پر اس وقت کے ۳۰ علمائے ہند کے تصدیقی وتائیدی دستخط ثبت ہیں جن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہاں پوری ثم دہلوی، مولانا مفتی ریاض الدین مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا اعزاز علی شیخ الادب والفقہ دارالعلوم دیوبند، مولانا مرتضی حسن چاند پوری ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم

پاکستان، محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب شیخ الحدیث وصدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوری صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد عبدالعزیز گوجرانوالہ مصنف نبراس الساری، حضرت مولانا عبدالرحمٰن مفسر امروہوی وغیرہ جیسے اساطین علم بھی ہیں۔ ''شیعہ اثنا عشریہ کے کفر وارتداد کے متعلق علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ'' کے نام سے یہ فتویٰ متعدد بار طبع ہو چکا ہے اور دستیاب ہے ابھی حال ہی میں ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں بھی یہ پورا فتویٰ شائع کیا گیا ہے۔

ایک اور فتویٰ

اس کے علاوہ ۱۳۴۶ھ میں ''فیصلہ شرعی'' کے نام سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم اور ان کے برادر خورد مولانا محمد طاہر صاحب کے اہتمام میں مطبع قاسمی سے ۲۷ صفحات پر مشتمل ایک فتویٰ شائع ہوا تھا، اس رسالہ میں بھی ایک استفتاء کے جواب میں مولانا حکیم محمد قطب الدین پیرکوٹی نے لکھا ہے۔ ''اکثر فقہاء اور متکلمین مطلق رافضیوں کو کافر لکھتے ہیں خواہ وہ رافضی محض سبّی (گالی بکنے والے) ہوں یا سبّ صحابہ کے ساتھ دیگر بکواس بھی بکتے ہوں اور خواہ وہ رافضی صحابہ کرام کو ایمان دار سمجھ کر گالیاں دیتے ہوں یا (عیاذ باللہ) غیر مومن جان کر سبّ بکتے اور گالیاں دیتے ہوں اور خواہ وہ رافضی سبّ صحابہ کو حرام اعتقاد کرتے ہوں یا حلال چنانچہ صاحب فتاویٰ ظہیریہ اور خلاصہ اور قنیہ اور عالمگیریہ اور جامع الرموز اور درمختار اور ردالمحتار شامی اور فتح القدیر وغیرہ وغیرہ سب کے سب شیعہ رافضیوں کو علی الاطلاق کفر کا فتویٰ دیتے ہیں الخ (ص ۶) اس فتوی پر بھی صوبہ سرحد، ملتان، سندھ وغیرہ کے ۲۶ علماء ومفتیوں کے تائیدی دستخط ہیں، اور ابھی چند ماہ پہلے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ نے ''خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ'' کے نام سے ۱۸۴ صفحات کا ایک نمبر شائع کیا ہے جس میں ہندوستان و پاکستان کے علمائے دیوبند علمائے اہل حدیث اور علمائے بریلی کے تقریباً ۲۰۰ سے زائد فتاوے اور تصدیقات

ہیں جن میں متفقہ طور پر تینوں مکتبہ فکر کے علماء نے خمینی اور اثنا عشری کو کافر لکھا ہے۔

حیرت ہے کہ ایک ایسا مسئلہ جس پر علمائے متقدمین و متأخرین اور پھر ہندوستان کے تینوں مکتبہ فکر کے علماء متفق ہوں اس کے بارے میں آنکھ بند کر کے یہ لکھ دیا جائے کہ بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اب تک شیعہ مسلمانوں کو کافر قرار نہیں دیا گیا۔

چہ دلاور است دزدے کہ بشب چراغ دارد

یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ کوئی شخص ایسے نازک، حساس اور جذباتی موضوع پر فکر انگیز تحریر سپرد قلم کرنے بیٹھے اور وہ اس موضوع سے متعلق لکھے گئے لٹریچر سے اس درجہ غافل ہو کہ اسے اپنے ہی ملک اور اپنے گرد و پیش کے علماء کی رائے معلوم نہ ہو، اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ سب کچھ جاننے کے باوجود کسی خاص مقصد کے تحت تجاہل عارفانہ سے کام لیا گیا ہے اور جان بوجھ کر محض اپنے نقاب پوش محسنوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے ایک ایسا دعویٰ کیا گیا ہے جس کا غلط ہونا نصف النہار کی طرح روشن ہے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.